اُردو زبان وادب کے فروغ میں جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کا حصّہ

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی (اردو)

مقالہ نگار

غلام مصطفیٰ خان

اندراج نمبر:1101010103

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر بی بی رضا خاتون

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اُردو

اسکول برائے السنہ، لسانیات اور ہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-32

2015

انتساب

والدِ محترم گل زمان خان اور والدہ محترمہ روشن جہاں
جن کی فیضِ تربیت اور دعاؤں نے مجھے دینی اور دنیاوی
اعتبار سے زندگی کی کٹھن راہوں پر سنبھل کر چلنا سکھایا،
جن کی ٹھنڈی چھاؤں نے مجھے ہر تپش سے محفوظ رکھا اور
جن سے میری دنیا آباد ہے۔

اور

اپنے برادرِ اصغر مرحوم، حافظ ریاض الاسلام جو عین شباب
میں موت کی آغوش میں چلے گئے............

آہ !کیا آئے ریاض دیر میں ہم ، کیا گئے!
زندگی کی شاخ سے پھُوٹے، کھلے، مرجھا گئے

یہ مقالہ اِن ہی خوبصورت رشتوں کے نام

فہرست ابواب

سلسلہ نشان	عناوین	صفحہ نمبر
i	حرفِ آغاز	i-ix
	باب اوّل **ریاست جموں وکشمیر کا تاریخی، سماجی اور تہذیبی پس منظر**	1-26
1.1	ریاست جموں وکشمیر کا جغرافیائی تعارف	1
1.2	ریاست جموں وکشمیر کے تاریخی وسیاسی پہلو	8
1.3	ریاست جموں وکشمیر کے سماجی وتہذیبی پہلو	19
	باب دوم **ریاست جموں وکشمیر میں اردو شعروادب کی روایت**	27-54
2.1	ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کے ابتدائی نقوش	27
2.2	ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شاعری	44
2.3	ریاست جموں وکشمیر میں اُردو نثر	49
	باب سوم **جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا تعارف، اغراض ومقاصد اور استحکام**	55-89
3.1	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف	55
3.2	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے اغراض ومقاصد	63
3.3	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے قواعد وضوابط	76
	باب۔ چہارم **حصہ الف: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی تصنیفی خدمات**	90-176
4.1	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی اُردو کی کتابوں کا اجمالی جائزہ	90
4.2	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی مالی معاونت سے شائع شدہ اُردو کتابوں کا تعین قدر	99
4.3	جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے ذریعہ ادبی تنظیموں اور ادیبوں کو دی جانے والی معاونت کا تعین قدر	110

سلسلہ نشان	عناوین	صفحہ نمبر
	حصہ ب: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کے تدریسی پروگرام	
4.4	خطاطی و خوشنویسی	144
4.5	اُردو ٹائپ و مختصر نویسی	**164**
4.6	انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس	168
	باب۔ پنجم	177-223
	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سے شائع ہونے والے رسائل اور ان کا ادبی مقام	
5.1	اُردو ماہنامہ ’’شیرازہ‘‘ کے ادبی مقام کا تعین قدر	177
5.2	سالنامہ ’’ہمارا ادب‘‘ کے ادبی مقام کا تعین قدر	210
5.3	خبرنامہ ’’اکادمی‘‘، ’’ثقافت‘‘ کے ادبی مقام کا تعین قدر	221
	باب۔ ششم	224-292
	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کے تحت منعقد مشاعروں، سمیناروں کا اجمالی جائزہ	
6.1	مشاعرے کی اہمیت و افادیت	224
6.2	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کا تعین قدر	251
6.3	تھیٹر اور ڈراموں کا تعین قدر	277
	باب۔ ہفتم	293-338
	ماحصل، تجزیہ اور تجاویز	
	کتابیات (Bibliography)	339-342

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

لَئِنۡ شکَرۡ تُمۡ لَاَ زِیۡدَ نَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡ تُمۡ اِنَّ عَذابِیۡ لَشَدِیۡدِ

رَبِّ کائنات کالاکھ بار شکر جس نے قلم کی تخلیق کی، اس کی قوتِ استعمال کی طاقت جس کی قبضہ قدرت میں ہے اس کا کون اور کیسے شکریہ ادا کر سکتا ہے؟ کیونکہ اُس کے احسانات وانعامات بے شمار ہیں، پھر بھی اس کے حضور اس کی ذات کے شایانِ شان شکریہ بندۂ خاکسار کی طرف سے کیونکہ اس کی توفیق سے اس ناتواں کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

لاکھ ڈھونڈیں گوہر مقصود مل سکتا نہیں
حکم گر تیرا نہ ہو، پتّہ بھی ہل سکتا نہیں

کروڑوں درود وسلام ہوں رحمت العالمین، ہادیِ دو جہاں سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس محسن انسانیت نے علم کی شمع روشن کی۔

ثنائے خالق اکبر مرا فریضہ ہے
درودِ ساقی کوثر مرا فریضہ ہے

تجسس اور تحقیق انسان کے فطری جذبے ہیں جس کے اوصاف کی بنا پر اُسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ چوں کہ انسانی حافظہ دیرپا نہیں ہے۔ ابتدا آفرینش سے ہی انسان نے اپنے تجربات ومشاہدات کو دوام بخشنے کی خاطر چند ٹیڑھے ترچھے خطوط وضع کیے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی شکل اختیار کرتے گئے۔

کسی قوم کی پہچان بڑی بڑی تعمیرات، کشادہ سڑکوں، فیکٹریوں سے نکلتے ہوئے دھوئیں اور مادی ترقی کی دیگر شکلوں کو ہی دیکھ کر نہیں کی جاتی۔ ہر قوم کی اصل پہچان اس کے لکھے ہوئے ادب، موسیقی، مصوری، سنگ تراشی اور دوسرے فنون لطیفہ کے شہپاروں سے ہوتی ہے۔ ایک فن پارہ چاہے اُسے لفظوں کا چولا پہنایا گیا ہو، چاہے اُس کی تشکیل میں لوہا یا تانبا برتا گیا ہو یا سنگِ مرمر، فن پارہ فنکار کی ذاتی کاوش اور تحریک کا حامل ہوتے ہوئے بھی پوری قوم کا تہذیبی ترجمان بن جاتا ہے، کیونکہ اُس کی تخلیق کے دور پیچھے بیتے زمانوں

کی اجتماعی سوچ ،سماجی زندگی کی اُتھل پتھل ،قوم کا اپنا مزاج اور انسانی دلوں کے لافانی جذبۂ عمل کارفرما ہوتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ایک عظیم فن پارہ ایک قوم یا ملک کی تہذیب کا عکس ہوتے ہوئے بھی پوری انسانیت کی جمالیاتی حسن اور فکر کی تسکین کا باعث بنتا ہے۔

کشمیر جو اپنے طلسماتی فطری حسن کے باعث جنت ارضی کہلاتا ہے کی ایک قدیم تاریخ اور تہذیب ہے۔ یہ وادی عہد قدیم سے علم و ادب ،فکر و فلسفہ اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی ہے۔اس خطۂ ارض نے صدیوں سے اپنے کارناموں کے جوہر سے ساری دنیا کو قائل کیا ہے۔یہ کارنامے ایسے ہیں جن کے باعث یہاں کی رعنائیوں میں کئی رنگوں کا اضافہ ہوا ہے۔علم وادب ،فنونِ لطیفہ اور عرفان ایسا کون سا شعبہ ہے جہاں اس خطۂ ارض نے اپنا چراغ روشن نہ کیا ہو۔

جموں وکشمیر کے تہذیب حسن کو سنوارے اور نکھارنے میں جہاں عوامی محبت اور حکومت کی سر پرستی رہی ہے وہیں اس میں اُردو زبان وادب کی مٹھاس ، لطافت اور حلاوت کا ہاتھ بھی کچھ کم نہیں ۔سنسکرت اور فارسی ادبیات کے بعد جس زبان نے کشمیریوں کو اپنا گرویدہ بنایا وہ اُردو زبان ہے۔اُردو نے اگر چہ ریاست سے بہت دور جنم پایا ہے لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی اور اپنے تخلیقی ذہن کی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اس زبان اور اس کے ادب کی توسیع میں اہم رول ادا کیا۔ یہ اُردو زبان ہی ہے جو بنیادی طور پر ریاست اور ملک کے دوسرے حصوں کے درمیان رابطے کی زبان ہے۔ یہ رابطے صرف لسانی نوعیت کے نہیں بلکہ یہ تہذیبی لین دین فکری ، مذہبی ، سیاسی اور ادبی فکر کی باہمی منتقلی کا وسیلہ بھی ہیں۔اس وسیلے کو آگے بڑھانے میں ادبی اور تمدنی اداروں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔اگر چہ یہ حقیقت اب بھی اپنی جگہ پر قائم ہے کہ ادبی ادارے ادیب اور فنکار پیدا نہیں کرتے ، کیونکہ اس قبیل کے لوگ تربیت کے بل بوتے پر وجود میں نہیں آتے بلکہ پیدا ہوتے ہیں۔مگر اس کو جھٹلا یا نہیں جا سکتا ہے کہ ادبی اور تمدنی ادارے تہذیبی قدروں کے پھیلاؤ، فنکاروں اور ادیبوں کو مجتمع کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ان کی صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کرنے کے معاملے میں سر گرم رول نبھانے کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس قسم کے ادارے دانشوروں کو جنم تو نہیں دے سکتے مگر دانشوروں کی آراء کو دوسروں تک پہنچانے میں ان اداروں کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔انھیں حقائق کے پیش نظر کسی زبان، ادب، تہذیب یا قوم کی تمدنی تاریخ کو قلمبند کرتے وقت اس نوعیت کے اداروں کا ذکر واقعات کا اہم حصہ قرار پاتا ہے۔

''اُردوزبان وادب کے فروغ میں جموں اینڈ کشمیرا کیڈمی آف آرٹ، کلچراینڈ لینگویجز کا حصہ'' ایک طویل، ضخیم، ہمہ پہلو اور ہمہ گیر موضوع ہے۔اس موضوع پر مختلف پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر ایک نہیں بلکہ کئی تحقیقی مقالے لکھنے کی گنجائش ہے۔اُردو کشمیر کی سرکاری زبان ہونے کے ناتے اسکولوں، کالجوں اور دانش گاہوں میں اُردو زبان وادب کی باضابطہ طور پر تعلیم دی جا رہی ہے۔کشمیر کے ادبی اور ثقافتی اداروں میں بھی اس زبان کو ترجیح حاصل ہے ان اداروں میں جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی بھی ایک ادارہ ہے اس ادارے میں اُردو زبان وادب کے حوالے سے جو کام ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلّم ہے اور جب بھی ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان وادب کی تاریخ لکھی جائے گی اس ادارے کا ذکر کیے بغیر نامکمل ہوگی۔اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی اجتماعی غفلت کو چھوڑ کر ایسے اداروں پر تحقیقی مقالے لکھیں جن میں ادب کا ایک بیش بہا خزانہ گرد کی نظر ہو رہا ہے ان اداروں کی خدمات کو نمایاں کرنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم ان کی خدمات کو انفرادی یا مجموعی طور پر منظر عام پر لائیں۔یہ تحقیقی مقالے اسی طرز کی ایک نئی کوشش ہے۔میں اپنی اس سعی میں کسی حد تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ علماء اُردو ہی کر سکتے ہیں۔

مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں موجودہ وسائل سے استفادہ کرنے کی راقم نے بھر پر کوشش کی ہے۔ادبی تحقیق وتنقید میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوا کرتی۔اس لیے میں بھی اپنے اس تحقیقی کام کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ ان سارے مآخذوں تک رسائی اور استفادہ کی بھرپور کوشش کی گئی ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے میرے علم میں آئے۔اس کوشش سے مستقبل کے محققوں کے لیے تحقیق کی کئی راہوں کے لیے بنیادیں فراہم ہوگئی ہیں۔

راہ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے باب سخن

میرے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کا موضوع ''اُردو زبان وادب کے فروغ میں جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچراینڈ لینگویجز کا حصہ'' ہے میں نے اس موضوع کو چھ ابواب اور اکیس ذیلی ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کی ترتیب یوں ہے:

پہلا باب: ''ریاست جموں وکشمیر کا تاریخی، سماجی اور تہذیبی پس منظر'' کے عنوان سے ہے۔اس باب کو تین ذیلی ابواب یعنی ریاست جموں وکشمیر کا جغرافیائی تعارف، ریاست جموں وکشمیر کے تاریخی وسیاسی پہلو اور ریاست جموں وکشمیر کے سماجی وتہذیبی پہلو میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں ریاست جموں وکشمیر کی تاریخی، جغرافیائی حدود، سیاسی، سماجی اور تہذیبی پہلوؤں پر بڑی جامعیت اور قطعیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

دوسرا باب: ''ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شعروادب کی روایت'' کے عنوان سے ہے۔اس باب کو بھی تین ذیلی ابواب یعنی ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کے ابتدائی نقوش ایک جائزہ، ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شاعری اور ریاست جموں وکشمیر میں اُردو نثر میں منقسم کیا گیا ہے۔اس باب میں ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی، اُردو شعروادب میں اہل کشمیر کا کیا رول ہے، اُردو شاعری، اُردو نثر کی ابتداء اور موجودہ صورت حال کے بارے میں بڑے جامع انداز میں مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرا باب: ''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کا تعارف''، اغراض ومقاصد اور استحکام یہ باب تین ذیلی ابواب یعنی جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے اغراض ومقاصد اور جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے قواعد وضوابط پر مشتمل ہے۔اس باب میں جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف، اغراض ومقاصد اور قواعد وضوابط کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

چوتھا باب: ''جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی تصنیفی خدمات'' اس باب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، حصہ ''الف'' کے تین ذیلی ابواب یعنی جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی اُردو کی کتابوں کا اجمالی جائزہ، جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی مالی معاونت سے شائع شدہ اُردو کتابوں کا تعین قدر اور جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے ذریعہ ادبی تنظیموں اور ادیبوں کو کی جانے والی مالی معاونت کا تعین قدر کیا گیا ہے۔حصہ ''ب'' ''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کے تدریسی پروگرام'' اس حصہ کو بھی تین ذیلی ابواب یعنی خطاطی وخوشنویسی،

اُردو ٹائپ و مختصر نوسی اور انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتابوں، جن کتابوں کو شائع کرنے کے لیے اکیڈمی مالی معاونت کرتی ہے اور جن ادبی تنظیموں کو اکیڈمی کی جانب سے مالی معانت دی جاتی ہے کی فہرست کے علاوہ اکیڈمی میں چلنے والے پروگراموں پر بحث کے ساتھ ساتھ اکیڈمی کی تصنیفی خدمات کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچواں باب: ''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگو یجز سے شائع ہونے والے رسائل اور ان کا ادبی مقام'' اس باب کو تین ذیلی ابواب یعنی اُردو ماہنامہ ''شیرازہ'' کے ادبی مقام کا تعین قدر، سالنامہ ''ہمارا ادب'' کے ادبی مقام کا تعین قدر اور اکیڈمی سے شائع ہونے والا خبر نامہ ''اکیڈمی'' اور ''ثقافت'' کا ادبی مقام میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں اُردو ماہنامہ ''شیرازہ'' کا ادبی مقام پورے ملک میں کیا ہے اس رسالے میں کس نوعیت کے مضامین شائع ہوتے ہیں اور اس رسالے کا نام شیرازہ کیوں رکھا گیا ہے۔اس پر مکمل و مدلل بحث کے علاوہ ''ہمارا ادب'' سالنامہ رسالہ کشمیر میں اُردو ادب میں کشمیریوں کا عکس ہے، کیوں؟ اور ''اکیڈمی خبر نامہ'' کو موضوع بحث بنا کر بحث کی گئی ہے۔

چھٹا باب: ''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگو یجز کے تحت منعقد مشاعروں، سمیناروں کا اجمالی جائزہ'' اس باب کو بھی تین ذیلی ابواب یعنی مشاعرے کی اہمیت اور افادیت، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کا تعین قدر اور تھیٹر اور ڈراموں کا تعین قدر میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں اُردو زبان میں مشاعروں کی اہمیت اور افادیت، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے تحت منعقد مشاعروں اور سمیناروں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور کشمیر میں تھیٹر اور ڈراموں کے ذریعے اُردو زبان کو کتنا فروغ ہو رہا ہے اور اکیڈمی کا اس میں کیا رول ہے کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

ساتواں باب: ماحصل ہے اس باب میں باب اول تا باب ششم کے مبحث کے نتائج کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔نتائج کو ابواب کی ترتیب کے مطابق الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔آخر پر جامیعت، قطیعت اور مختصر الفاظ میں تجزیہ کرنے کے ساتھ تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

تحقیق ایک ایسا مشکل اور دشوار گزار مرحلہ ہے جس میں تحقیق کار کو کسی تحقیقی کام کے لیے عنوان کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ حسبِ روایت میرے ساتھ بھی یہی ہوا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوا جس کی ایک لمبی فہرست ہے جس کو میں ''میرا کشمیر سے حیدرآباد کا سفر'' کے عنوان سے لکھ رہا ہوں، لیکن تین واقعات ایسے ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

1. مواد حاصل کرنے کی تگ و دو میں دو مختلف حادثات سے گزرنا
2. سیلاب کے دوران میں مواد کے کچھ حصہ کا بہہ جانا اور پھر دوبارہ بڑی جانفشانی سے حاصل کرنا
3. میرے برادرِ اصغر حافظ ریاض الاسلام کا اس دار فانی کو چھوڑ کر دار القرار کو لبیک کہنا

یہ ایسے واقعات ہیں جن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا خصوصاً میرے بھائی حافظ ریاض الاسلام کی اچانک عین جوانی میں موت، ایک ایسا واقعہ ہے جس کو بیان کرنے کی ہمت میرے اندر نہیں ہے۔...... بہر کیف ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ ان تمام حالات سے جنگ لڑ کر میں نے اپنا تحقیقی کام تکمیل تک پہنچایا۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰه

مقالہ کی تکمیل کے سلسلے میں جن حضرات نے راقم کی ہر ممکن مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی ان کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان فراموشی ہے۔ میں اپنی نگراں ڈاکٹر بی بی رضا خاتون صاحبہ کا انتہائی ممنون ہوں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ قدم قدم پر میری رہنمائی کی بلکہ میری اتنی حوصلہ افزائی فرمائی کہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہو سکا ہوں۔ انھوں نے جس شفقت، ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ میری رہنمائی اور حوصلہ بڑھایا اس کو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کا جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں اپنے شعبے کے صدر اور میری ہمیشہ رہنمائی کرنے والے ڈاکٹر ابوالکلام صاحب کا ممنونِ احسان ہوں کہ انھوں نے موضوع کے انتخاب سے مقالہ کی تکمیل تک میری رہنمائی و مدد فرمائی میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

میں استادِ محترم پروفیسر نسیم الدین فریس صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہ بزرگ صفت انسان ہمیشہ میرے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں کہ باپ کی دوری کا احساس کبھی نہیں ہوا اور میں ہمیشہ بلا جھجک ہر مسئلے سے متعلق آپ سے مشورہ لیتا اور آپ بڑی ہمدردی کے ساتھ سمجھاتے اور مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالنے کی کامیاب کوشش کرتے۔ ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

میں پروفیسر خالد سعید صاحب کا ممنون ومشکور ہوں، کیونکہ انھوں نے جن علمی مباحث کے ذریعے رہنمائی فرمائی اس سے میرے قلب میں ایسا چراغ روشن ہوا ہے جو تاحیات بجھے گا نہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میں اپنے شعبہ کے خدادوست اور خاموش طبع انسان ڈاکٹر شمس الہدیٰ صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے میری علمی وعملی تربیت فرمائی۔ میں ڈاکٹر مسرت جہاں صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو ہمیشہ یہ کہہ کر کہ ''آپ ہمارے شعبے کے اچھے اسکالروں میں سرفہرست ہیں میرا حوصلہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ مجھے ہمیشہ ایک نئی تحریک دی، میں ان کی اس شفقت کے لیے ممنون ومشکور ہوں۔ میں اپنے شعبہ کے جناب مصباح الانظر صاحب اور تمام غیر تدریسی ارکان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً شاہد بھائی، مجید بھائی اور احمد بھائی کا جنھوں نے وقتاً فوقتاً میری مدد کی۔

میں استادِ عزیز ہرفن مولا طارق مسعودی صاحب کا بہت مشکور ہوں جنھوں نے ہر وقت میری رہنمائی کی اور ہمدردانہ طریقہ سے پیش آنے کے علاوہ میرے کام کو سراہتے رہے اور میں اپنے مقالے کے کمپوزنگ کرنے والے محمد زبیر احمد صاحب کا نہایت ہی مشکور ہوں کہ انھوں نے مقالے کی تکمیل تک ہر لفظ کو درست کرنے میں میرا ساتھ دیا۔

رَبِّ الرْحَمْهُمَا کَمَا رَبّیاَنِی صَغِیْراَ

میں اپنے مقالے کو اپنے والدین کے نام کرتا ہوں جن کی دعاؤں نے مجھے دینی اور دنیاوی اعتبار سے زندگی کی کٹھن راہوں پر سنبھل کر چلنا سکھایا، جن کی ٹھنڈی چھاؤں نے مجھے ہر تپش سے محفوظ رکھا اور جن سے میری دنیا وآخرت آباد ہے۔ میرے والد محترم گل زمان خان صاحب اور میری والدہ محترمہ روشن جہاں صاحبہ نے ہمیشہ میرے لیے دعائیں کیں جس کا نتیجہ یا ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ میں اپنی ذات (ایس ٹی) کا اپنے خلع میں پہلا لڑکا ہوں جو اس مقام کو پہنچ سکا۔ والدین کا حق کون ادا کرسکتا ہے میرے پاس بھی الفاظ نہیں کہ میں ان کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے میری ہر بات پر لبیک کہہ کر میرے لیے ہر سہولت بہم پہنچائی اور مجھے کانٹوں سے نکال کر پھولوں میں رہنے کو گھر دیا۔ اللہ تعالیٰ تادیر ان کا سایہ میرے سر پر قائم رکھے اور انھیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین)

میں اپنے تمام بھائیوں، محمد زعفران خان، مظفر احمد خان، مشتاق احمد خان، الطاف احمد خان اور خاموش طبیعت قربان علی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان تمام بھائیوں نے میری گزارشات کو احکام سمجھ کر

میرے لیے ہر وہ چیز دستیاب رکھی جس کی مجھے ضرورت پڑی اور مجھے ہر معاملے میں خود پر ترجیح دی۔ میں اپنے برادرِ اکبر محمد زعفران خان صاحب کا ممنون و مشکور ہوں جو وقتاً فوقتاً مجھے نیک مشورے دیتے رہے اور خصوصاً ان کی وہ نصیحت کہاں بھولوں گا جو انھوں نے مجھے اس وقت کی جب حادثے کی وجہ سے میرے حوصلے پست ہو چکے تھے انھوں نے مجھے یہ کہہ کر ایک نئی تحریک دی کہ:

میدان زندگی میں گھبرا کے ہٹ نہ جانا
تکمیل زندگی ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانا

ان سب بھائیوں کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا سے نوازے، اپنے بغیر کسی کا محتاج نہ کرے اور ان پر کرم و عافیت کا معاملہ فرمائے۔ (آمین)

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

میں اپنے اس تحقیقی مقالے کو برادرِ اصغر مرحوم حافظ ریاض الاسلام کی یادوں کے نام کرنا چاہتا ہوں جس کا نام ایم۔فل کے مقالے میں، میں نے دوسرے بھائیوں کے ساتھ لکھا تھا لیکن آج ان کا نام لکھتے وقت میں خون کے آنسوں رو رہا ہوں اور میرا قلم بھی تھم گیا............ جو عین شباب یعنی 22 سال کی عمر میں موت کی آغوش میں چلا گیا جس کی یادوں نے ہمارے مسرور آشیانِ کو مغموم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ انھیں جنتِ فردوس عطا کرے اور قیامت کے روز ہمارے لیے شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

میں تمام رشتہ داروں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے ہمیشہ عزت دی ہے خصوصاً بہن جیسی بھابیوں بالی جبین اور شکیلہ کا جنھوں نے کبھی بھی مجھے بہن کے نہ ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اور ننھے بھتیجے عمر زعفران اور بھتیجیاں کلثوم، شبنم، انیسہ اور لختِ جگر نوخیزہ سے دور رہنے کی یادیں ہمیشہ میرے ساتھ لگی رہیں میں ان سے دور رہنے کے لیے معذرت خواں ہوں۔ حساب دوستاں دردِل قول مشہور ہے میں اپنے دوستوں بالخصوص، امتیاز وانی صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔ جس نے ہر مشکل گھڑی میں میرا ساتھ دیا اور مجھے حوصلہ دینے کے ساتھ ساتھ میری مدد بھی کی۔ میں امتیاز وانی کا ہمیشہ مشکور رہوں گا۔

میں ڈاکٹر زبیر کا مشکور ہوں جس نے تحقیق کے دوران اپنے قیمتی مشوروں اور تجاویز سے میرا حوصلہ بڑھا کر اس مقالے کو تکمیل تک پہنچانے میں میری بھرپور رہنمائی کی۔ان کے علاوہ تمام مانو پریوار ڈاکٹر قدوس، ارشاد احمد، محمد جعفر، مزمل بابا، الطاف احمد، بلال احمد، ریاض احمد، ظفر عبداللہ، محسن، رہبر، مولانا ہلال، شوکت احمد، مدثر احمد اور بہت سارے دوست ہیں جنھوں نے مجھے ہمیشہ پیار دیا ہے۔جن کے نام میں یہاں نہیں لکھ سکا ان تمام کا فرداً فرداً اور شخصاً شخصاً تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اگر میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں تو زیادتی ہوگی۔میرا اشارہ موبینہ جی، ڈاکٹر بدر سلطانہ، لاؤلی جان اور شازیہ کی طرف ہے۔اس کے علاوہ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کی لائبریری کے تمام عملے، علامہ اقبال لائبریری کشمیر یونیورسٹی، شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی، اسٹیٹ لائبریری سری نگر اور کلچرل اکیڈمی کے تمام ارکان کا ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے میری مدد کی ۔ میں محمد یوسف ٹینگ، محمد اشرف ٹاک (مدیر اعلیٰ شیرازہ)، محمد سلیم سالک، مفتی شفیق الرحمان، ڈاکٹر مرزا النور، محمد ایوب، پروفیسر حمید نسیم، پروفیسر بشیر احمد نحوی، پروفیسر محبوبہ وانی، پروفیسر انور الدین، ڈاکٹر اعجاز، ڈاکٹر عبدالرشید خان، پروفیسر منصور، پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر حبیب نثار، پروفیسر حمید، پروفیسر اسمٰعیل آشناں، ڈاکٹر شفیق سوپوری اور محمد احمد اندرابی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ہمیشہ میری رہنمائی فرمائی اور کسی نہ کسی طرح سے میری مدد کی۔ میں تمام محسنوں، مشفقوں اور ہمدردوں کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اور آخری بات یہ کہ:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

شکریہ

غلام مصطفیٰ خان

باب۔اوّل

ریاست جموں وکشمیر کا تاریخی، سماجی اور تہذیبی پس منظر

ذیلی ابواب:

1. ریاست جموں وکشمیر کا جغرافیائی تعارف
2. ریاست جموں وکشمیر کے تاریخی وسیاسی پہلو
3. ریاست جموں وکشمیر کے سماجی وتہذیبی پہلو

1. ریاست جموں وکشمیر کا جغرافیائی تعارف:

کسی قوم کی تہذیبی، سماجی اور ذہنی زندگی کی مخصوص انفرادیت، جو اس کے تشخص کی ضامن ہوتی ہے کئی خصائل سے متصف ہوتی ہے ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ قوم کتنی قدیم الاصل ہے اور رفتار وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی انقلابات کے نتیجے میں اس میں اپنی اصل اور قدامت سے رشتہ استوار رکھنے کی کتنی قوت موجود ہے ایسی زندہ قوم خارجی قوتوں قوموں اور نسلوں کی بالادستی سے مرغوب نہیں ہوتی بلکہ ان کے تہذیبی تصورات کے خوشگوار اور مثبت اثرات کو اپنے اندر جذب کرنے کے میلان کو ظاہر کرتی ہے تہذیبی قدامت اور اس کے ربط وارتقاء کے ایسے معنی خیز عمل کی ایک درخشندہ مثال ریاست جموں وکشمیر فراہم کرتی ہے۔

علوم ارضیات کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق سرزمین کشمیر آج سے دس کروڑ سال پہلے معرض وجود میں آئی۔ اس سے پہلے یہ علاقہ ایک وسیع سمندر کی تہہ پر مشتمل تھا۔ طاقتور آتش فشاں پھٹنے اور زیرزمین تبدیلی رونما ہونے کے سبب لاکھوں سال کے مسلسل عمل سے اس سمندر کی تہہ سے پہاڑ ابھرنا شروع ہوئے اور قراقرم کی چوٹیاں نمودار ہونے لگیں اور پانی کناروں کی طرف بکھرنا شروع ہو گیا زیرزمین تبدیلیوں کے اثرات زمین کی ظاہری شکل پر بھی پڑے حتیٰ کہ سمندر کی ساری تہہ سے پہاڑ ابھر کر سامنے آ گئے قدرتی طور پر وادیاں اور گھاٹیاں بن گئیں ایک وقت ایسا آیا کہ یہ اولاد آدم کا مسکن آج فردوس بریں کی زندہ مثال کہا جانے لگا۔

بقول جی ایم میر:

> ''طبقاالارض کے ماہرین کے مطابق جب کشمیر میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا تو خشکی کا پہلا سراغ آتش فشاں جزیرہ کی صورت میں نمودار ہوا وہ کوہ سلیمان تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پہاڑ اونچائی حاصل کرنے لگے اور وادی کشمیر جھیل کی صورت اختیار کرتی گئی آخر کار اس جھیل کا سارا پانی بارہ مولہ کے پہاڑ سے باہر نکالا گیا اور اس طرح وادی کشمیر کا ظہور عمل میں آیا''۔ ۱

طلسماتی حسن کے حامل اس خطہ کشمیر کے نام سے متعلق بعض دیومالائی قصّے مشہور ہیں۔ ریاست کے اس علاقہ کا نام کشمیر کیوں پڑا اور اس کو موجودہ شکل اختیار کرنے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا اس کا جائزہ لینے

---

۱ جموں وکشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، جی ایم میر، اشاعت دوم، ص ۶

کے لیے جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو سب سے پہلے پنڈت کلہن کی تصنیف ''راج ترنگنی'' دیکھنی پڑتی ہے فی زمانہ راج ترنگنی ہی کشمیر کی مستند قدیم ترین تاریخ مانی جاتی ہے۔اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ ''راج ترنگنی'' کو لکھتے وقت ''نیلہ مت پران'' اور دیگر قدیم ترین ماخذوں سے استفادہ ضرور کیا گیا ہے لیکن آج کا محقق اور قلمکار موجودہ تاریخی واقعات کے ضمن میں ''راج ترنگنی'' کو ہی معیار سمجھتا ہے قدیم کشمیر کا احوال بتاتے ہوئے اگر چہ ''راج ترنگنی'' کشپ ریشی کے آباد کردہ کشمیر سے پہلے بھی اس علاقے میں انسانی آبادی کے وجود کو ثابت کرتی ہے لیکن اُن زمانوں میں اس علاقہ کا نام کیا تھا اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں وادی کشمیر ''ستی سر'' کے نام سے ایک وسیع جھیل تھی اور صرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر مختصر آبادی تھی تو ایک آدم خور دیو جس کا نام جلا بھو''ستی سر'' سے نکل کر لوگوں کو بہت تنگ کیا کرتا تھا لوگ مدت تک اس کے ظلم سہتے رہے آخر کار ''کشپ ریشی'' نامی ایک بزرگ یہاں آئے لوگوں نے ان سے آدم خور دیو کے ظلم کی فریاد کی کشب ریشی نے عوام کو ظالم دیو سے نجات دلوائی اور بارہ مولہ کے قریب سے پہاڑ کاٹ کر جھیل کا پانی نکالا جس سے وادی ظہور میں آئی اور جس کی وجہ سے یہ جگہ کشپ میر کہلائی جو کہ کثرتِ استعمال سے بگڑتے بگڑتے کشمیر ہوگئی دوسری روایت یہ ہے کہ کشپ کی محبوبہ کا نام میر تھا دونوں کے نام سے یہ 'کشپ میر' کہلائی جو بعد میں کشمیر ہوگئی۔

کشپ ریشی کے عہد کے بارے میں پنڈت کلہن لکھتے ہیں:

> ''زمانہ سابق میں ابتدائی دور سے لے کر وہ زمین جو ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے ابتدائی چھ منوؤں کے عہد میں پانی سے ڈھکی ہوئی تھی اور یہاں ستی سر نامی جھیل واقع تھی اس کے بعد جب موجودہ ساتویں منو دبوسات کا زمانہ آیا تو پرہیاتی کشپ نے دروہن (برہما) اور بس بیندر (وشنو) اور ودور (شیو) کی رہبری میں دیوتاؤں کی مدد حاصل کر کے جلود بھورہ کہش کو جو اس جھیل میں رہتا تھا مروا ڈالا اور اس زمین کو جھیل کے باعث رکی ہوئی تھی کشمیر کے نام سے آباد کیا''۔ ۲

جی۔ایم۔میر کشمیر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

۲ راج ترنگنی۔پنڈت کلہن ،اردو ترجمہ،ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ،حصہ اول،ص ۸

''۵۵۸ قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے کچھ قبائل ہجرت کر کے افغانستان ،گلگت اور کشمیر وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہوگئے ان میں سے جو قبیلے وادی کشمیر میں وارد ہوئے اُسے کشمیر کی خوبصورتی نے بہت مسخر کیا اس قبیلے نے اس کا نام کیثر رکھا۔اثیر عبرانی زبان میں شام کو کہتے ہیں گویا بنی اسرائیل کو یہ سرزمین شام جیسی سرسبز وشاداب اور خوبصورت نظر آئی اور انھوں نے اس کا نام کیثر رکھا یعنی شام جیسا''۔ ۳؎

اس میں کشمیر کی ایک تو وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کشمیر پراکرت زبان کا لفظ ہے جو کسی نہر، کھائی یا خندق کو کہتے ہیں اور میر پہاڑ کو۔گویا کشمیر کا نام ہے ایک ایسی کھائی جس کے دونوں جانب پہاڑ ہوں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کشمیر کی وادی ایک لمبی کھائی کی شکل میں ہے جس کے اردگرد پہاڑ اور جنگل ہیں اس بارے میں ڈاکٹر محمد الدین فوق لکھتے ہیں:

''کشپ ریشی نے جب ستی سر کے پانی کو خارج کیا اور اس کو پوری حالت میں لایا تو علاقہ کی فضاء اور سرسبزی کو دیکھ کر اس کو آباد کرنے کا ارادہ کیا لہٰذا تب ہی سے یہ نوآبادی اپنے بسانے والے کے نام سے کشپ میر یا کشمیر (بعد میں) مشہور ہوئی''۔ ۴؎

کشمیر کے بارے میں ان مختلف روایتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ علاقہ جس کا موجودہ نام ریاست جموں وکشمیر ہے کشپ ریشی کے مختلف ناموں سے اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل طے کرتا رہا اور ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد اور زندگی کے مختلف نشیب وفراز سے گزرنے کے بعد کشمیر کے نام سے موسوم ہوا۔جو پوری ریاست جموں وکشمیر کا نام ہے۔اس علاقہ میں مختلف خطے بھی ہیں جن میں جموں بھی ایک خطہ ہے۔لفظ 'جموں' کا اپنا ایک تاریخی پس منظر ہے تاریخی ڈوگرا دیش کے مصنف نرسنگ داس اس لفظ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۳؎ جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، جی ایم میر، ص ۷

۴؎ مکمل تاریخ کشمیر، ڈاکٹر محمد دین فوق، ص ۲۵

''قدیم زمانے میں دریائے توی کے اس پار کا علاقہ جہاں اب جموں شہر آباد ہے گھنا جنگل تھا اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھا ایک بار کسی ریاست کا راجہ'' حامبولوجن'' شکار کے لیے اس علاقہ میں آیا شکار کی گھات میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ اس کی نظر ایک تالاب پر پڑی جہاں ایک طرف شیر اور دوسری جانب چند قدم پر ایک بکری پانی پی رہی تھی دونوں پانی پی کر اپنی راہ ہو لیے یہ نظارہ دیکھ کر ''حامبولوجن'' شکار کا خیال بھول گیا وہ تالاب پر آیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ بہت امن کی جگہ ہے جہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں میں یہاں ایک محل بنواؤں گا اور نگر آباد کروں گا چنانچہ اس ''حامبولوجن'' نے حامونگر کے نام سے ایک شہر بسایا جو کثرت استعمال اور تغیر زبان سے ''جموں'' ہو گیا''۔[۵]

ریاست جموں کشمیر میں گلگت بلتستان کا علاقہ بھی شامل ہے اگرچہ یہ ریاست کے نام کا حصہ نہیں لیکن سب سے زیادہ رقبہ کا حامل علاقہ ہے ریاست کا یہ شمالی علاقہ درستان کے نام سے موسوم رہا ہے یونانی سیاح ہیروڈوسٹن نے اس خطہ کو دردی کہا ہے راج ترنگنی میں پنڈت کلہن نے شمالی کشمیر کے لیے دردیش کا نام استعمال کیا ہے ایک روایت کے مطابق حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ تبت میں آباد ہو گئے یودہ کے ایک بیٹے زادہ کے ایک لڑکے کا نام درداع تھا درداع کی اولاد جب اس علاقہ میں کوئی ہندہ کش سے لے کر وادی کشن گنگا تک آباد ہوئی تو مورث اعلیٰ کے نام پر اس علاقہ کا نام درستان پڑ گیا قدیم ہندی لٹریچر میں درویش اور یونانی تاریخ میں دروان لکھا گیا ہے گلگت کے قدیمی نام ساراگن اور گایت بھی ہیں۔روایت کے مطابق شاہ بابل ساراگن نے ۷۲۲ق۔م میں ساریہ جو شمالی فلسطین کی حکومت تھی کو شکست دی اور بارہ قبائل پر مشتمل قیدی ساتھ لے گیا ان اسیروں میں دروع ایک قبیلہ بھی تھا جنھوں نے گلگت کے نام پر سارگن کے نام سے بستی قائم کی۔

دوسری روایت کے مطابق پہلی صدی مسیح میں رومی بادشاہ طیطس کے نام پر حملہ کیا تو بنی اسرائیل کے بہت سارے لوگوں نے ہجرت کر کے درستاں آئے اور سارگن کا نام بدل کر گلگت رکھا یہ عبرانی نام ہے جس

---

[۵] تاریخ ڈوگرا دیش، نرسنگداس نرگس، ص ۵۱

کے معنی ہیں خشک پہاڑ کی جگہ گلگت کو مقامی لوگ آج بھی گایت کہتے ہیں ۔اس طرح سے ریاست جموں وکشمیر کی ایک اپنی مسلّم تاریخ ہے۔

محل وقوع:

ریاست جموں وکشمیر ۱۷،۳۲ سے ۵۸، ۳۶ عرض بلد اور ۲۶،۳ ۷ سے ۳۰، ۸۰طول بلد کے درمیان واقع ہے یہ براعظم ایشیاء کے وسط میں اور برصغیر کے شمال میں واقع ہے۔تاریخی ،جغرافیائی اور ثقافتی رشتوں کے اعتبار سے کشمیر سنٹرل ایشیاء کا حصہ ہے۔ایم اے خان کشمیر کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ریاست جموں وکشمیر جسے صرف کشمیر بھی کہتے ہیں برصغیر پاک وہند کے انتہائی شمال میں اور جنوبی ایشیاء کے عین وسط میں واقع ہے کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کے انتہائی مغرب میں واقع یہ حسین خطہ زمین ایشیاء کی پانچ طاقتوں کے درمیان واقع ہے شمال اور مغرب کی جانب سے تقریباً ۶۰۰ سرحد چین کے صوبے سنکیانگ اور تبت سے ملتی ہے اور تقریباً اتنی ہی لمبی سرحد پاکستان سے مغرب اور جنوب میں ملتی ہے ۳۰۰ میل افغانستان سے ملتی ہے اور داراخان کی بھی تنگ بنی کشمیر کو روس سے جدا کرتی ہے بھارت کے ساتھ مشرق اور جنوب میں ۳۵۰ میل سرحد ملتی ہے مگر زیادہ تر نا قابل عبور پہاڑوں پر مشتمل ہے صرف پنجاب کی جانب سے قابل عبور راستہ ملتا ہے''۔ ۶

اگر ریاست کے حدود اربعہ کا تعین کیا جائے تو اس کے شمال میں روس اور چین کا علاقہ ہے جنوب میں بھارت اور پاکستان ،مشرق میں تبت اور مغرب میں افغانستان واقع ہے۔ڈاکٹر محمد یوسف بخاری لکھتے ہیں:

''کشمیر ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع ہے کشمیر سے تین بڑی سلطنتوں روس ،چین اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی ہیں''۔ ۷

رقبہ:

کشمیر قدیم سے کشمیر جدید تک ایک طویل سفر ہے اس دوران اس مملکت کا رقبہ کبھی کابل ،سمرقند اور بخارا تک اور دوسری طرف دکن تک پھیل جاتا تھا اور کبھی سکڑ کر وادی کشمیر اور جموں تک محدود ہو جاتا تھا

---

۶ کشمیر تاریخ کے آئینہ میں ،ایم اے خان ،اشاعت دوم ،ص ۲۳

۷ کشمیر ،کاشر اور شوازم ،ڈاکٹر یوسف بخاری ،ص ۲۳

اس کا جغرافیہ انقلابات زمانہ کے باعث کئی بار بدلا ریاست جموں وکشمیر کا رقبہ وقت تقسیم ہند ۱۹۴۷ء پر مصنفین میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں درج ذیل مصنفین نے تقسیم کے وقت ریاست کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل بیان کیا ہے چودھری محمد علی لکھتے ہیں:

''کشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے''۔ ۸

جی ایم میر لکھتے ہیں:

''ریاست جموں وکشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے۔بعض مؤرخین نے اس سے کچھ زیادہ یعنی ۸۶۱۶۳۴ مربع میل لکھا ہے لیکن اولذکر تعداد پر زیادہ اتفاق کیا جاتا ہے''۔ ۹

قدرت اللہ شہاب کے مطابق:

''کشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے''۔ ۱۰

ایم اے خان اس سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہیں:

''۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے وقت کشمیر کا رقبہ ۸۶۱۶۴ مربع میل تھا بعض مصنفین کے مطابق اس کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے زیادہ تر مصنفین نے اپنی کتابوں میں اسی رقبہ کو لیا ہے''۔ ۱۱

معروف کشمیری صحافی میر عبدالعزیز کے مطابق:

''ریاست جموں وکشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے''۔ ۱۲

ریاست جموں وکشمیر کے رقبہ کے بارے میں مصنفین کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ ریاست گذشتہ کئی صدیوں سے غلامی میں چلی آ رہی ہے سیاسی مصلحتوں کے باعث اس کے آقا مختلف اوقات میں اس کی مردم شماری کے دوران تعداد شمار کو تبدیل کر کے ظاہر کرتے رہے اور کچھ لکھنے والوں نے بھی تقسیم ہند اور اس کے بعد کی تبدیلیوں سے دھوکہ کھایا ہے ان تمام مصنفین میں ریاست جموں وکشمیر کے رقبہ کے بارے میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اکثر مصنفین نے ریاست اور

۸ دا ایمر جنسی آف پاکستان، چودھری محمد علی، اشاعت پنجم ۱۹۸۵ء ص ۲۸۱۔۲۸۳ ۹ جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، جی ایم میر، ص ۱۲
۱۰ شہاب نامہ، قدرت اللہ شہاب، ص ۵ ۱۱ کشمیر تاریخ کے آئینہ میں، جی اے خان، ص ۱۴
۱۲ کشمیری زبان کے تیرہ درس، میر عبدالعزیز، مرکز ادب وثقافت کشمیر، اشاعت اول، ص ۱۰

اس کے صوبوں کی رقبہ جات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہی بنتا ہے۔اس کے علاوہ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں جملہ انتظامی معاملات کے حوالہ سے جہاں آزاد کشمیر کا رقبہ زیر بحث آتا ہے وہاں پوری ریاست جموں وکشمیر بشمول گلگت بلتستان کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہی ظاہر کیا جاتا ہے اور یہی درست ہے۔ تقسیم ہند کے وقت ریاست جموں وکشمیر تین صوبوں پر مشتمل تھی رقبہ کی صوبہ وار تقسیم اس طرح تھی:

(۱) صوبہ جموں	۱۲۳۷۸ مربع میل
(۲) صوبہ کشمیر	۸۵۳۹ مربع میل
(۳) سرحدی صوبہ گلگت بلتستان، لداخ	۶۳۵۵۴ مربع میل
کل رقبہ	۸۴۴۷۱ مربع میل

برصغیر کی تقسیم کے وقت کشمیر پر قابض مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانوی ریاستی ہند کے بارے میں برطانیہ کے اعلان (۳/جون ۱۹۴۷) سے انحراف کرتے ہوئے کشمیر کا جبری الحاق ہندوستان سے کردیا جس کے نتیجہ میں ریاست میں فسادات شروع ہوگئے ہندوستان نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کیں دوسری طرف کشمیر کا ایک حصہ پاکستان کے براہ راست کنٹرول میں آ گیا اس ساری صورتحال میں کشمیر کا رقبہ تین حصوں میں تقسیم ہوگیا جس کی تفصیل یوں ہے:

(الف)	لداخ	۳۳۷۴۰ مربع میل
(ب)	صوبہ کشمیر	۵۹۰۳ مربع میل
(ج)	صوبہ جموں	۹۸۸۰ مربع میل
	کل رقبہ	۴۹۵۲۳ مربع میل

پاکستان کے براہ راست کنٹرول میں:

گلگت، بلتستان	۲۹۸۱۴ مربع میل
آزاد کشمیر	۵۱۳۴ مربع میل
کل رقبہ	۸۴۴۷۱ مربع میل

2. ریاست جموں وکشمیر کے تاریخی وسیاسی پہلو:

بنی نوع انسان کا ارتقاء لاکھوں کروڑوں برسوں پر مشتمل ہے اور یہ ارتقائی سفر ہمیشہ جاری رہے گا انسان ابتداء میں اکیلا رہتا تھا اپنے آپ کو زندہ رکھنے اور فطرت سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس نے تجربہ سے سیکھا کہ وہ اکیلا فطرت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو خود اس نے معاشرہ کی بنیاد ڈالی اس معاشرہ میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں شامل تھیں یہ ایسا معاشرہ تھا جس میں نجی ملکیت کا تصورنہیں تھا لیکن بعدازاں اس معاشرہ کے طاقتور افراد نے نجی ملکیت کی ابتداء کی۔اس کے ساتھ ہی ظلم ،زیادتی اور ناانصافیوں کا آغاز ہوا۔پھر آہستہ آہستہ طبقاتی نظام نے جنم لیا اوراس کے ساتھ ہی طبقاتی جبر اور استحصال شروع ہوا جب انسانی معاشرے کے ایک مرحلہ پر قومیں وجود میں آئیں تو طاقتور قوموں کی کمزور قوموں پر زیادتی اور ناانصافی بھی سامنے آئی ۔اس ظلم ،زیادتی اور ناانصافی کے خاتمہ کے لیے ابھی مظلوم ومحکوم قوموں کوطویل صبر آزما جدوجہد کرنی پڑے گی۔

کشمیرکو برصغیر پاک وہنداورتاریخی عالم میں ایک اہم مقام حاصل ہےاس کی تاریخ کا چار ہزار سال قبل مسیح سے سراغ ملتا ہے۔پروفیسر محمد عارف خان سر والٹر لارنس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ کشمیر اس وقت سے ایک باقاعدہ مملکت رہی ہے جب سے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا"۔ [۱۳]

چار ہزار قبل مسیح سے لے کر ۱۳۲۴ء تک کا دور ہندوراجاؤں کا دور ہے ۔اس عرصہ میں ان راجاؤں کے خاندانوں نے کشمیر پر حکومت کی جن میں سے اٹھارہ خاندان مقامی کشمیری تھےان راجاؤں کے حالات کے بارے میں ہمیں تاریخی دستاویز پنڈت کلہن کی کتاب "راج ترنگنی" میں ملتے ہیں اس کے علاوہ محمد دین فوق کی کتاب "تاریخ کشمیر" اور محمود آزاد کی کتاب "تاریخ کشمیر" میں ان کے حالات ملتے ہیں ان راجاؤں کے دور میں ریاست جموں وکشمیر کم وبیش دنیا کی ایک آزاد اور خودمختار مملکت رہی ہے اور یہ مملکت انتہائی طاقتور سمجھی جاتی تھی۔

---

[۱۳] کشمیر تاریخ کے آئینہ میں، ایم اے خان، ص ۲۱

محمد اسد اللہ قریشی ''آئینہ کشمیر'' کے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''دنیا کی تاریخ زمانوں کے اُتار چڑھاؤ اور قوموں کے عروج وزوال کی مثالوں سے بھری پڑی ہے آج ایک قوم غالب ہے تو کل وہی قوم مغلوب ہو جاتی ہے بس اگر کشمیر آج محکوم ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہی محکوم تھا بلکہ اپنی آزادی کے زمانے میں وہ دنیا میں نہ صرف زمین اور ضاع ملک تھا بلکہ بہادر اور شجاع ملک بھی تھا اس کی فوجیں جب کشمیر سے باہر نکلتی تھیں تو ہمسایہ ملکوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا''۔ [۱۴]

قدیم تاریخی حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مملکت کشمیر کی سرحدیں وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتی اور سمٹتی رہی ہیں مگر زیادہ عرصہ کشمیر کی سرحدیں آج کے کشمیر سے بہت وسیع رہی ہیں۔ ''تاریخ کشمیر'' میں ڈاکٹر محمد دین فوق رقمطراز ہیں:

''کشمیر پر کل ۲۱ خاندانوں نے حکومت کی ہے انھوں نے ۴۵۰۴ سال تک حکومت کی ہے پہلا خاندان راجگان جموں کا ہے ان کا زمانہ ۳۱۸۵ ق۔م تا ۳۱۳۵ ق۔م ہے۔ دوسرا خاندان اوکنند ہے ان کا دور حکومت ۲۱۲۱ ق۔م تا ۳۰۳۶ ق۔م ہے تیسرا خاندان پانڈو ہے جس نے ۳۰۳۶ ق۔م تا ۲۰۴۲ ق۔م تک تقریباً ۹۰۰ سال تک حکومت کی چوتھا خاندان راجگان مالوہ کا ہے جن کی مدت حکمرانی ۱۰۴ سال ہے۔ پانچواں خاندان گودھرا ہے جس نے ۲۶۲ سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ چھٹا خاندان راجگان حموں کا ہے جو دوسری بار برسر اقتدار آیا ۲۸۷ سال تک اس خاندان نے حکومت کی۔ ان کے بعد شہزادگانِ ترکی کا دور ہے جنھوں نے ۴۱ سال حکومت کی یہ خاندان مقامی نہ تھا پھر گودھرا خاندان حکومت سنبھالتا ہے ۲۳ سال حکومت کرنے کے بعد راجگان مالوہ حکومت چھین لیتے ہیں۔ یہ دوسری بار حکومت پر قابض ہوتے ہیں ان کی

---

[۱۴] آئینہ کشمیر، عبداللہ قریشی، ص ۱۶۰

مدت حکمرانی ۱۲۱۸ق۔م سے ۱۹۲ق۔م یعنی ۱۰۲۶سال ہے گیارہواں خاندان راجگان اوجین کا ہے جس نے ۹۲ق۔م تک ۱۰۰سال حکومت کی۔ان کے بعد بجے خاندان ۹۲ سال تک حکمران رہے۔پھر پہلی صدی عیسوی سے خاندان مالوہ تیسری بار برسراقتدار آیا اس نے ۹۴ سال حکومت کی۔چودھواں خاندان راجہ بکرم کا ہے جس کی مدت حکمرانی ۱۰۲سال ہے۔پندرہواں خاندان راجگان مالوہ کا ہے جنھوں نے چوتھی بارحکمرانی حاصل کی مدت حکمرانی ۵۱۵سال رہی سولہواں خاندان کارکوس بنسی کا ہے ۶۱۷ تا ۷۷۲تک حکومت کی اس خاندان میں سے کشمیر کا عظیم حکمران راجہ للتا دیتہؑ پیدا ہوا جس کی شہرت چاروں سو پھیلی ہوئی تھی سترہواں خاندان خماد خاندان ہے ان کی مدت حکمرانی ۸۴سال ہے اٹھارہواں خاندان مالوہ ہے جو پانچویں بارحکمران بنتا ہے اب کی بار یہ خاندان صرف دس سال حکمران رہا اس کے بعد پروگیت خاندان برسر اقتدار آتا ہے جنھوں نے پچاس سال حکومت کی پھر راجگان لوہرکوس نے ۱۶۰سال حکومت کی اور دور ہندو کا آخری حکمران خاندان اوبیا دیو ہے جسکی مدت حکمرانی ۱۴۷سال ہے''۔[۱۵]

راجگان ہنود کا آخری حکمران راجہ سہد یو تھا جس نے ۱۳۴۲ءتک کشمیر پر حکومت کی اس کا دور حکومت سیاسی افراتفری اور ابتری سے عبارت تھا اس عرصہ میں اہل کشمیر پر بیرونی حملہ آوروں نے ظلم ڈھائے خصوصاً ذوالقدرخان، تاتاری جس نے کشمیر کا بچہ بچہ چن کر مروا دیا راجہ سہد یو ذوالقدرخان کے حملہ کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا اور کشمیر کے پہاڑوں میں چھپ گیا اور کوئی مزاحمت نہ کی۔ذوالقدرخان معہ لشکر اور پچاس ہزار قیدیوں کے برف کے طوفان میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا مگر اس دوران کشمیر تباہ و برباد ہو چکا تھا راجہ سہد یو کے ایک وزیر رام چند نے اصلاح احوال کی کوشش کی مگر کوہستانی لوگوں نے پھر حملہ کر دیا چنانچہ رام چند نے رنچن شاہ کو فوج دے کر روانہ کیا اس کے ساتھ شاہ میر بھی تھا رنچن شاہ نے ہمت اور جراءت سے حملہ آوروں پر قابو

---

[۱۵] مکمل تاریخ کشمیر، محمد دین فوق، ص ۳۶۔۳۷

پالیااس سے اس کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوااور کچھ عرصہ بعد رام چندر کوسوتے میں قتل کر کے حکمران بن گیا۔رنچن شاہ نے جب اقتدار پر قبضہ کرلیا تو اس نے ملک کی اصلاح کا کام شروع کیا مگر وہ مذہب کے بارے میں پریشان رہتے تھے۔یہیں سے کشمیر میں اسلامی عہد کا آغاز ہوتا ہے رنچن شاہ کے سلسلہ میں میر غلام احمد کشفی رقمطراز ہیں:

''رنچن شاہ جو بدھ مت کا پیروکار تھا اپنے مذہب سے مطمئن نہ تھا اور کسی سچے مذہب کی تلاش میں تھا اس مقصد کے لیے وہ اپنے دربار میں ہندوؤں کے مختلف فرقوں کے افراد کو بلوا کران سے مناظرے وغیرہ بھی کروایا کرتا تھا''۔ ۱۶

رنچن شاہ اُن سے مطمئن نہ ہوتا تھا اور وہ کسی سچے مذہب کی تلاش میں تھا آخرکار شرف الدین عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا جو اس صدی میں اپنے بے شمار ساتھیوں سمیت تبلیغ اسلام کے لیے کشمیر میں داخل ہوئے تھے۔رنچن شاہ نے قبول اسلام کے بعد اپنا اسلامی نام صدرالدین رکھا۔رنچن شاہ کے قبول اسلام کے بارے میں ''مسئلہ کشمیر'' میں ممتاز احمد لکھتے ہیں:

''رنچن شاہ کی ملاقات جب بلبل شاہ سے ہوئی تو وہ اسلام کی تعلیمات اور ان کے ذاتی کردار سے بے حد متاثر ہوا اور ان کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔رنچن شاہ کے قبول اسلام کے ساتھ ہی اس کے اہل خانہ، امراء اور وزراء بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوگئے رنچن شاہ نے تبلیغ اسلام کی کھلی اجازت دے دی۔تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ہزار ہوگئی۔قبول اسلام کے بعد رنچن شاہ نے صدرالدین کا لقب اختیار کیا اور اسلامی طریقوں کے مطابق حکومت کرنے لگا''۔ ۱۷

صدرالدین کی وفات کے بعد ریاست ایک بار پھر اندرونی سازشوں کا شکار ہوگئی۔ایک عرصہ تک بد نظمی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا لیکن اس افراتفری کے عرصہ میں اسلام تیزی کے ساتھ ریاست کے طول وعرض میں پھیلتا رہا۔

---

۱۶ کشمیر ہمارا ہے، میر غلام احمد کشفی،ص ۲۰

۱۷ مسئلہ کشمیر، ممتاز احمد،ص ۱۶

۱۳۳۹ء میں شاہ میر تخت وتاج پر قبضہ کر کے سلطان شمس الدین کے لقب سے ریاست پر حکومت کرنے لگا۔ سلطان شمس الدین کا خاندان ''سلاطین کشمیر'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔''سلاطین کشمیر'' نے تقریباً ۲۴۰ سال تک حکومت کی اس تمام عرصہ میں کشمیر ایک آزاد اور خودمختار مملکت کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر چھائی رہی ان سلاطین میں سے بعض نے بڑا نام پیدا کیا۔ان میں شہاب الدین اور زین العابدین عرف بڈ شاہ بہت مشہور ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محبّ الحق بڈ شاہ کے عہد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''کشمیر کے تمام سلاطین میں زین العابدین بے شک وشبہ سب سے زیادہ عظیم تھا۔اس کے عہد میں نصف صدی تک عوام امن وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے اس زمانے میں صنعت وحرفت کو بڑا عروج حاصل ہوا۔علم وادب کو ترقی ہوئی اس کی رعایا اس کی بڑی وفادار تھی۔عوام میں اس قدر مقبولیت حاصل تھی کہ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود اب تک قائم ہے''۔ ۱۸

کشمیر میں اسلام بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے سلیم خان گمی رقمطراز ہیں:

> ''کشمیر میں اشاعت اسلام کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کشمیر کے عوام ہندومت کے دیومالائی فلسفہ اور بدھ مت کی غیر موثر رہبانیت سے تنگ آگئے تھے۔ ہندو حکمران عوام کو جی بھر کر لوٹتے تھے یہ حکمران ظالم بھی تھے اور عیاش بھی بدکردار بھی تھے اور بزدل بھی عوام دشمن بھی تھے اور وطن فراموش بھی۔سہدیو کے زمانے میں کشمیر شرابیوں اور جواریوں کا ملک بن چکا تھا اور عورتوں کا تو پوچھنا ہی کیا''۔۱۹

سلاطین کشمیر کے بعد کشمیر میں چک خاندان برسر اقتدار آتا ہے۔چکوں کا دور حکومت ۱۵۵۵ء سے ۱۵۸۶ء تک ہے۔ یہ امن وسکون کا دور نہ تھا چک شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور مسلک کو سیاسی بنیاد بنانے کی وجہ سے دوسرے حلقوں میں ہمدردی کھو بیٹھے تھے۔سنی حلقوں کی مخالفت کو انھوں نے بہ زور شمشیر

---

۱۸ کشمیر سلاطین کے عہد میں، پروفیسر ڈاکٹر محبّ الحق، ص ۱۰۰

۱۹ اقبال اور کشمیر، سلیم خان گمی، ص ۳۸۔۳۹

دبانے کی کوشش کی اور یوں مسلمانوں کوفرقہ پرستی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چکوں کے خلاف نفرت بڑھتی گئی آخر دو افراد بابا داؤد خاکی اور شیر یعقوب سرفی مغل حکمراں اکبر کے دربار میں پہنچے اور اکبر سے مدد کی درخواست کی مغلوں کوکشمیر پر قبضہ کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔اس طرح چک خاندان کے تعصب،ظلم،فرقہ پرستی اورسنی علماء کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے کشمیرغلامی کے مضبوط پنجہ میں جکڑا گیااورغلامی کے اس طویل رات کا آغاز ہواجس کی سحر کے لیےاب تک کشمیری ترس رہے ہیں۔

کشمیر پر یوں تو مغلوں نے دوتین بڑے حملے کیے تھےمگر ہر باروہ ناکام رہے۔لیکن کشمیر میں شیعہ سنی فرقہ پرستی کوہوادے کراس کی شدت سے فائدہ اُٹھایااور کشمیر پر بغیرکسی قابل ذکر مزاحمت کے ۱۵۸۶ء میں قبضہ کرلیا۔

کشمیر پر مغلوں کے قبضہ کے بعداس کی آزادحیثیت ختم ہوگئی۔اکبر کے عہد میں گورنر مسلمان تھے انہوں نے کشمیر کی ترقی اورخوشحالی کے لیے کوئی کام نہ کیا۔ماسوائے اس کے شب وروز کشمیر کے سیاست دان طبقہ کو باہم لڑاتے اوراپنے مرکز کی ضروریات اورفرمائش پوری کرتے رہے۔اکبر کے بعد جہانگیر کا دورآتا ہے۔یہ حکمران عدل انصاف میں شہرت رکھتا تھا۔اس نے کشمیر میں بہت سی اصلاحات کیں۔ جہانگیراورشاہ جہاں کشمیر کے حسن کے دلدادہ تھے۔ جہانگیر خود بھی کئی بار کشمیر آیا۔ برصغیر میں مغلیہ حکومت کے کمزور پڑ جانے کے بعد کشمیر میں بھی ان کا اقتدارزیادہ دیرتک قائم نہ رہ سکااور ۱۷۵۲ء میں افغانوں نے کشمیر پر قبضہ کرلیا۔

مغلوں کے زوال کے بعدافغان کشمیر پر قابض ہوکراس کی تقدیر کے مالک بن گئے۔افغان گورنر سخت گیری میں مشہور تھے۔ چنانچہ کشمیر کی سیاسی،معاشی،معاشرتی اور مذہبی حالت بدتر ہوتی چلی گئی۔ان کا دورحکومت ۱۷۵۲ء سے ۱۸۱۹ءتک ہے۔

پٹھانوں کا رویہ مقامی آبادی کے ساتھ ہمدردانہ نہ تھا۔جب ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ والئی لاہور نے برصغیر کے شمال مغربی علاقوں کوفتح کرکے ایک وسیع ترسکھ ریاست کے قیام کے منصوبہ کے تحت کشمیر پر حملہ کیا تو مقامی آبادی نے پٹھانوں کا ساتھ نہیں دیا اور رنجیت سنگھ نے نہایت آسانی کے ساتھ ریاست پر قبضہ کرلیا۔یہ ظلم وتشدداور جبرواستبداد کا تاریک ترین دورتھا۔لارڈ بروڈو نے اپنی کتاب میں سکھ عہد کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''پوری سکھ حکومت مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ انتقام کی آگ میں بھڑک رہی تھی''۔ ۲۰

۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی موت پر لاہور دربار رنجیت سنگھ کے وارثوں اور فوجی سر براہوں کے درمیان اقتدار کی جنگ کی آماجگاہ بن گیا تھا۔گلاب سنگھ جس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جموں کی جاگیر عطا کی تھی حالات سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی پوزیشن مضبوط کرنی شروع کردی۔اسی اثناء میں سکھوں اور انگریزوں کی کشمکش بھی شروع ہوچکی تھی۔گلاب سنگھ نے خفیہ طور پر لاہور دربار کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینا شروع کردیا۔فروری ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے سکھ فوج کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔معاہدہ لاہور کے تحت ستلج اور بیاس کا درمیانی ذرخیز علاقہ اور دریائے ستلج کے بائیں کنارے کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس علاقے پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے سکھوں پر ڈیڑھ کروڑ روپے کا تاوان جنگ بھی عائد کیا۔جس میں سے ۵۰ لاکھ کی ادائیگی نقد کی گئی اور بقیہ ایک کروڑ کے عوض انگریزوں نے بیاس اور سندھ کا درمیانی علاقہ جس میں ہزارہ اور کشمیر بھی شامل تھے حاصل کرلیا۔

گلاب سنگھ کی وفاداری کا صلہ انگریزوں نے اُسے جلد ہی دے دیا۔قوموں کے سوداگر انگریز اور گلاب سنگھ کے درمیان امرتسر میں ۱۶مارچ ۱۸۴۶ء کوننگ انسانیت ''بیع نامہ امرتسر'' طئے پایا۔ڈاکٹر ایچ بی خان لکھتے ہیں:

> ''معاہدہ امرتسر کے تحت جو ۱۶مارچ ۱۸۴۶ء کو برطانیہ اور ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کے درمیان عمل میں آیا تھا برطانیہ نے گلاب سنگھ سے سودا بازی کر کے جموں وکشمیر کو مبلغ ۷۵ لاکھ روپے میں فروخت کردیا تھا''۔ ۲۱

عہدنامہ امرتسر (۱۶مارچ ۱۸۴۶ء)

دفعہ اوّل:

حکومت برطانیہ وہ تمام کوہستانی علاقہ (مع ملحقات آں) جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کی طرف واقع ہے (بشمول چمبہ باستثنائے لاہور) اور جو اُس علاقے کا ایک حصہ ہے۔ جو

---

۲۰ نونیشنز اینڈ کشمیر، لارڈ برڈووڈ، ص ۲۰

۲۱ تاریخ جہاد کشمیر، ڈاکٹر ایچ بی خان، ص ۱۱

حکومت لاہور نے معاہدہ لاہور مورخہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کی دفعہ ۴ کے منشاء کے ماتحت حکومت برطانیہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے جلی مذکر وارثوں کے خودمختار قبضے میں منتقل کرتی ہے۔

دفعہ دوم:

جو علاقہ دفعہ اول کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضے میں منتقل کیا جا رہا ہے اس کی مشرقی حد کا فیصلہ وہ کمشنر کریں گے جنہیں حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس مقصد کے لیے مقرر کریں گے اور یہ سرحد بعد پیمائش و مساحت ایک علیحدہ دستاویز میں معین کی جائے گی۔

دفعہ سوم:

مذکورہ بالا دفعات میں منتقل شدہ ملک کے عوض پچاس لاکھ نانک شاہی تو معاہدے کی تصدیق پر دیا جائے گا اور باقی ۲۵ لاکھ نانک شاہی سال رواں ۱۸۴۶ء عیسوی کی یکم اکتوبر کو یا اس سے پیشتر ادا کیا جائے گا۔

دفعہ چہارم:

مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حدود کسی وقت بھی حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر تبدیل نہ کی جائیں گی۔

دفعہ پنجم:

اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور حکومت لاہور یا کسی اور ہمسایہ سلطنت کے درمیان کوئی جھگڑا یا مسئلہ پیدا ہوگا تو مہاراجہ اس کو حکومت برطانیہ کی ثالثی کے سپرد کر دے گا اور حکومت برطانیہ کے فیصلے کا پابند ہوگا۔

دفعہ ششم:

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے اور اپنے وارثوں کی جانب سے عہد کرتے ہیں اگر کبھی برطانیہ فوج ان کے مقبوضہ ملک کے ملحقہ علاقے یا کوہستان میں مصروف کار ہوگی تو وہ اپنی فوج سمیت برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دفعہ ہفتم:

مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر وہ برطانیہ یا امریکی سلطنت کی رعایا کے کسی آدمی کو اپنے ماتحت ملازم نہ رکھیں گے۔

دفعہ ہشتم:

مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں جہاں تک ان کے حق میں منتقل ہونے والے علاقوں کا تعلق ہے وہ حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے درمیان علیحدہ علیحدہ مورخہ ۱۱ مارچ ۵، ۶، ۷ کی منشا کا احترام کریں گے۔

دفعہ نہم:

حکومت برطانیہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں امداد بہم پہنچائے گی۔

دفعہ دہم:

مہاراجہ گلاب سنگھ برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس تسلیم کی نشانی کے طور پر حکومت برطانیہ کو ہر سال ایک گھوڑا اچھی نسل کا بارہ پشمی بکریاں (۶ بکریاں ۶ بکرے) اور تین جوڑی کشمیری دوشالوں کی پیش کریں گے۔

یہ عہد نامہ حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ آف جموں کے درمیان امرتسر میں ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے پایا۔ اس معاہدہ کی رو سے انگریزوں نے ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض دریائے سندھ کے مشرق اور راوی کے مغرب کے تمام علاقے گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ اس معاہدہ کے بارے میں قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

> ''۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کے دور عہد امرتسر کے ذریعہ انگریزوں نے ریاست جموں وکشمیر ایک ڈوگرا مسمی گلاب سنگھ کے ہاتھ ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپئے کے عوض فروخت کر دی۔ ریاست کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل تھا۔ اس نرخ پر یہ سرزمین رشک فردوس بریں تقریباً ۱۵۵ روپئے فی مربع میل باوجود وہ زمانے کے ایک پیسے میں تقریباً ۲۷۰ مربع گز تھی اس وقت کی آبادی کے حساب سے انسانوں کی قیمت سات یا سوا سات روپئے فی کس پڑی''۔[۲۲]

---

[۲۲] شہاب نامہ، قدرت اللہ شہاب، ص ۳۵۵

معاہدہ امرتسر کے بعد گلاب سنگھ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کشمیر کا گورنر امام دین تھا۔گلاب سنگھ نے انگریزوں کی بروقت امداد سے امام دین کو شکست دی اور ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کو پوری ریاست جموں وکشمیر کا مالک ومختار بن گیا۔گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۸ء تک تقریباً ۱۲ سال حکومت کی۔اس کا دور حکومت سابقہ کئی ادوار کی طرح کشمیریوں کے لیے انتہائی سفا کانہ دور تھا۔۱۸۵۸ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا لڑکا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔یہ بھی ظلم وستم میں اپنے باپ سے کسی طور پر پیچھے نہ تھا۔۱۸۸۵ء میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا پرتاب سنگھ تخت نشین ہوا۔اس کے دور میں کشمیر میں سیاسی بیداری شروع ہوگئی تھی جب ۱۹۲۵ء میں اس نے وفات پائی تو اس کا بھتیجا ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔اس کے دور میں کشمیریوں کی جدوجہد آزادی ایک نیا رخ اختیار کرگئی۔۱۹۳۱ء میں ڈوگروں کے خلاف ایک زبردست تحریک شروع ہوگئی۔یہ تحریک مسلمانوں پر ایک لمبے عرصے سے ظلم کا ناگزیر نتیجہ تھی۔اس تحریک کے اثرات بہت دُوررس ثابت ہوئے اور ہری سنگھ کو کشمیریوں کے مطالبوں کے آگے آخر کار سر جھکانا پڑا۔یہ تحریک مختلف موقعوں پر مختلف شکل اختیار کرتی رہی اس کا بنیادی اور اہم نکتہ آزادی تھا۔جب انگریزوں نے برصغیر کو تقسیم کرکے اور اس تقسیم کے نتیجہ میں بے پناہ مسائل پیدا کرکے اپنا بوریا بستر بساط اوقات لپیٹ لی تو اس کے ساتھ ہی ڈوگرہ عہد بھی ختم ہوگیا مگر کشمیریوں پر ظلم وستم کا عہد ختم نہیں ہوا یہ ظلم اپنا چہرہ اور رنگ بدل کر گزشتہ کئی صدیوں سے کشمیریوں کا مقدر رہا اور جبر واستبداد کی سیاہ رات طویل ہوتی جارہی ہے۔

پھر آخر کار ۱۹۴۷ء میں قبائیلوں نے چڑھائی کردی اور مہاراجہ ہری سنگھ نے مصلحت اس بات میں دیکھی کہ ریاست کا ہندوستان سے الحاق کرلیں لیکن مسلم اکثریت والی ریاست ہونے کی وجہ سے پاکستان کے حکمران پاکستان سے اس کا الحاق چاہتے تھے اس طرح یہ ریاست ایک استخوان نزاعی بن گئی اس زمانے میں کشمیر کے ادیبوں اور شاعروں نے بھی حب الوطنی کے ترانے بڑے میٹھے سروں میں گائے افسانہ نگاروں میں پریم ناتھ پردیسی اور پریم ناتھ در نے قبائلوں کے خلاف اہل وطن کے جذبات کو ابھارنے کے لیے افسانے لکھے اور دوسرے شعراء نے بھی جذبات کو ابھارنے والی نظمیں لکھی ہیں۔اس دروگیر کی فضا میں نیشنل کانفرنس کے قائد کو حکومت سنبھالنے کی دعوت دی گئی اور شیخ محمد عبداللہ نے وزیراعظم کی حیثیت سے ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔چنانچہ اپریل ۱۹۴۸ء میں پہلی دفعہ ریاست میں قومی حکومت قائم ہوئی اور مہاراجہ

ہری سنگھ کشمیر چھوڑ کر ممبئی چلے گئے اور ڈوگرا خاندان کی مطلق العنان حکومت کا ۱۵۰ سالہ دور کا خاتمہ ہوگیا تاہم ہری سنگھ کے فرزند یوراج کرن سنگھ دستور کے تحت صدر ریاست بنائے گئے۔

بقول عبدالقادر سروری:

> ''شیخ محمد عبداللہ نے عہد کے تقاضوں کی پیش رفت میں ریاست کو تعلیمی، صنعتی اور نظم و نسق کے اعتبار سے، دوسری ریاستوں کی سطح تک بلند کرنے کی جدوجہد کی اسکولوں میں اضافہ ہوا اور کئی کالجس قائم کیے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ بحیثیت وزیر اعظم کے چھ سال تک برسر اقتدار رہے اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد نے وزیر اعظم کی حیثیت سے نظم و نسق کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور ۱۹۶۴ء تک وزیر اعظم رہے آخر کار مہاراج پلان کے ماتحت وہ وزارت عظمیٰ سے دست بردار ہوئے اس کے بعد خواجہ غلام محمد صادق جو بخشی غلام محمد کے زمانے میں وزیر تعلیم تھے۔ ریاست کے وزیر اعظم کا عہدہ وزیر اعلیٰ میں تبدیل ہوگیا صدر ریاست کے بجائے گورنر مقرر ہوا''۔[۲۳]

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ کا یہی سیاہ باب اب تک چل رہا ہے اور تاریخ پر تاریخ بنی جا رہی ہے۔

---

[۲۳] کشمیر میں اردو، پروفیسر عبدالقادر سروری، ص ۹۹

3. ریاست جموں وکشمیر کی سماجی وتہذیبی پہلو:

کشمیر کی تہذیبی زندگی کی خوشنما عمارت انسانی قدروں کے روشن تصور پر استوار ہوئی ہے ہمدردی، محبت، مہمان نوازی، توکل، تحمل اور مذہبی رواداری کی قدریں کشمیری نسل کے خون میں تحلیل ہوگئی ہیں۔خاص طور پر مذہبی رواداری اس کی شناخت بن کررہ گئی ہے یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں مختلف ادوار میں مختلف مذاہب کے حکمران مثلاً بودھوں ، ہندوؤں ، مسلمانوں، سکھوں اور ڈوگروں کی عمل داری کے باوجود لوگوں میں ایک سیکولر نظریہ مروج ومقبول رہا یہ نظریہ ایک قیمتی ورثے کے طور پر نسل بہ نسل منتقل ہوتا جارہا ہے۔اسی طرح کشمیر کا دوسرا پہلو اس کی خوبصورتی ہے اسی کشمیر کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ جب نگین میں بشیر احمد ککرو کے گھر میں رکے ہوئے تھے تو انھوں نے کشمیر کے نظارے کو دیکھتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

کوہ و دریا وغروبِ آفتاب

من خدارا دیدم ایں جا بے حجاب

یعنی یہاں کے پہاڑوں، دریاؤں، آبشاروں، صحراؤں اور غروب آفتاب کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ میں نے خدا کو بے حجاب یہاں دیکھا۔

کشمیر کو جھیلوں، دریاؤں، آبشاروں اور پھولوں کی سرزمین بھی کہا گیا ہے اس کے میٹھے پانی کی جھیلیں ڈل، وولر اور مانسبل پر سارے عالم کا عجوبہ ہیں۔سرینگر میں ڈل کا ایک محصور حصہ پہاڑوں کے دلکش پس منظر میں جو نگین کے نام سے موسوم ہے تھکے ماندے ذہنوں کے لیے ایک خاموش اور حسین پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر سال موسم بہار میں ہند اور بیرون ہند سے سیاح آکر یہاں ہاؤس بوٹ میں قیام کرتے ہیں۔ یہاں کے مناظر کا حُسن تحریر کے احاطہ میں مشکل سے آسکتا ہے وُلر برصغیر ہند میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ڈل شہر سرینگر کا حُسن اس کی زینت اور دلکشی کا مرکز ہے۔مانسبل وادی کی عمیق ترین جھیل ہے ان جھیلوں کے علاوہ کئی پہاڑی جھیلیں بھی ہیں جو برفانی رود(گلیشر) سے پانی رسنے سے بن گئی ہیں۔

برفانی رود سے بنی ہوئی جھیلوں میں کوہ ہرمکھ میں واقع گنگا بل، لول گول، سار بل اور پیر پنچال میں کوثر ناگ اور وادی لدر میں کولہائی اور امرناتھ کے راستے میں شیش ناگ اسی طرح کی مشہور جھیلیں ہیں۔

دریائے جہلم جو چشمہ ویری ناگ سے نکلتا ہے، کم وبیش وادی کے آر پار بہتا ہے اور شہر کے حُسن کا بھی باعث ہے جہلم اور ڈل میں ہزار ہا شکارے ادھر سے اُدھر گھومتے دکھائی دیتے ہیں اور لوگوں کے لیے نقل وحمل کے ذریعے کا کام بھی دیتے ہیں، بڑی کشتیاں سامان کے لانے لے جانے کے کام آتی ہیں اور خاص سرینگر شہر میں سجے سجائے ہاؤس بوٹ کی قطاریں بڑا ہی حسین منظر پیش کرتی ہیں۔ باغات اور خاص طور پر مغل باغات اپنی نوعیت کے خاص باغ ہیں جو کشمیر کی خصوصیات میں سے ہیں۔ خاص شہر سرینگر میں مشہور باغات، باغ شالیمار، باغ نشاط، چشمہ شاہی، اپنی تعمیر کے لحاظ سے ایک انوکھی شان رکھتے ہیں یہ باغات پہاڑوں کی ڈھلوانوں کو کاٹ کر اور مسطح کر کے طبقوں کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔

کشمیر کی خوبصورتی اور ان باغوں کا نظارہ کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری رقمطراز ہیں:

''اہل کشمیر اور کشمیر سے باہر آنے والے سیاحوں کیلئے یہ تفریح کے بڑے مرکز ہیں یہ تو مشہور باغات ہیں ان کے علاوہ بھی وادی میں سینکڑوں حسین باغ ہیں بلکہ ہر محلّہ کا ایک باغ تھا اسی لیے اکثر محلوں کے نام میں باغ کا جز آج بھی باقی رہ گیا ہے مثال کے طور پر وزیر باغ، حضوری باغ، باغ وزیر خاں، راج باغ، مگھر مل باغ، باغ دلاور خان غرض ایسے ہی کتنے اور باغ ہیں''۔ [۲۴]

کشمیر کی اسی خوبصورتی اور حسن کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اسے یوں خراج تحسین پیش کیا ہے ؎

کشمیر کا چمن جو مجھے دل پذیر ہے
اس باغ جانفزا کا یہ بلبل اسیر ہے
ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

ریاست جموں وکشمیر کے تین ممیّز علاقوں کے لحاظ سے اس کی آبادی کے اجزاء میں بھی وسیع تنوع پایا جاتا ہے جموں کا علاقہ جو پنجاب کے میدانوں سے لے کر کشمیر کے پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے یہ عموماً سانولے چھریرے بدن کے متوسط قد وقامت کے لوگ ہیں اور راجپوتوں کی پہاڑی شاخ کہلاتے ہیں یہ بہادر لوگ ہیں اور اپنی سخت کوشش میں مشہور ہیں ان میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ قدیم زمانے میں ان کا لباس

---

[۲۴] کشمیر میں اردو، پروفیسر عبدالقادر سروری، ص۱۴

شیروانی، چوڑی دار پاجامہ اور عمامہ ہوا کرتا تھا لیکن اب انگریزی پڑھے لکھے ڈوگرے کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں عورتیں مرد کے مقابلے میں زیادہ کھلے رنگ کی ہوتی ہیں عام لباس اوران کا قدیم لباس جمپر اور چوڑی دار پاجامہ اور دوپٹہ ہوا کرتا تھا لیکن اب اکثر خواتین ساڑی اور بلاوز پہننے لگی ہیں اس بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری یوں رقمطراز ہیں:

> ''ڈوگروں میں سکھ، چمار اور ڈومٹ، نیچ ذاتیں سمجھی جاتیں ہیں اور سالہا سال سے یہ لوگ سماجی اور مذہبی طرحداری کا شکار رہے ہیں اب تعصّبات کچھ گھٹ رہے ہیں یہ محنتی لوگ ہیں اور عموماً زراعت ان کی معاش کا ذریعہ ہے کچھ کشف دوزی اور خاکروبی کا کام بھی کرتے ہیں ڈوگرا، مسلمان زیادہ تر فوجی خدمات سے منسلک ہیں''۔[۲۵]

جموں کے وسطی پہاڑی علاقے کے باشندے پہاڑی کہلاتے ہیں ان کا کام عموماً پہاڑوں کے دامن میں زراعت کرنا ہے۔ان کی زبان پہاڑی کہلاتی ہے جو پنجابی، اردو یا ہندی کی ملتی جلتی بولی ہے اس علاقہ میں کشمیر کے لوگ بھی آ کر آباد ہوئے ہیں اور رفتہ رفتہ وہاں کے لوگوں کے رسم و رواج بھی اختیار کرتے چلے گئے ان کی زبان مخلوط پہاڑی اور کشمیری ہے یہاں پر رہنے والا طبقہ گوجر کمیونٹی کہلاتا ہے۔ گوجر پہاڑی علاقہ کے رہنے والوں میں سب سے زیادہ دلچسپ لوگ ہیں یہ محنتی اور ایماندار ہوتے ہیں اور زیادہ تر مسلمان ہیں، دراز قد اور چھریرے بدن کے یہ لوگ بکریوں کے ریوڑ پالتے اور انھیں چراتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں یہ چھوٹے چھوٹے گرہوں اور ٹولیوں کی شکل میں اپنے ریوڑ اور گھوڑے لے کر جموں سے کشمیر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری یوں لکھتے ہیں:

> ''گوجر بہت مذہبی لوگ ہوتے ہیں مرد لمبے عبا اور شلوار پہنتے ہیں اور سر پر عمامہ باندھتے ہیں اور داڑھی ان کی امتیازی نشانی ہے عورتوں کا لباس پاجامہ اور لمبا چغہ سا ہوتا ہے ان کے بال گوندھنے کا طریقہ بھی نرالا ہے وہ بالوں کو چھوٹی چھوٹی چوٹیوں میں بٹ کر گوندھتی ہیں یہ لوگ اپنی خوبصورتی میں مشہور ہیں''۔[۲۶]

---

[۲۵] کشمیر میں اردو، پروفیسر عبدالقادر سروری، ص ۱۶

[۲۶] کشمیر میں اردو، پروفیسر عبدالقادر سروری، ص ۱۷

کشمیر کے باشندے اپنی شکل وشباہت، ساخت اور رنگ کے اعتبار سے ریاست بلکہ ہندوستان کے باشندوں میں ممیّز ہیں ان کے لباس رسم ورواج، اور عادات بھی اور مقامات کے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں مرد عموماً دراز قد اور چھریرے بدن کے گورے یا کھلے رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کے خد وخال بھی دلکش ہوتے ہیں کشمیر کی عورتوں کے حسن کا کیا کہنا اُن کے حسن کی تعریف میں مختلف ملکوں کے شعراء نے بہت ساری شاعری بھی کی ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کو سماجی زندگی کے طور طریقے اور رسم ورواج میں بھی امتیازی خصوصیت حاصل ہے ولادت اور خاص کر شادی بیاہ کے رسوم مخصوص ہیں کشمیری گھرانوں میں لڑکے کی ولادت پر بڑی خوشی منائی جاتی ہے رشتہ دار اہل خانہ کو جا کر مبارکباد دیتے ہیں لیکن جب کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اتنی خوشی نہیں ہوتی جس طرح لڑکے کی ولادت پر ہوتی ہے۔

شادیوں میں مصارف کا انداز اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ سینکڑوں لوگوں کی ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے اور غریب سے غریب آدمی بھی دس بارہ طرح کے کھانے تیار کرتا ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری اپنی کتاب ''کشمیر میں اردو'' میں یوں لکھتے ہیں:

> ''شادیوں میں مصارف کا انداز اس بات سے ہوتا ہے کہ غریب سے غریب آدمی بھی دس بارہ طرح کے کھانے ضرور تیار کرواتا ہے شادی کے رسوم کے لحاظ سے پنڈتوں اور مسلمانوں میں فرق ہے مسلمانوں میں قدیم زمانے میں لڑکے اور لڑکی کے خاندان اس کی شہرت اور وسائل معاش کا سب سے زیادہ خیال رکھا جاتا تھا جب یہ مراحل خیر خوبی سے طے ہو جاتے تب بھی رشتے کو کچے دھاگے کی گانٹھ کہا جاتا تھا اور اس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے لڑکے والوں کو طرح طرح کے تحفے اور تحائف سے خوش رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی جب یہ مرحلہ بھی طے پا جاتے تو نشانی یا سخن بندی کی تقریب ہوتی جو ہندوستان میں منگنی کی تقریب کے مماثل ہے''۔[۲۷]

---

[۲۷] کشمیر میں اردو، پروفیسر عبدالقادر سروری، ص ۲۳

کشمیر میں جب شادی طے پا جاتی ہے دن اور تاریخ کا تعین بھی ہو جاتا ہے تو دلہن کو تیار کرنے کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے شام کے وقت ہمسایہ عورتیں دلہن کے گھر جمع ہو جاتی ہیں اور لباس کا معائنہ کرتی ہیں اور ہر روز بالوں میں گھی ملا جاتا ہے آنکھوں میں کاجل یا سرمہ لگایا جاتا ہے اور طرح طرح کے رسوم سے بھی اس کو آراستہ کیا جاتا ہے۔شادی یا عقد سے پہلے کے ایک دن کو مہندی رات کہتے ہیں اس دن ایک بڑے برتن میں مہندی بھر دی جاتی ہے جسے کشمیری زبان میں (مانزِ ڈُل) کہا جاتا ہے عورتیں اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتی ہیں اور دلہن کے ہاتھوں میں بھی مہندی رچاتی ہیں عورتیں گیت گاتی ہیں اور ان گیتوں میں طرح طرح کے دل بہلانے والے گیت ہوتے ہیں ان گیتوں میں وقت کے ساتھ طرح طرح کی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں لیکن ایک مصرعہ جسے کشمیری میں 'ہُر' کہتے ہیں تمام عورتیں اپنا گیت اسی مصرعہ سے شروع کرتی ہیں۔

بسم اللہ کرِتھ هیتمو ونہ دڈنئے

صـــأحبـن انجـــام اونـــہ یـے

''آؤ ہم بسم اللہ کر کے شادی کے نغمے گانا شروع کریں

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات انجام تک پہنچائی۔''

اس کے دوسرے دن رات میں بارات آتی ہے جسے کشمیری میں (ینہِ وول کہتے ہیں) دولہا موٹر گاڑی میں سوار ہو کر سسرال کے یہاں آتا ہے اور امیروں کی شادیوں میں گاڑیوں کا جلوس سا بن جاتا ہے۔ دولہا جب دولہن کے گھر پہنچتا ہے تو دولہن کے والد کے دوست احباب عزیز و اقارب سب دولہن کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور بارات کا استقبال کرتے ہیں اور یہ تمام لوگ دولہن کے گھر میں کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد دولہن کو رخصت کیا جاتا ہے اور عورتیں گیت گاتیں دولہن کے ساتھ تھوڑی دور تک جاتی ہیں یہ گیت بڑے دلچسپ ہوتے ہیں ان میں دولہن کے اوصاف بیان کر کے دولہے کو نصیحت کی جاتی ہے کہ اس کو آرام و آسائش سے رکھنا اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔

ریاست جموں وکشمیر کی شادیوں میں ضیافت میں طرح طرح کے پکوان اور وازوان پوری دنیا میں مشہور ہیں معمولی گھر کے شادیوں میں بھی بیس اور پچیس (کورس) ہوتے ہیں اور متوسط خاندان میں بھی بارہ پندرہ کم کی ضیافت نہیں ہوتی اس وازوان میں وازہ جس کو باورچی کہتے ہیں دعوت پر آنے والوں کے لیے مختلف طریقوں سے گوشت کے سالن تیار کرتا ہے جن میں میتھی، کباب، طبخ، ماز، رستہ، روگون جوش،

قورمہ اور گشتابہ شامل ہیں اور اس سے زیادہ بھی بہت ساری ویرائٹیز بنائی جاتی ہیں جو پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ان چیزوں کی نشاندہی کرتے ہوئے صوفی محی الدین رقمطراز ہیں:

> ''وازوان کی لطافت نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متوسط طبقہ کو بھی اس کا شیدائی بنادیا زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ وازوان اپنا حلقہ وسیع کرتا رہا ایک وقت ایسا آیا جب سرینگر میں شادی کی ہر تقریب پر وازوان لازمی بن گیا امیر وغریب کی تفریق مٹ گئی وازوان کی لطافت کی بدولت اس کے شیدائیوں میں کافی اضافہ سے وازوان پیار کرنے والوں کا ایک طبقہ پیدا ہوگیا۔سرینگر کے پائن علاقہ میں ایک محلّہ کا نام ہی وازامحلّہ پایا گیا''۔[۲۸]

کشمیر میں شادیوں میں بننے والی ضیافتوں کے لیے وازہ کو متعین کیا جاتا ہے جو ان تمام ڈشوں کو مہمانوں تک ایک ایسی ترتیب سے پہنچاتا ہے جس میں اُسے بیس پچیس بار آنا جانا پڑتا ہے۔ہر چار مہمانوں کے لیے ایک بڑی سینی میں چاول ،تلا ہوا مرغ ،کباب اور طبخ ماز کے ساتھ سبزی جوڑ کر رکھ دی جاتی ہے اور چار چار مہمان ایک ساتھ ایک سینی میں کھاتے ہیں مختلف ڈش یکے بعد دیگرے مہمانوں تک پہنچائے جاتے ہیں اور سب سے آخر میں گوشتابہ آتا ہے اور چاروں مہمان اسے تقسیم کر لیتے ہیں اس کے بعد اس مجلس میں جو سب سے معزز اور بزرگ شخص ہوتا ہے وہ خدا کی ان نعمتوں کا شکرانہ ادا کرتا ہے یعنی حمد پڑھی جاتی ہے اور سینیاں اُٹھائی جاتی ہیں اور دسترخوان پر ہی مہمانوں کے ہاتھ سیلاب چی اور آفتابے سے دھلوائے جاتے اور دسترخوان بھی اُٹھایا جاتا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے اسی متحد سماجی وتہذیبی تصّور کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے پس اگر یہ کہا جائے کشمیریت ایک زندہ توانا ہمہ گیر تہذیبی وسماجی اکائیوں کے مترادف ہے تو بے جا نہ ہوگا موجودہ دور میں جبکہ رسل ورسائل کے سائنسی طریقوں اور سیاسی تبدیلیوں نے بین الاقوامی سطح پر تہذیبی لین دین اور تاثر پذیری کے امکانات کو وسیع کیا ہے۔کشمیریت کو یقیناً نئے چیلنجوں کا سامنا ہے لیکن اپنی تاریخی روایات اور عہد بہ عہد ارتقاء کے پیش نظر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ تمام آزمائشوں میں کشمیر آج تک پوری طرح سے اُترا ہے اور آج کے بعد بھی تہذیبی وسماجی قدروں کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھا جائے گا۔

---

[۲۸] کشمیر کی ثقافت کے بدلتے نقوش ،صوفی محی الدین ،ص ۳۰۷

تاریخی تہذیب عالم میں وادی کشمیر کے علم وفضل اور تہذیب وتمدن کا ذکر ہمیشہ جلی اور شیرین حروف میں کیا جاتا رہا ہے۔ جموں وکشمیر کے تہذیبی اور شاندار کلچر کا بھی ایک نمونہ ہے یہ وراثت زمانے کے دست برد سے ہم سے چھینتی رہی ہماری یہ شاندار تمدنی وراثت مندروں، وہاروں، سٹوپوں، مجسموں، مسجدوں، خانقاہوں، سِکوں، مخطوطوں، قلمی نسخوں اور دیگر ایسے ہی فنی نمونوں کی صورت میں موجود ہے۔ ہارون برزہامہ اشکر پر ہاس پورہ، پاندرٹھن، اونتی پورہ، مٹن کے علاوہ بہت سارے مقام اور مقبرے، خانقاہ اور آستان دیوار اور دروازے اس وراثت کے باقیات ہیں۔ کشمیر کے کھنڈر ہی بتارہے ہیں کہ کشمیر کسی عظیم کلچر کا مخزن تھا کشمیر میں رہنے والا انسان کتنا بڑا فنکار تھا کشمیر کے سارے آثار کشمیریوں کی فکری پختگی اور فنی شعور کے زندہ جاوید ثبوت ہیں۔ کشمیر کا یہ ثقافتی ورثہ اب مٹ رہا ہے ان مٹے ہوئے فنی نقوش ونادر کا احوال کشمیر کے کافی باہمت افراد اور اداروں نے درج کیا ہے۔ رام چندر کاک نے ان پر ایک کتاب لکھی، کلچرا کیڈمی نے جموں وکشمیر کے آثار قدیمہ پر انسائیکلوپیڈیا لکھا کشمیر کے ایک بڑے مورخ حسن شاہ نے کافی وقت تک کشمیر کی عمارات اور آثار پر لکھا تھا اس حوالہ سے صوفی غلام محی الدین اپنی کتاب ''کشمیر کی ثقافت کے بدلتے نقوش''میں لکھتے ہیں:

> ''زمانہ قدیم میں جب ہندومت اور بدھ دھرم اپنے عروج پر تھا تو کشمیر میں بڑے عظیم مندر، سٹوپ اور وہار تعمیر ہوئے یہ مندر وہار اور سٹوپ کچھ تو زمانے کے تغیر سے منہدم ہو گئے کچھ مندر منہدم کیے گئے کچھ زمانے اور حالات کے طوفانی تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اصلی صورت یا ترمیم شدہ صورت میں قائم رہے ان مندروں میں شنکراچاریہ کا مندر ہی اب ایک ثابت وسالم نظر آرہا ہے''۔ ۲۹

اس کے علاوہ کشمیر میں اسلام کے ظہور کے بعد فن تعمیر میں نئے طرز عام ہونے لگے، خانقاہوں اور مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا ان مسجدوں اور خانقاہوں کی تعمیر میں قدیم کشمیری طرز تعمیر کو قائم رکھا گیا لیکن اسلامی عقائد اور خیال اور اسلامی عبادات کی ضرورت کے باعث اسلامی زمانے کی تعمیر نئے طرز پر ابھر نے لگی ان کی تعمیر میں استعمال ہونے والا مسالہ بھی بدل گیا اکثر خانقاہیں تعمیر کرنے میں لکڑی کا ہی استعمال کیا گیا۔ مغلوں کے دور تک کشمیر میں کافی مسجدیں تعمیر ہو گئیں تھیں اور اورنگ زیب نے اپنے دور میں کشمیر

۲۹ کشمیر کی ثقافت کے بدلتے نقوش، صوفی محی الدین، ص ۱۵۶

میں پانچ سو مسجدیں تعمیر کروائیں ان مسجدوں میں اپنی کلچری تہذیب کہیں کہیں ابھی بھی موجود ہے۔ جامع مسجد سرینگر ترمیم وتجدید کے بعد اب تک قائم ہے اور کشمیر کی مسجدوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے یہ مسجد کئی بار جلی اور کئی بار تعمیر ہوئی اور اس مسجد کی تعمیر میں نصب کیے گئے بہت سارے لکڑی کے ستون جو کافی اونچے ہیں جو کشمیر کی مسجدوں کو یکتا اور لامثال بنا دیتے ہیں، اسی طرح سرینگر کی عالی مسجد کا اپنا ایک علیحدہ طرز ہے یہ مسجد بڈشاہ کے بھائی علی شاہ نے تعمیر کروائی تھی یہ مسجد معمولی مرمت وتجدید کے بعد اب بھی قائم ہے اسی طرح شاہی مسجد یا پتھر مسجد مغل فن تعمیر کا کشمیر میں ایک بڑا نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری خانقاہیں اور مسجدیں جو ابھی تک اپنی کلچری وراثت کا نمونہ بنی ہوئی ہیں موجود ہیں اس کے علاوہ کشمیریوں کو نقش کاری اور مورت گری، خطاطی، تعمیر کاری، باغات وغیرہ میں ید تولیٰ حاصل ہے جو ان کی تہذیبی وکلچرل اور تمدنی وراثت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

اہل کشمیر کو فطرت سے قریبی تعلق نے جمالیاتی اور فکری لحاظ سے گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ جمالیاتی حسن کی بیداری کا مظاہرہ ان کے رشتوں کی جذباتیت اور پاکیزگی، ہنرمندی کے اعلیٰ نمونے مجلسی آداب حسن نسوانی کی شگفتگی، طبعی شائشگی، بود و باش کی نفاست پسندی اور تخلیقی مشاغل میں ہوتا ہے اور جہاں تک فکری رویوں کا تعلق ہے کشمیریوں کی فطرت میں اجتماعی طور پر درویشی اور فقیری کا ایسا حاوی عنصر موجود ہے جسے ریشی مسلک سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وادی عہد قدیم سے صوفی، سنتوں، فقیروں اور درویشوں کی آماجگاہ رہی ہے اور ریشی، منیوں اور ولیوں کی وادی کہلائی ہے۔ کشمیر میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا محلّہ ہوگا جہاں مسجد اور مندر کے علاوہ کسی بزرگ صوفی کا مزار نہ ہو یہ صوفیانہ میلان کشمیریوں کی افتادہ طبع بن کر رہ گیا اس سے ان کی شخصیت میں سطح بینی اور ظاہر پرستی کے بجائے دروں بینی اور داخلیت پسندی پیدا ہوئی ہے۔ ملک کے دیگر علاقوں کے لوگوں کے مقابلے میں کشمیری بے حد ذکی الحسن اور داخلیت پسند واقع ہوئے ہیں نیز سادگی کم آمیزی، مہمان نوازی، دردمندی، امن پسندی اور رواداری کے عنصر جو کشمیریت کے اجزائے طبعی ہیں اسی صوفیانہ رویہ کی دین ہیں کہ توکل پسندی اور صبر و رضا جس کے لیے کشمیری مشہور ہیں اسی رویہ کا فیضان ہے کہ سب سے اہم بات رواداری ہے جو کشمیریت کی پہچان ہے اور کشمیریوں کو مذہبی تعصب نے کبھی بھی نہیں چھوا۔ یہی ہے ریاست جموں وکشمیر کی تاریخی، سماجی وتہذیبی صورتحال کا ایک پس منظر۔

باب۔ دوم

ریاست جموں و کشمیر میں اردو شعر و ادب کی روایت

ذیلی ابواب:

1. ریاست جموں و کشمیر میں اُردو کے ابتدائی نقوش
2. ریاست جموں و کشمیر میں اُردو شاعر
3. ریاست جموں و کشمیر میں اُردو نثر

1. ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کے ابتدائی نقوش ایک جائزہ:

ریاست جموں وکشمیر کو برصغیر سے بالعموم اور صوبہ جموں کو پنجاب سے بالخصوص علاقائی، سماجی، معاشی، معاشراتی، تعلیمی اور لسانی روابط نے کچھ اس مضبوطی سے باہم جوڑ دیا ہے کہ دونوں خطوں میں موجودہ تہذیبی وتمدنی لہروں رسوم ورواج اور زندگی سے متعلق عمومی رویوں کا ایک دوسرے پر اثر لازمی وفطری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بے شمار عوامل اور لسانی ضرورتوں کے باعث نئی زبان اردو نے پنجاب میں جنم لیا تو اس کا دائرہ اثر جموں تک پھیلنا شروع ہوا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ جموں اور اس کے نواحی علاقے عموماً عہد ماضی میں فوجی کاروائیوں کا مرکز رہے اور یہاں کے مخصوص حالات کے باعث اس علاقہ میں علمی وادبی تحریکوں کو پہنچنے کے مواقع کم ملے ہیں یا دیر سے میسر آئے ہیں۔

سکھاشاہی کے خاتمے کے بعد رسوائے زمانہ بیع نامہ امرتسر (۱۶مارچ ۱۸۴۶ء) کے ذریعہ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر انگریزوں سے حاصل کر کے (۷۵ لاکھ نانک شاہی) ڈوگرا راج قائم کیا تو یہاں ریاست کی نئی ہئیت تشکیل پذیر ہوئی جس کے نتیجے میں باوجود ڈوگرا ظلم کے جموں وکشمیر کے سیاسی وسماجی حالات کسی حد تک تبدیل ہونے لگے۔ دیگر شعبہ زندگی کی طرح یہاں علم وادب کی کچھ روایات بھی قائم ہونے لگیں اس طرح ان اثرات کو جو برصغیر میں اردو زبان کے ارتقاء کی روشنی میں ڈوگرا راج سے قبل ریاست جموں وکشمیر پر پڑے تھے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ ریاست پر ڈوگرا اقتدار کے آغاز کے وقت سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی فارسی زبان ایک طویل عرصہ تک یہاں کی علمی وادبی زبان رہی اہل کشمیر نے جہاں اُسے دفتری زبان کے طور پر برتا وہاں اُس زبان میں شعر وادب بھی تخلیق ہوا۔ یہاں ڈوگرا عہد میں اردو کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی اس بارے میں خواجہ غلام احمد پنڈت رقمطراز ہیں:

> ''کشمیر میں کشمیری، سنسکرت اور فارسی زبانیں عام طور پر بڑی مقبول ہیں اور ان کی طویل تاریخ ہے لیکن یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ جتنی ترقی اردو نے ہندوستان کے باقی صوبوں ریاستوں اور علاقوں میں کی ہے اس سے کئی زیادہ اور مسلمہ طور پر ریاست جموں وکشمیر میں کی ہے حتیٰ کہ ڈوگرا عہد میں اردو نے دفتری زبان کی حیثیت سے فارسی کی جگہ لے لی اور عدالتی ودرسی زبان کا درجہ بھی پایا''۔ [1]

---

[1] خواجہ غلام احمد پنڈت، کشمیر آزادی کی دہلیز پر، اشاعت اول، ص ۹۷

کشمیر میں ڈوگرا راج کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جب اردو ہندوستان میں ابتدائی تشکیلی مراحل تیزی سے طے کرتے ہوئے ایک واضح اور مستحکم زبان کی شکل اختیار کر چکی تھی ۔سکھوں کے عہد میں دربار لاہور سے وابستگی کے باعث پنجاب سے اردو ادب وصحافت کی نئی اُٹھنے والی تحریکوں نے جموں کی راہ بھی دیکھ لی تھی اس کے علاوہ ہندوستان سے اردو شعر وادب کی روایت بھی مختلف ذریعوں سے جموں وکشمیر میں روشناس ہونے لگی تھی جموں میں ڈوگری ، گوجری اور پنجابی کا رواج تھا ۔پنجاب سے ملحقہ علاقہ ہونے کے باعث پنجابی زبان کا اس علاقہ میں عمل دخل زیادہ تھا ڈوگری ، گوجری بولنے والے بھی پنجابی زبان بخوبی سمجھ لیتے تھے جب کہ پنجابی اردو زبان کے عناصر ترکیبی میں شامل ہے اس طرح جموں میں معمولی محنت سے اُردو کو اپنا لیا گیا ۔اہل کشمیر اور پنجاب کا ہمیشہ سے تعلق رہا ہے لوگ محنت مزدوری کے لیے پنجاب ہی کا رخ کیا کرتے تھے اس بارے میں سلیم خان گمی رقمطراز ہیں:

> ''کشمیر نے جب اہل کشمیر کے لیے سکھوں اور ڈوگروں کے عہد میں ایک اقوت خانہ کا روپ دھارا تو ہزاروں کشمیری کنبے کشمیر چھوڑ کر سیالکوٹ ، لاہور ، امرتسر ، راولپنڈی اور دوسرے شہروں میں آباد ہوگئے ۔ظاہر ہے ان کی دلچسپیاں کشمیر سے ہی وابستہ تھیں دوسرا یہ کہ وہ لوگ جو کشمیر نہ چھوڑ سکے وہ بھی سردیوں کے موسم میں پنجاب کی طرف نکل جاتے تھے اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے ۔یہ لوگ موسم گرما کے آغاز پر واپس کشمیر کا رخ کرتے تھے تیسری بات یہ ہے کہ کشمیر اور پنجاب رنجیت سنگھ کے عہد سے یک جان دو قلب چلے آتے تھے اور دونوں خطوں کی سیاست ایک دوسرے کو متاثر کرتی چلی آ رہی تھی جغرافیائی اعتبار سے بھی پنجاب اور کشمیر ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں اور اگر انسانی جغرافیائی کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں خطوں کف وکم میں زیادہ بعد نہیں چوتھا یہ کہ نسلی اعتبار سے بھی پنجاب کے کئی قبیلے کشمیر میں اور کشمیر کے کئی قبیلے پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں ۔پانچویں بات یہ کہ دونوں خطوں کے تہذیبی وثقافتی تعلقات بھی صدیوں سے باہم مربوط

چلے آرہے ہیں۔چھٹی بات یہ کہ مذہب اسلام کا رشتہ بھی دونوں خطوں کے
مسلمانوں میں پائیدار اور مستحکم ہے''۔[۲]

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل کشمیر بالخصوص جموں اور مغربی پنجاب کے مسلمانوں کے درمیان گہری مذہبی،تہذیبی اور ثقافتی روابط تھے۔علاقائی،سماجی اور تجارتی تعلقات کے سبب جموں کے لوگ نئی زبان اردو سے کئی حد تک آشنا ہو گئے تھے۔چونکہ زبانوں کے اثر ونفوس کا عمل غیر شعوری سطح پر جاری رہتا ہےاس لیےاردو کے کئی الفاظ ان کی زبان ڈوگری کا حصہ بن چکے تھےلیکن اردو کو ابھی وہ ضروری استحکام حاصل نہیں ہو سکا تھا جس سے وہ فارسی کی جگہ لے کر سرکاری زبان بن سکے۔البتہ یہ زبان تیزی سے ان منزلوں کی جانب اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی جہاں پر پہنچنے کے بعد اسے فارسی کا نعم البدل بننا تھا اور ریاست کی سرکاری،دفتری اور علمی وادبی زبان کی حیثیت اختیار کرنی تھی جموں اور پنجاب کے قریبی تعلقات تہذیبی وثقافتی روابط کے علاوہ ریاست میں اردو کی ابتداء ترویج وترقی کا عمل جن عوامل کے باعث تیزی سے ممکن ہوا ان میں چند عوامل جو زیادہ قابل ذکر ہیں درج ذیل ہیں:

ذرائع موصلات میں اضافہ اور باہمی میل جول: ریاست کے صوبہ جموں کی اکثریت ڈوگری زبان بولتی تھی جس سے اہل وادی نا آشنا تھے جبکہ وادی کشمیر میں بولی جانے والی کشمیری زبان سے جموں وگرد ونواح کے رہنے والے ناواقف تھےضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی ایسی زبان استعمال کی جائے جسے ہر دو علاقہ کے رہنے والے سمجھ سکیں نیز دنیا میں ہونے والی صنعتی ترقی کے اثرات جب سات سمندر پار سے ہندوستان پہنچے تو ریاست جموں وکشمیر پر بھی اس کا اثر پڑا اس صنعتی ترقی اور کسی حد تک ملک کی ترقی کے باعث جب ذرائع موصلات میں اضافہ ہوا تو میل جول بڑھا۔اہل کشمیر کا آپس میں ربط اور ہندوستان کے تمام علاقوں تک رسائی کا عمل آسان ہوا تو اردو زبان کے اثر ونفوس کا عمل تیزی سے بڑھا اس طرح ذرائع موصلات میں اضافہ اردو زبان کی ابتداء وترویج کا باعث بنا۔

برصغیر سے اہل علم کی آمد: ذرائع موصلات کی ترقی کسی بھی علاقہ میں سماجی تبدیلیوں کی ابتداء ہوتی ہے صنعتی ترقی کا خاصہ ہے کہ لوگوں میں شعور پیدا ہو اور وہ جدید علوم سے آگاہی حاصل کریں۔لہٰذا

---

[۲] سلیم خان گمی،اقبال اور کشمیر،ص ۲۷

ساری دنیا کی طرح کشمیر میں بھی تیزی سے بدلتے حالات کے باعث تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگوں کی ریاستی امور چلانے اور دفتری کاروبار سنبھالنے کے لیے ضرورت پڑی۔ ریاست میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی تھی جس کا سبب ریاست پر قابض حکمرانوں کی عوام کو ان پڑھ رکھنے کی شعوری کوشش تھی۔ اس صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے برصغیر سے پڑھے لکھے لوگ بالعموم اور پنجاب سے بالخصوص کشمیر کا رخ کرنے لگے۔ حکومت کو بھی ایسے افراد کی ریاستی مشنری کو چلانے کے لیے ضرورت تھی بقول حبیب کیفی:

> ''ریاست کو پڑھے لکھے لوگوں اور ہنر مندوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہندوستان اور پنجاب سے لوگ کشمیر آنے لگے۔ حکومت نے اپنے مفاد کے لیے ان لوگوں کو ملازمتیں دیں اور اچھے اچھے عہدوں پر فائز کیا۔ یہ لوگ اپنی زبان اردو بھی ساتھ لائے اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے کشمیر میں اردو کی ترویج کی سیل نکل آئی''۔[۳]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی: اس جنگ آزادی کے ہمہ گیر اثرات سے جہاں آنے والے دنوں میں برصغیر کے اندر زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا وہیں یہ جنگ کشمیر میں اردو کی ترویج کے لیے موثر ثابت ہوئی مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کی درخواست پر تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے ڈوگرا فوج دہلی بھیجی جو جنگ آزادی کے اختتام کے باوجود کافی دنوں تک وہاں رہی۔ دہلی میں قیام کے دوران اہل دہلی سے میل جول کے باعث یہ فوجی ان کی زبان اردو کے بے شمار الفاظ سیکھ چکے تھے۔ یہ فوجی اپنے ساتھ بے شمار الفاظ لائے جو ریاست میں اردو کی ابتداء کا باعث بنے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے حبیب کیفی رقمطراز ہیں:

> ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی کشمیر میں اردو کی ترویج کا ایک موثر سبب بنی وہ اس طرح کے انگریزوں نے تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے گلاب سنگھ سے فوجی امداد طلب کی۔ گلاب سنگھ اگرچہ ۱۸۵۷ء میں حکومتی امور سے اپنے بیٹے رنبیر سنگھ کے حق میں دستبردار ہو چکا تھا تاہم گلاب سنگھ نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ڈوگرا فوجیوں کو انگریزوں کی امداد کے لیے دہلی بھیجا جنھوں

---

[۳] حبیب کیفی، کشمیر میں اردو، ص ۱۷

نے آزادی پسندوں کو کچلنے میں اپنی پوری سفا کی اور درندگی کا ثبوت دیا جنگ آزادی ختم ہونے کے باوجود ڈوگرا فوجی کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہے اور جب ریاست میں واپس آئے تو اپنے ساتھ اردو کے بے شمار الفاظ لائے جن سے کشمیر میں اردو کے رائج ہونے میں مدد ملی''۔ ۴

سیاحوں کی آمد: پنجاب کے میدانی علاقوں سے قربت کے باعث اہل جموں و پنجاب میں قریبی روابط کے سبب ان علاقوں کے باسیوں کا ہر سطح پر متاثر ہونا فطری امر تھا لیکن سر بہ فلک برف پوش کوہساروں سے گھری وادی کشمیر سے اہل ہندوستان کا روابط کچھ زیادہ آسان نہ تھا البتہ جب مری، کوہ ہالہ سڑک اور جموں بانہال سڑک کی تعمیر ہوگئی تو سفری سہولتیں مہیا ہونے کے باعث پنجاب اور ہندوستان کے ہر شعبہ زندگی کے لوگ کشمیر کا رخ کرنے لگے کشمیر کے دلفریب نظاروں، خوبصورت وادیوں، دریاؤں، سبزہ زاروں اور طلسماتی حسن کی جاذبیت نے اہل فکر ونظر کی بڑی تعداد کو متوجہ کیا ہے وہ اکثر وہاں کے دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کشمیر کا سفر کرنے لگے ان لوگوں کی آمد ورفت وادی کشمیر میں اردو کی ابتداء کا اہم وسیلہ ثابت ہوئی۔

موسیقی وشاعری: موسیقی وشاعری کے ذریعہ بھی ریاست جموں وکشمیر میں اردو کی ترویج میں کافی حد تک اضافہ ہوا۔اس بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''ریاست جموں وکشمیر میں اردو کی ابتداء اشاعت اور مقبولیت کے حوالہ سے موسیقی کا کردار بھی بہت اہم ہے ۔ پہاڑی سارنگی نواز جب اردو گیتوں اور غزلوں سے آشنا ہوئے تو انھوں نے بستی بستی گھوم کر لوگوں کو اس نئی زبان کے گیت سنائے جو اپنی اثر آفرینی کے باعث لوگوں کے دلوں میں گھر کر جانے اور ان کو ازبر ہو جانے ۔ یوں ساز وآواز کا یہ سنگم بھی اردو کی ترویج میں اہم ثابت ہوا''۔ ۵

---

۴ حبیب کیفی، کشمیر میں اردو، ص ۱۷

۵ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۷۰

کشمیر دربار میں دہلی کے نقیب: جب کشمیر میں ڈوگرا راج کو استحکام نصیب ہوا تو اہل اقتدار کے دلوں میں دربار کی شان وشوکت بڑھانے کی سوچ بھی ابھری۔ان کے سامنے مغل حکمرانوں کے دربار کی شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ بطور نمونہ تھی۔لہٰذا انھوں نے مغلیہ انداز حکمرانی اختیار کرنے کے لیے مغل درباروں کا سا طور طریقہ اپنانے کی کوشش کی اس کے علاوہ دوسری باتوں کے انہوں نے ہندوستان سے نقیب منگوائے اور اُن کو اپنے درباروں میں ملازمتیں دیں۔یہ لوگ جو مغل درباروں کے آداب سے آگاہ تھے مہاراجہ کی دربار میں آمد کے موقع پر مغلیہ دربار کے انداز میں اس کا اعلان کرتے اور وہی الفاظ استعمال کرتے جو وہ مغل درباروں میں استعمال کرتے تھے۔ان لوگوں کے ساتھ ان کے عزیز واقارب بھی کشمیر میں چلے آئے۔ان سب کی زبان اردو تھی۔درباری لوگ ہونے کے باعث مقامی لوگوں نے ان کے ساتھ ربط وتعلق کو اہمیت دی۔یہ مقامی لوگوں سے اپنی زبان میں بات کرتے اور مقامی لوگوں کو لازمی طور پر یہ زبان جاننا اور سیکھنا پڑی۔یوں ان لوگوں کی کشمیر میں آمد بھی اردو کے فروغ میں خاصی معاون ثابت ہوئی۔

کشمیر چونکہ اپنے حُسن ودلنوازی میں جنت نظیر ہے اس لیے حُسن پرست مغل حکمران اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں سمیت اہل اقتدار واختیار جب اس خطہ کا رُخ کرتے تو اس عہد کی ریت کے مطابق شعراء، علماء اور اہل کسب وکمال کا ایک قافلہ اُن کے ساتھ چلتا۔اُن کی یہاں آمد کشمیر میں فارسی زبان وادب کے سبب ہوئی۔ گزرتے وقت کے ساتھ جب اردو نے فارسی کی جگہ لی تو اپنے اپنے وقتوں میں ہندوستان کے متعدد اہل علم وفن ریاست کا سفر اختیار کرتے رہے۔مختلف درباروں میں اُن کے علم وہنر سے اکتساب بھی ہوتا رہا اور اُن کی صلاحیتوں کا اعتراف بھی۔برصغیر سے کشمیر تشریف لانے والے شاعروں کی عوامی سطح پر پذیرائی اور مقبولیت بھی یہاں اردو کی ترویج کا باعث ہوئی۔عوامی مقبولیت کے لحاظ سے نظیر اکبر آبادی اور ان کے کلام کو خاص فوقیت حاصل رہی۔

مہاراجہ کا محافظ دستہ ایک سبب: مہاراجہ رنبیر سنگھ کا خاص محافظ دستہ رامپور کے روہیلوں پر مشتمل تھا یہ لوگ اردو زبان بولتے تھے مہاراجہ سے قربت کے باعث خاصہ سے صاحب توقیر جانے جاتے تھے یہ مقامی افراد سے اردو میں ہی بات چیت کرتے تھے یوں اُن کی آمد رہائش اور میل ملاپ بھی ریاست میں اردو کی ترویج کا سبب ہے۔

فوجی دربار: فوجی دربار نے بھی ریاست میں اردو زبان کی ترویج اور مقبولیت میں اضافہ کیا مثال کے طور پر صوبہ جموں میں ۹ تا ۱۱ فروری ۱۹۱۸ء کو ایک فوجی دربار منعقد ہوا جس کا مقصد لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دلوانا تھا اس دربار میں اعلیٰ فوجی و سول حکام نے اردو میں تقریریں کیں ان حکام میں انگریزری کرونٹنگ آفیسر، مینجر ٹنگر ڈریکٹر وٹنگ، سکریٹریری ڈاکٹر دیوان بدری ناتھ، مشیر مال چودھری خوشی محمد ناظر اور گورنر صوبہ جموں رائے بہادر پنڈت اور چند شامل ہیں لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دلانے کے لیے اس نوع کے فوجی دربار میں حاکم ومحکوم کی اردو تقاریر سے ریاست اور اداروں کا بھی اہم کردار ہے جنھوں نے اپنی علاقائی شاخیں قائم کر کے اور اپنی تنظیموں کے زیر اہتمام تقریبات منعقد کروا کر ریاست میں اردو کو فروغ دیا ان میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن اسلامیہ جموں، آل انڈیا کشمیر کانفرنس، انجمن نصرت الاسلام سرینگر، بزم سخن جموں، ینگ مینز مسلم اسوسی ایشن جو بعد میں مسلم کانفرنس بنی شامل ہیں۔ ریڈنگ روم (بانی شیخ محمد عبداللہ) جیسے غیر سرکاری اداروں کا کردار بھی اس ضمن میں بڑا اہم ہے جنھوں نے خطے میں مطالعہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی فروغ دیا ہے۔

ناٹک کمپنیاں: ہندوستان میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ دیگر فنون لطیفہ کی طرح ڈرامہ کا فن بھی ترقی کرتا گیا۔تفریحی پہلو اور ہلکے پھلکے انداز کے باعث یہ صنف لوگوں میں بہت مقبول ہوئی لہٰذا ہندوستان کی ڈرامہ کمپنیاں اکثر ریاست کا رخ کرتیں اور وہاں اپنے کھیل اسٹیج کرتی تھیں ریاست کے عوام ان تفریح کھیلوں کو بڑی رغبت سے دیکھتے عوامی ذوق کو دیکھتے ہوئے جموں میں بھی ناٹک کمپنیاں تشکیل دی گئیں ان تفریح سلسلوں کی زبان اردو ہوتی تھی لہٰذا فطری بات ہے کہ لوگوں کو اس زبان سے آشنائی بھی ہونے لگی۔ یوں تھیٹر کل کمپنیوں نے عوام کو تفریح مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ریاست میں اردو کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مذہبی تحریکوں کا کردار: انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں بالعموم اور دہلی میں بالخصوص وہابی تحریک کا چرچہ تھا۔ یہ تحریک اصلاحی جوش میں مذہبی تحریک کے بجائے تحریک آزادی کا سا روپ اختیار کر چکی تھی اس کے حامیوں میں اردو کے چند معروف صحافی اور ادیب شامل تھے۔ اس بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''اس تحریک (وہابی تحریک) کے اثرات کشمیر تک بھی پہنچے اور ساتھ ہی وہابی تحریک سے وابستہ لدر بجو بھی یہاں آیا۔ کشمیر میں اردو کے ابتدائی دور کے حوالہ سے وہابی تحریک کا حصہ بھی قابل ذکر ہے''۔[6]

ریاست میں اردو کے نقل ونوع کی آبیاری اور مضبوط بنانے میں مذہبی تحریکوں کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ عیسائی مشنری بھی اپنا لٹریچر اردو میں شائع کر کے تقسیم کرتے تھے۔ مذہبی اداروں اور شخصیات نے بھی ریاست میں اردو کے فروغ میں بڑا اکلیدی کردار ادا کیا ہے مثال کے طور پر شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیری کے تلامزہ اور متوسلین نے اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں بقول ڈاکٹر خواجہ عبدالغنی:

''علامہ انور شاہ کشمیری کے تلامزہ، علامہ تاجور نجیب آبادی، مناظر احسن گیلانی، پروفیسر انورالحسن شیر کوٹی، مفتی اعظم، مفتی محمد شفیع اور مولانا سید محمد یوسف بنوروی جیسے صاحبان علم اور اہل ادب نے ریاست جموں وکشمیر میں اردو زبان کی ترویج واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے''۔[7]

محرم کی مجلسیں: ریاست جموں وکشمیر مختلف مذاہب ومسالک کے پیروکاروں کا مسکن ہے یہاں ایک طرف اگر بدھ، ہندو اور سکھ آباد ہیں تو دوسری طرف اسلام کے ماننے والوں میں سنی وشیعہ مکتب فکر سے وابستہ لوگوں کی بڑی تعداد آباد ہے ریاست میں رہنے والے اہل تشیع محرم کی مجلسیں بڑے اہتمام سے منعقد کرتے تھے ان مجالس کا زور بڑھانے کے لیے لکھنؤ سے شیعہ ذاکر خاص دعوتوں پر وہاں تشریف لاتے جو اُردو میں سلام ومرثیہ سناتے۔ محرم کی ان مجلسوں میں اہل کشمیر بڑی عقیدت سے شریک ہوتے تھے لکھنوٗی انداز اور خوبصورت آواز میں بیان ہونے والے واقعہ کربلا کے مندرجات، اسلام ومرثیہ کی روح کو گرما دینے والے اشعار جہاں ایمان کی تازگی کا باعث ہوتے وہیں وہ اردو کے فروغ میں بھی معاون ثابت ہوتے۔

دارالترجمہ کا قیام: مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بے شمار اقدامات غیر محسوس انداز میں اردو کا فرق پیدا کرنے اور اُس کی ترقی میں معاون ثابت ہوئے۔ لیکن مہاراجہ کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ ''دارالترجمہ''

---

[6] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۷۰

[7] خواجہ عبدالغنی، علامہ انور شاہ کاشمیری اُن کے تلامزہ اور متوسلین کی اردو خدمات، ص ۴

اور محکمہ تالیف وترجمہ کا قیام تھا۔ جس کا بنیادی مقصد مغربی علوم کو ریاست کی زبانوں بالخصوص اردو میں منتقل کرنا تھا اس کی وساطت سے اگر چہ بعض ترجمے دو تین زبانوں میں ہوئے لیکن زیادہ تر ترجمے اردو میں ہوئے۔ اسی طرح اس ادارے نے اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

ریاست میں اردو کا پہلا چھاپہ خانہ: احمد پریس اردو کا پہلا چھاپہ خانہ تھا جو ۱۸۵۸ء کو جموں میں قائم ہوا۔ اس طرح ریاست میں اردو کی ترقی کا ایک اور زینہ طے ہوا۔ متذکرہ بالا عوامل کے تحت جب ریاست میں اردو کا نفوذ بڑھنے لگا تو مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس صدی کے اوائل میں اردو کو ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا اور یوں اردو دفتری زبان نظام میں استعمال ہونے کے علاوہ تعلیمی نصاب کا ذریعہ بھی بن گئی۔ نیز اردو زبان ریاست میں سیاسی بیداری کا سبب بھی بنی۔ لاہور کے اخبارات کوہ نور، زمیندار، اخبار عام، پیسہ اخبار اور الہلال وغیرہ نے کشمیر میں اردو نوازی کے ہی نہیں بلکہ حریت پسندی تخم بھی دئے۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے **۱۹۳۰**ء کے لگ بھگ عبدالمجید سالکؔ اور غلام رسول مہرؔ کا اخبار 'انقلاب' کشمیر کی تحریک آزادی کا ترجمان بنا۔ ان اخبارات کی پیروی کرتے ہوئے جموں سے بھی اخبارات چھپنا شروع ہوگئے۔ جس میں تحریک آزادی کشمیر کا موضوع اہم رہا اور مقامی اہل قلم نے علمی، مذہبی اور سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ مثال کے طور پر راجوری کی سیاسی بیداری میں مرزا فقیر محمد راجوروی اور شیخ عبدالعزیز علائی جیسی نابغہ روزگار شخصیات نے قابل ذکر خدمات انجام دیں۔

متذکرہ بالا عوامل کے تحت کشمیر میں اردو نے تیزی کے ساتھ اپنا اثر قائم کیا۔ کشمیر کی سیاسی جماعتیں بھی اردو کی افادیت سے آگاہ تھیں۔ دو بڑی سیاسی جماعتوں، مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس سمیت ساری جماعتوں کا لٹریچر اردو میں ہی چھپتا۔ نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے ایک موقع پر اردو کے بارے میں کہا تھا:

> ''نیشنل کانفرنس اس بات پر یقین رکھتی ہے اور واقعات چمکتے ہوئے سورج کی طرح اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جس پر ریاست کے تمام لوگ سالہا سال سے تعلیمی و درباری ضروریات کے لیے اتفاق کر چکے ہیں آئندہ بھی یہی زبان اُن کی ترقی کا وسیلہ بننے کی اہلیت رکھتی ہے''۔ ۸

۸۔ شیخ محمد عبداللہ، آتش چنار، ص ۱۱۵

کشمیر میں اردو نے جس تیزی کے ساتھ نفوذ کیا اس کا اندازہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے دہلی میں (کل ہند کانفرنس) سے کیے گئے خطاب سے ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

''شاید ہندوستان کے کسی صوبے میں اردو اس قدر مقبول و رائج نہیں جس قدر کشمیر میں ہے۔ مدارس میں اردو پڑھائی جاتی ہے اور ذریعہ تعلیم اردو ہے اور دفاتر کی زبان بھی اردو ہے اور بہت اچھے اردو کے شاعر و ادیب موجود ہیں۔ وہاں اسمبلی کے اجلاس کو بھی جا کر دیکھا ہے۔ سب ممبر اردو میں بلاتکلف تقریر کرتے ہیں اور یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ پنجاب اسمبلی میں ایسی اچھی تقریریں نہیں ہوتیں''۔ [۹]

ان عوامل کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کہ تقسیم ہند اور تحریک آزادی کشمیر کے عروج کے وقت اردو جموں و کشمیر میں رابطہ کی زبان تھی اس کا اپنا ادب تھا اور حلقہ اثر بھی اور یہ کہ نصف صدی بعد عوامی سطح پر ریاست میں اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ریاست کے وجود کا دو حصوں میں تقسیم ہونا بھی اس پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ اب تحریک آزادی کا لٹریچر ہو یا عام انسانی زندگی کے سماجی اور معاشی معاملات اردو ہی کے ذریعہ اظہار و بیان ہوتے ہیں۔

گلگت بلتستان میں اردو: ۶۳۵۵۴ مربع میل پر مشتمل جموں و کشمیر کے تیسرے صوبے گلگت بلتستان میں اردو کی ابتداء اپنا ایک خاص پس منظر رکھتی ہے ان علاقوں کی زبانیں شینا، بروشیشتی اور لداخی تھیں۔ ڈوگرا راج کے تسلط کے بعد انتظامی امور چلانے کے لیے جو ملازم ریاست کے دیگر حصوں سے وہاں بھیجے گئے وہ اپنے ساتھ اردو لے کر گئے مقامی لوگ تعلیم کے میدان میں صفر تھے سرکاری ملازموں کے ساتھ ان کا انتظامی اور حکومتی معاملات میں ربط و تعلق کسی مشترکہ زبان کے بغیر ممکن نہ تھا لہٰذا گلگت بلتستان کے لوگوں میں اس نئی زبان کو سیکھنے کا جذبہ اور شوق پیدا ہوا گلگت بلتستان میں اردو زبان کی ابتداء اور ترویج کے بارے میں حبیب کیفی لکھتے ہیں:

---

[۹] خطبات مولوی عبدالحق، جلد دوم، ص ۱۱

”ریاستی ملازمین کے علاوہ کشمیری ملازمین بھی گلگت بلتستان میں مقیم تھے۔اور ان میں اردو کے ممتاز شاعر امین مزیں، مولوی محمد حسن اور ماسٹر غلام حیدر بھی شامل تھے جو برسوں گلگت میں مقیم رہے۔محکمہ تعلیم میں ماسٹر غلام حیدر، جموں کے مشہور ڈرامہ نویس محمد حسن صاحب جیسے ماہر تعلیم اور ادب دوست بزرگ اس علاقہ میں اردو کی ترویج وترقی کیلئے کوشاں رہے ان حضرات کی فروغ تعلیم کی جدوجہد اور ادبی مجلسوں سے تہذیب وتمدن سے کٹے ہوئے اور بلند پہاڑوں میں گھرے ہوئے علاقوں میں اردو کی ہر دلعزیزی روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان علاقوں میں اردو کے شاعر اور ادیب پیدا ہو گئے“۔ ۱۰

ریاست جموں وکشمیر میں اردو زبان وادب کی ابتدائی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری رقمطراز ہیں:

”قدیم ترین تحریری آثار جو ہم کو کشمیر میں دستیاب ہوئے ہیں نہ وہ سترہویں صدی کے اواخر سے تعلق رکھتے ہیں اور عموماً ریختہ کا انداز رکھتے ہیں ۔اس زمانے تک مغل فوجیوں کا ربط کشمیر سے قائم ہو چکا تھا سلطان یوسف شاہ چک فارسی کا خوشگو شاعر تھا لیکن اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ہندی میں بھی شعر کہتا تھا“۔ ۱۱

مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد کے آخری ایام میں ریاست جموں وکشمیر کے ایک ملازم کے ایک مخطوطے کی زبان اردو ہے جو گلاب سنگھ اور کانگڑہ کے برطانوی آفیسروں مسٹر بٹلر اور مسٹر جاں کس کے درمیان ہونے والی مراسلت پر مشتمل ہے۔لالہ بوٹا مل نے ایک رسالہ لکھا جو چائے کی کاشت اور طریقہ کاشت سے متعلق ہے اس رسالہ کی تحقیقی محرکات پر بحث کرتے ہوئے لالہ بوٹا مل کا کہنا ہے کہ چائے کی کاشت سے متعلق اُنھیں سنسکرت زبان میں ایک رسالہ ملا جس کو اردو قالب میں ڈھالا گیا۔یہ مخطوطہ ریاست کے آخری حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کے بیٹے ڈاکٹر کرن سنگھ کی تحویل میں ہے رسالہ کے ابتدائی باب کا عنوان ہے۔

---

۱۰ حبیب کیفی، کشمیر میں اردو، ص ۱۸

۱۱ عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۱۲

''زمین کا بیان جو چائے بونے کے لائق ہو'' رسالہ پر سن تحریر ۱۸۵۷ء درج ہے۔ ڈاکٹر عبدالقادر سروری اس کو ریاست میں اردو کی پہلی باقاعدہ تحریر قرار دیتے ہیں:

''اردو کا ابتدائی نمونہ ہونے کے دوران زمانے کے لحاظ اور اس اعتبار سے کہ یہ اردو میں اس موضوع پر غالباً پہلا رسالہ ہے اس کی بہت اہمیت ہے''۔ ۱۲

ریاست جموں و کشمیر کے ہندوستان کے علاوہ دیگر قریبی ممالک کے ساتھ بھی تجارتی تعلقات تھے۔ چین، سمرقند اور بخارا کے تاجر جو تجارت کی غرض سے ہندوستان آتے تھے ان کی تجارتی روابط اہل کشمیر سے بھی تھے اور ان تاجروں کی سرینگر میں آمدورفت رہتی تھی اس بارے میں حبیب کیفی لکھتے ہیں:

''کشمیر اور ہندوستان سے تجارت کے لیے سمرقند، بخارا اور چین کے تاجروں کی سرینگر میں آمدورفت رہتی تھی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۱۹۶۵ء، ۱۸۶۴ء میں رامپور راجوری کے ایک شخص چودھری شیر سنگھ کو سیاسی اور تجارتی تعلقات کا جائزہ لینے کے لیے بخارا بھیجا۔ چودھری شیر سنگھ نے واپس آ کر اردو میں ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اپنے سفر کے خوائف اور جائزے کے نتائج مرتب کر کے پیش کیے یہ رپورٹ ریاست کے سرکاری ریکارڈ میں اردو کی پہلی تحریر ہے جو مسودہ کی شکل میں ڈوگرا حکمرانوں کے توشہ خانے میں پوری ایک صدی رہی بعد میں باقی فارسی، عربی اور سنسکرت کے مخطوطات کے ساتھ اُسے کلچرا کیڈیمی کے سپرد کر دیا گیا''۔ ۱۳

اُردو کی ابتدائی تحریر کے حوالہ سے جناب حبیب کیفی نے تحقیق کرتے ہوئے چودھری شیر سنگھ کی اس تحریر کو اردو کی پہلی تحریر قرار دیا ہے۔ جبکہ پروفیسر عبدالقادر سروری نے اس رپورٹ اور شیر سنگھ کے سفر سے اتفاق کیا ہے البتہ سروری کے مطابق اس سفر کا سن ۱۸۲۲ء ہے عبدالقادر سروری لالہ بوٹامل کی تحریر کردہ رسالہ کو جس کا سن تحریر ۱۸۵۷ء ہے اردو کی پہلی تحریر ثابت کرتے ہیں حبیب کیفی تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر سروری بعد میں بھی کشمیر رہے لہٰذا امکان یہ ہے کہ پروفیسر سروری کی اس ریکارڈ سے

---

۱۲ عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۲۰

۱۳ حبیب کیفی، کشمیر میں اردو، ص ۱۸

متعلق معلومات زیادہ ہوں جس میں ان مخطوطات کا ہونا ہر دو محققین نے ثابت کیا ہے۔اوراس کا بھی امکان ہے کہ کرن سنگھ کے محفوظ ریکارڈ تک ان کی رسائی ممکن ہواور لالہ بوٹا مل کے اس رسالہ کو انھوں نے اردو کی پہلی تحریر قرار دیا ہے وہ اُن کو کرن سنگھ کے ریکارڈ سے دستیاب ہوا ہولہٰذا غالب گمان یہی ہے کہ لالہ بوٹا مل کی تحریر ریاست جموں وکشمیر میں اردو کی پہلی تحریر ہے۔ان دونوں محققین کے نزدیک اردو کی پہلی تحریک سے مراد نثری تحریر ہوگی شاعری میں محمود گامی کی ایک اردو غزل کو پہلی دستاویز مانا جاتا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر میں اردو کا چلن دوطرح سے عام ہوا ایک تو یہاں کے عام آدمیوں کے ساتھ اردو ایک ضرورت کے ساتھ جڑی دوسرا باہر سے آنے والوں نے جو کچھ اردو کے ذریعہ دوسرے مقامی زبانوں کو دیا کسی بیش بہا خزانہ سے کم نہیں تھا اس میں الفاظ کے ذخیرہ کے ساتھ ساتھ وہ ضرب المثل بھی شامل ہیں جو انسانی عقل میں وسعت پیدا کرتی ہے اس کے علاوہ اردو ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب بھی ہے ریاست میں اردو کی آمد کے ساتھ ساتھ وہ تہذیب بھی آئی جس نے اُسے دوسری تہذیبوں سے ممتاز کیا کشمیر میں اردو کی آمد کے حوالہ سے محترمہ سیما صغیر یوں رقم طراز ہیں:

> ''تاریخی اعتبار سے اردو کے اولین آثار پندرہویں صدی عیسوی میں زین العابدین بڈشاہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد ملنے شروع ہوتے ہیں ۔اس افراتفری کے دور میں شمالی ہند کے لوگ کشمیر آنے جانے لگے اور کشمیر سے بھی بہت سے لوگ پنجاب ، دہلی، آگرہ اور دوسرے علاقوں میں جا بسے اس طرح زبان کے ساتھ اردو تہذیب بھی وارد کشمیر ہوئی''۔ [۱۴]

سکھوں کے عہد حکومت میں اردو زبان کو اس قدر پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جتنی بعد ازاں ڈوگرا راج میں حاصل ہوئی۔مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب ریاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تب لسانی اعتبار سے ریاست کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔فارسی دم توڑ رہی تھی اور مقامی زبان ڈوگری میں اس قدر سکت نہیں تھی کہ وہ دفتری زبان کا باقاعدہ روپ اختیار کر سکتی ۔انگریزی زبان کو بھی اس دور میں اپنانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اس عہد میں اگر چہ سرکاری حکم نامہ فارسی اور انگریزی میں تحریر کیے جاتے مگر

---

[۱۴] سیما صغیر، شیرازہ اردو کلچر اکاڈمی، ص۲۲۰

ساتھ ہی ان کا اردو ترجمہ بھی کیا جاتا تھا۔اس سے قبل سکھوں کے عہد میں اردو کا چلن عوامی سطح پر ہو چکا تھا تمام ڈرامے،کھیل،تماشے،موسیقی کے پروگرام،شاعرغزل،رام لیلا اور راس لیلا اردو میں ہونے لگی تھی اس عہد میں ریاست میں قوالی کی محفلیں بھی منعقد ہونے لگی تھیں۔

اردو زبان کے فروغ میں ڈوگرا عہد میں اس وقت ایک نیا موڑ آیا جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے جموں میں ودیا پرکاش پریس قائم کیا۔ یہ پریس ابتداء میں سرکاری حکمنامے، عدالتی اسٹامپ پیپرز، ڈاک ٹکٹ وغیرہ شائع کرتا تھا مگر بعد میں اس کے ذریعہ سرکاری خبرنامے بھی شائع ہونے لگےایسا مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیری اخبارنویسی کے ساتھ ہوئی اپنی ان بن کے بعد کیا۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے دفتری کاموں سے کنارہ کشی اختیار کی تو اس عہد میں رنبیر سنگھ ۱۸۵۶ءتا ۱۸۹۵ء میں دفتری امور کو ہاتھ میں لیا مہاراجہ رنبیر سنگھ جدید سوچ لے کر گدی پر بیٹھا وہ تمام پڑوسی ریاستوں سے اپنی ریاست کو آگے دیکھنا چاہتا تھا کیوں کہ اب ڈوگرا دیش کی حدود کشمیر سے لداخ اوربلتستان تک پھیل چکی تھی جو پہلے الگ الگ ریاستیں ہوا کرتی تھیں۔مہاراجہ ریاست میں تعلیم کوعام کرنا چاہتے تھےاوران کی اس علم دوستی کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید راہی لکھتے ہیں:

> ’’مہاراجہ کی خواہش تھی کہ ریاست کی قدیم زبانیں خصوصاً سنسکرت فروغ پائے اس کام کے لئے انھوں نے پوری ریاست میں پاٹ شالائیں تعمیر کروائیں اور استاد مقرر کیے اس عہد میں ان طالب علموں کو جو سنسکرت کی تعلیم حاصل کرتے تھے تحائف سے نوازا جاتا تھا۔رگھوناتھ مندر کی تعمیر بھی اسی دور میں ہوئی مہاراجہ اس مندر کوعلم وادب کے مرکز کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھااس عہد میں انگریزی حکمران جو دہلی کے تخت پر براجمان تھے دراصل انگریزی کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔ یہاں ریاست میں کیوں کہ مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی لہٰذا مذہبی درسگاہوں میں اردو میں تعلیم دی جاتی تھی‘‘۔ [۱۵]

ایسے میں مہاراجہ انگریزی اور ڈوگری زبانوں کو جن کے لیےاس کے دل میں نرم گوشہ تھا آگے نہ لا سکا اردو کو مجبوراً دفتری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا یہی وہ عہد تھا کہ مہاراجہ نے جموں میں ایک دارالترجمہ بھی

---

[۱۵] ڈاکٹر جاوید راہی،جموں وکشمیر کے قبائل اوران کی زبانیں،ص ۱۵

قائم کیا تا کہ نہ کہ صرف علمی اور ادبی کتابیں اس میں ترجمہ کی جائیں بلکہ قدیم اور جدید علوم وفنون کی بھی شیرازہ بندی کی جاسکے اس عہد میں ''تاریخ کشمیر''، ''گلاب نامہ''، تحقیقی سطح ستاسخ اور ردِ اسلام نامی کتابیں شائع ہوئیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد کے بارے میں جو اردو کے لیے ایک نیک شگوفہ ثابت ہوا یوں رقمطراز ہیں:

> ''مہاراجہ رنبیر سنگھ کی ساری دلچسپیاں ریاست میں اردو کا ذوق پیدا کرنے کے سلسلہ میں اہمیت رکھتی ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ فہم بشان کا نام اُن کا قائم کیا ہوا ادارالترجمہ یا محکمہ تالیف و ترجمہ تھا جو مغربی علوم کو ریاست کی زبانوں اور خاص کر اردو میں منتقل کرنے کے مقصد سے کام کیا تھا''۔ [۱۶]

مہاراجہ نے ریاست کے تمام اسکولوں میں اردو کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا اور اردو کے استاد مقرر کیے یہ وہ دور تھا جب اردو باقاعدہ طور پر پوری ریاست میں پھیل چکی تھی اسی اثناء میں ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ فوت ہو گیا اور مہاراجہ پرتاب سنگھ تخت نشین ہوا اسی عہد میں ۱۸۸۸ء میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوا اور بیسویں صدی شروع ہوتے ہوتے اس حکمنامے کا دائرہ کشمیر اور لداخ تک وسیع کر دیا گیا یہ وہ دور تھا جب نزدیکی ریاستوں کے اخبار جموں وکشمیر میں پڑھے جانے لگے تھے روشنی کی نئی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔اسی دوران مارچ ۱۸۸۹ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کے اختیارات دلی دربار نے چھین لیے اور وہ محض کٹ پتلی بن کر رہ گیا۔اس عہد میں غیر سرکاری تنظیموں کا چلن بھی شروع ہوا اس نے اردو ادب کے فروغ کی خاطر راہیں ہموار کیں۔ پرتاب سنگھ کی وفات کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں اردو کے فروغ کے لیے ۱۹۴۰ء میں سیدین کمیٹی کی سفارشات کو ریاست میں لاگو کر دیا گیا۔آزادی کے بعد ریاست میں ایک نئے عہد کا آغاز ہوا یہ وہ دور تھا جب سرکاری سطح پر اردو کو تسلیم کیا گیا اور اردو کو خصوصی درجہ حاصل ہوا اگرچہ انگریزی بھی اس کے ہم قدم رہی۔ ریاست میں محکمہ اطلاعات نے ''تعمیر'' کے نام سے ایک جریدہ ۱۹۵۶ء میں جاری کیا۔جموں کشمیر اکاڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز کا قیام ۱۹۵۸ء میں عمل لایا گیا اور ریڈیو کشمیر جموں اور ریڈیو کشمیر سرینگر کا قیام بھی اسی اثناء میں عمل میں آیا۔ بعدازاں شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی اور پھر شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم وتربیت کا باقاعدہ طور پر آغاز ہوا۔

---

[۱۶] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، جلد سوم، ص ۸۱

جموں وکشمیر میں اردو زبان کی آئینی حیثیت:

سرکار نمبر ۳....۱۹۴۵ء ستمبر:

چند عدالتی ہائی جوڈیشیل میں کاروائی مقدمات برزبانی اردو میں ہے۔ دیگران میں زبانِ فارسی اور یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ فارسی قلم وجموں کی زبان نہیں ہے اور نہ عایا علاقہ جموں اس کو سمجھ سکتی ہے۔ جب گواہان کے اظہار بذریعہ سوالات اردو لکھے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ایسی اظہارات کے لکھنے میں قریب قریب وہی کلام جو گواہ یا مدعی یا ملزم کی زبان سے نکلتا ہے لکھا جاوے۔ اس میں یہ بڑا فائدہ ہے کہ اظہار یا بیان مذکور آسانی سے، بعد قلمبند کرنے کے، اظہار دہندہ بتا سکتا ہے۔ فیصلہ عدالت یہی جہاں تک ممکن ہو زبان مروجہ ملک میں ہونا چاہیے تا کہ رعایا اس کے مضمون کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ علاوہ اس کے یہ ضروری ہے کہ کل عدالت ہائی کی کاروائی جو صدر عدالت جموں کے محتاط میں ایک ہی طریقہ پر ہو۔ نظر براں میں سفارش کرتا ہوں کہ بابت عدالت ہائی قلم مرو جموں کو اجازت دی جاوئے کہ کاروائی اردو میں ہوا کرے۔ نسبت کل مرو سرینگر کے احکام سابقہ میں مداخلت ممکن نہیں کیوں کہ وہاں اردو زبان کو نہیں سمجھتے اور فارسی کا رواج رہا ہے لہٰذا رپورٹ ہذا بہ مراد صدرور حکم ارسال ہے۔ سکریٹری کونسل کے پاس واسطے پیٹی کے بھیجی جاوے۔

پیشتر گاہ سرکار والا

منظور ہے

احکام باضابطہ جاری ہوں

۱۰ اپھاگن ۱۹۴۵ء ستمبر

عدالتی زبان بن جانے کے بعد اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے اگر چہ ڈوگرا عہد میں بھی قبول کیا گیا تھا مگر آزادی کے بعد ریاست کے آئین میں اسے خصوصی درجہ حاصل ہوا۔ ۱۹۵۶ء کا سال بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے جب یہاں کی قانون ساز اسمبلی نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت اردو کو باضابطہ طور پر سرکاری زبان کی حیثیت دے دی اور ریاست کا سارا سرکاری کام اسی زبان میں انجام دینے پر زور دیا گیا۔

دفعہ ۲۳:

ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان اردو ہوگی یہ ریاست کے الگ الگ علاقوں، خطوں میں رہنے

والے لوگوں کے لیے درمیانی رابطے کی زبان ہوگی۔ ریاست کی دوسری سرکاری زبانیں صرف ان مقاصد کے لیے برتی جائیں گی جن کو وقت بہ وقت مقرر کیا جائے گا۔ ان زبانوں میں کشمیری، ڈوگری، گوجری، پنجابی، ہندی، پہاڑی، بھدرواہی اور بلتستانی شامل ہوں گی۔

آرٹیکل ۱۴۵:

ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان اُردو ہوگی انگریزی زبان جب تک مجلس قانون ساز کوئی دوسرا حکم جاری نہیں کرتی اس طرح سے دفتری کام کاج کے لیے برتی جاتی رہے گی جیسے کہ وہ اس آئین کے نفاذ سے پہلے ہو رہی تھی۔

مندرجہ بالا حکمناموں کی رو سے ریاست میں اردو کو سرکاری برتری تو حاصل ہوگئی اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی ہوگیا مگر آج اردو اپنے ہی مقام سے ہٹادی گئی ہے آج عدالتوں میں زیادہ تر کام انگریزی میں ہو رہا ہے اور دفاتر کی زبان بھی انگریزی ہی مانی جاتی ہے۔ ہمیں اردو کو اس کا وہ مقام دینا چاہیے جو ریاست کے آئین میں اس زبان کو دیا گیا ہے۔

جہاں تک اردو شعر وادب کا تعلق ہے اہل کشمیر نے اس میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں حق تو یہ ہے کہ کشمیر کی خدمات کا ذکر کیے بغیر اردو ادب کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی کشمیر نے اردو ادب کو ئی ایسے عظیم المرتبہ شاعر اور ادیب دیئے ہیں جنھوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے اسے توانائی، وسعت اور جامعیت عطا کی ہے۔ دیا شنکر نسیم، تر بھون ناتھ سرشار، آغا حشر کاشمیری، چراغ حسن حسرت، ڈاکٹر اقبال، چکبست، علامہ کیفی اور دوسرے وہ ستارے ہیں جو افق کشمیر سے طلوع ہوئے اور پورے برصغیر کو منور کر گئے۔

2. ریاست جموں وکشمیر میں اردو شاعری:

زبانوں کی نشو ونما اور ارتقائی سفر میں شاعری بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور اسی اثاثہ پر زبانوں کے محل تعمیر کیے جاتے ہیں اردو زبان کی تاریخ کا اگر ہم بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ابتدائی آثار شاعری کی صورت میں ہی دستیاب ہوتے ہیں جو صوفیائے اکرام کی دین ہے۔ ریاست جموں وکشمیر میں بھی اردو زبان کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں بھی اردو کے ابتدائی آثار شاعری کی شکل میں ملتے ہیں کشمیر میں اردو کے ابتدائی نمونوں پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

> ''اردو کی قدامت کی کھوج لگانے والے محققین نے قدیم ترین آثار ترین آثار میں تلک کا تذکرہ خاص طور پر کیا ہے جو کشمیری تھا اور ایک نائی کا لڑکا تھا۔ تاریخ یہ ہے کہ مصنف کی سند پر اس نے قاضی حسن شیرازی کے پاس فارسی کی تکمیل کی تھی۔ وہ سنسکرت کو بھی بخوب جانتا تھا کشمیر میں اپنے حملے کے دوران محمود غزنوی اس سے واقف ہوا تھا اور اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا۔ یہاں وہ فارسی و ہندی کے ترجمے کی خدمات انجام دیتا تھا''۔ [17]

تاریخ بتاتی ہے کہ کشمیریوں نے ہمیشہ ہی بیرون ریاست رہ کر اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے اور اپنا لوہا منوایا ہے۔ وہ جس ملک میں گئے اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور ہر شعبہ زندگی میں انھوں نے ان مٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ مگر خود کشمیر میں یہ لوگ اس قدر ترقی نہیں کر پائے جس قدر ان میں صلاحیتیں موجود تھیں یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں اردو کے تحریری آثار ہمیں بہت بعد میں ملتے ہیں۔ عبدالقادر سروری اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اردو کے قدیم ترین تحریری آثار جو ہم کو کشمیر میں دستیاب ہوتے ہیں وہ سترہویں صدی کے اواخر سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ عموماً ریختہ کا انداز رکھتے ہیں

---

[17] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، جلد دوم، ص ۲۲

اس زمانے تک مغل فوجوں کا ربط کشمیر سے قائم ہو چکا تھا۔ سلطان یوسف شاہ
چک فارسی کا خوشگو شاعر تھا''۔ ۱۸

کشمیر میں اردو کی ابتدائی شعراء میں ظفر خان احسن بھی شامل تھا یہ ۱۶۳۳ء سے ۱۶۴۷ء تک دربار کشمیر کا ناظم رہا۔ اسی دور میں اردو میں لکھنے والوں میں ملاح محمد فانی بھی تھا یہ وہ عہد تھا جب فارسی شاعری کی زبان تھی اور اردو میں محض تفریح طبع کی خاطر ہی شعر کہے جا رہے تھے مرزا دبیر جو غنی کشمیری کے معاصر تھے فارسی میں شاعری کرتے تھے مگر کبھی کبھی اردو شعر بھی کہتے تھے۔

کشمیر میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز میر کمال الدین حسین اندرابی رسوا سے ہوتا ہے۔ اس بارے میں عبدالقادر سروری رقمطراز ہیں:

''میر کمال الدین حسین اندرابی رسوا کشمیر میں اردو کے ترقی یافتہ دور کا آغاز ہوتا ہے۔ رسوا اورنگ زیب کے آخری عہد کے کشمیری انشاء پردازوں اور شاعروں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ وہ کم و بیش شمالی ہند کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں جعفری زٹلی، افضل، فضلی کے معاصر تھے''۔ ۱۹

افغان عہد حکومت میں کشمیری پنڈت شعراء کی بڑی دھوم تھی۔ پنڈت دیا رام کا چرو خوشدل بھی پنڈت برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ۱۷۴۴ء میں سرینگر میں پیدا ہوئے۔ اور شاعری میں زبردست نام پیدا کیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

خود فنا ہو کے ذات سوں ملنا
یہ تماشا حباب میں دیکھا
آپ کوں سوز اور کوں لذت
یہ صفت کوں کباب میں دیکھا

خوشدل کے بعد شعراء میں ساقی ریاست میں ابتدائی اردو شاعری میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کا اصلی مطالعہ اگرچہ فارسی میں تھا مگر ان کے اردو اشعار آسان اور میٹھی زبان میں ملتے ہیں۔

---

۱۸ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، جلد دوم، ص ۳۳
۱۹ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۴۸

افسوس کے اغیار ہوئے یار تمہار
غماز بنے محرم اسرار تمہارے
مرغان قفس دن کو تڑپ لیتے ہیں لیکن
دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمہارے
ہم گھر میں تمہارے کہو کس راہ سے پہنچیں
دشمن ہیں ہمارے درودیوار تمہارے

اس کے بعد سکھوں کے دور حکومت میں ریاست میں زبردست افراتفری اور ظلم و جبر کا دور دورہ ہوا۔ اس عہد میں جن شعراء اکرام کو شہرت حاصل ہوئی ان میں مہتاب رائے تائب، گنگا داس تسکین، اجودھیا پرساد حیرت اور غلام ناصر چراغ کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے شعراء کی ایک خاصی تعداد سامنے آئی اور وہ برابر شعر گوئی میں مصروف رہے ان میں کشن لال حسیب، کشن سیمل پوری، ہدایت اللہ فوق، قیصر شیروانی، رسا جاودانی، نرگس داس نرگس، میکیش کشمیری، غلام رسول تنہا، دیناناتھ مست، عشرت کاشمیری، تنہا انصاری، منوہر لال دل، اللہ رکھا ساغر، کیفی اسرائیلی، مولانا چراغ حسن حسرت، دیاناتھ رفیق، نندلال کول طالب، شہ زور کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، مرزا کمال الدین شیدا، غ۔م۔ طاؤس، شیخ غلام علی، بلبل کشمیری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان شعراء کے علاوہ وہ ریاست کے کئی اور شعراء برابر اپنے خیالات اور محسوسات کو اردو کا جامہ پہناتے رہے اور ان کا تخلیقی سفر برابر جاری رہا۔ ان میں قیصر قلندر، شوریدہ کاشمیری، سیفی سوپوری، عرش صہبائی، عابد منوری، قاضی غلام احمد، نشاط انصاری، ویدارتن عاسی اور رہبر جدید قابل ذکر ہیں۔ قیصر قلندر بنیادی طور پر رومانی ذہن رکھتے تھے اور ان کے یہاں خواب افسردگی اور آرزومندی کے احساسات ملتے ہیں ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو

جب درد کی شمعیں جلتی ہیں احساس کے نازک سینہ میں
ایک حسن سا شامل رہتا ہے پھر تنہا تنہا جینے میں

مندرجہ بالا شعراء کا عہد اردو میں سنہری حرفوں سے تحریر کیا جانے والا عہد تھا یہ وہ دور تھا جب ریاست میں اردو کو اس کا مقام و مرتبہ ملا اور رابطہ زبان کہلائی۔ اس دور میں جموں و کشمیر میں کل ہند سطح کے اردو مشاعرے منعقد ہونے لگے۔

نیم سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں اردو کے فروغ کی خاطر آگے آئیں۔ اُردو صحافت کی ریاست میں باقاعدہ ابتداء ہوئی اور اردو ادیبوں شاعروں اور قلمکاروں کی تصنیفات ان اخباروں کی زینت بننے لگیں اس عہد پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری رقمطراز ہیں:

''مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اردو علمی، ادبی اور افادی اہمیت کے مدنظر اُسے ذریعہ تعلیم اور ادبی اظہار کا موقف حاصل ہو چکا تھا اور یہ دفتروں، عدالتوں اور دربار کی زبان بن گئی تھی اس زمانے میں کشمیری ادیبوں کے بیرونی ریاست کے ادیبوں سے روابط بڑھنے لگے اور بعض چوٹی کے ادیب کشمیر میں آنے جانے لگے''۔ [۲۰]

اردو کو ریاست میں سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی ہیں اس کی ترقی کے لیے راستے ہموار ہونے لگے اور مختلف تحریکوں کے ساتھ اردو کی شناسائی ہونے لگی۔ ترقی پسند تحریک نے جموں و کشمیر میں بھی اپنا رنگ جمایا اور اس کے جلسہ ریاست کے مختلف حصوں میں ہونے لگے یہ ادباء اور شعراء ایک نئی صبح کی تلاش میں تھے۔ اور سماج کو ایک آئیڈل سماج بنانا چاہتے تھے جہاں ہر آدمی برابر ہو کسی گورے کو کسی کالے پر سبقت حاصل نہ ہو ایک آزاد اور جمہوری سماج کی تلاش میں چلنے والے اس قافلہ نے ہمیشہ عوام کے دکھ درد کی باتیں کی ہیں۔ عام آدمی کے درد کو ٹٹولا اور اسے بیان کیا۔ سماج کا ٹوٹا پھوٹا اور انسانی قدروں کی تذلیل کا نقشہ پیش کیا اور ان حقائق سے پردہ اُٹھایا جو چھپے ہوئے تھے اس بارے میں ڈاکٹر حامدی کاشمیری یوں رقمطراز ہیں:

''۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک اردو شاعری ایک نئے موڑ پر آئی یہ زمانہ تھا جب ملکی سطح پر شعراء اور ادباء کے ذہنی رویوں میں انقلاب خیز تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ نئے شعراء تقسیم وطن کے مروجہ شعری رجحانات مثلاً فطرت نگاری، انقلابیت، وطنیت، اقبال پسندی، خارجیت اور مقصدیت سے انحراف کر کے داخلیت پسندی، درد بینی اوع علامت نگاری کی جانب راغب ہوئے۔ کشمیر میں اس زمانے میں شعراء کی ایک نئی نسل سامنے آ چکی تھی نئی شعراء نے ریاستی

---

[۲۰] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، جلد دوم، ص ۱۲۳

حالات و واقعات سے متاثر ہو کر اور پھر ملکی اور بین الاقوامی سطحوں پر رونما ہونے والے افکار و واقعات سے گہرا تاثر قبول کیا اور وہ ایک نئے تناظر میں شخصی، ملکی اور انسانی مسائل کو دیکھنے لگے''۔ ۲۱

۱۹۴۷ء کے بعد جس دور کا آغاز ہوتا ہے وہ ایک نیا دور تھا۔ اردو زبان کی پذیرائی سرکاری سطح پر بھی ہونے لگی اور غیر سرکاری سطح پر بھی اس کا آغاز ہو چکا تھا اس دوران ۱۹۵۶ء میں ''تعمیر'' رسالہ کا اجراء ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں جموں اینڈ کشمیر اکاڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز کا قیام ہو چکا تھا۔ ریاست میں ریڈیو کی نشریات کا آغاز اور پریس بھی عام ہو گیا تھا، اخبار بھی نکلنے لگے تھے ان کے علاوہ بہت سارے ایسے ادارے جو غیر سرکاری تھے اردو کے فروغ کے لیے کام کر رہے تھے۔ تقسیم وطن کے بعد جن شعراء نے شاعری میں اپنا مقام بنایا ان کے اسم گرامی یوں ہیں۔ اندر جیت شرما، غلام جیلانی اسد، غلام رسول آزاد، حکیم دوارکا ناتھ حاضق، غلام مصطفیٰ، عشرت کشتواڑی، عبدالرحمٰن قمر، غلام احمد قصل، شہ زور کاشمیری، طاؤس بانہالی، غلام احمد میر، ثناء اللہ عاجز، شیخ غلام علی بلبل، غلام رسول کامگار کاشمیری، تنہا انصاری، غلام احمد فاضل کاشمیری، عبدالحق برق، سید اکبر ہاشمی، سیف الدین سیفی سوپوری، محمد امین کامل، رحمٰن راہی، شوریدہ کاشمیری، دیاناتھ رفیق، عرشی صہبائی، تسلیم کاشمیری، بشارت سلیم، ڈاکٹر سرون ناتھ آفتاب، قیصر قلندر، اکبر بے پوری، فاروق نازکی، منظور ہاشمی، حامدی کاشمیری، ہر بھگوان شاد، مرغوب بانہالی، سلطان الحق شہید، فرحت گیلانی، ہمدم کاشمیری، مسعود حسن مسعود، قاضی غلام احمد، عابد منوری، رہبر پونشی، راج کمال، ودیا رتن عاسی، شہباز راجوروی، مرزا محمد یسین بیگ، ظہور الدین ظہور، پروفیسر خورشید، ڈاکٹر نصرت چودھری، یوسف ریشی، نشاط کشتواڑی، پرتپال سنگھ بے تاب، فاروق مضطر، شیخ خالد کرار شام طالب، شفق سوپوری، فرید پربتی، لیاقت جعفری، پرویز مانوس، رخسانہ جبین، رفیق راز، علمدار حسین شاہ، دلیپ کمار، ندیم حسن اور دوسرے شعراء شامل ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر کے یہ وہ شعراء ہیں جو آج بھی ریاست میں اردو شاعری کی نشو ونما کو فروغ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور ان کے علاوہ نئے شعراء کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر رہے ہیں۔

---

۲۱ حامد کشمیری، ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب، ص ۷۶

3. ریاست جموں وکشمیر میں اُردو نثر:

ریاست میں قدیم نثر کا اردو نمونہ ہرگوپال خستہ کی ''گلدستہ کشمیر'' ہے اس سے پہلے بھی کئی رسالے، فرامین، اشتہارات اور تراجم اردو میں لکھے گئے ہیں لیکن لسانی اعتبار سے ان کی اہمیت مسلم ہے ادبی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں بعض چیزیں مثلاً حسن بن علی کی ''واقعات کشمیر'' (۱۸۸۶) جوان کی ڈائری ہے ابھی مسودہ کی شکل میں ہے۔ البتہ ہرگوپال خستہ کی ''گلزار فوائد'' کی ادبی اہمیت ہے یہ ایک قصہ ہے جو ڈپٹی نذیر احمد کے مارۃ العروس کے اتبع میں لکھا گیا ہے اس کتاب میں زبان کی سادگی بھی ملتی ہے اور عبارت مقفیٰ و مسجع بھی ہرگوپال خستہ کے بھائی سالک رام کول سالکؔ اپنا اخبار ''خیر خواہ کشمیر'' جاری کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے اخباروں کے لیے بھی نثری مضامین لکھتے رہے۔ ان کی دو کتابیں ''لغات اردو'' اور ''محاورات اردو'' قابل ذکر ہیں۔ سالک نے ایک قصہ بعنوان ''داستان جگت روپ'' لکھا ہے لیکن وہ اشاعت پذیر نہیں ہوا ہے۔ بقول ڈاکٹر حامدی کاشمیری:

> ''موجودہ صدی کے آغاز میں ریاست میں ادبی ماحول قائم ہو گیا تھا منشی سراج الدین خان نے مفرا ہم قلوب قائم کر کے اور اس کے زیر اہتمام مشاعرے قائم کر کے شعراء کو اردو میں لکھنے کی ترغیب دی گئی سر برآوردہ شعراء یہاں آتے رہے اور ریاست کے ادب دوست حضرات ان کے کلام سے محظوظ ہوتے تھے جموں میں بھی اردو اخبار جو لاہور سے چھپتے تھے کی آمد سے ادبی ہلچل پیدا ہوئی تھی اور اردو کا پہلا اخبار کشمیر میں ''رنبیر'' جاری ہو چکا تھا''۔ ۲۲

۱۹۲۴ء میں لالہ ملک راج صراف نے اردو کا پہلا اخبار جاری کیا اس دور میں ادبی افق پر منشی محمد دین فوق ایک تابناک ستارے کی طرح نمودار ہوئے وہ صاحب کمال اہل قلم تھے وہ مورخ، صحافی، شاعر اور نثر نگار تھے اردو نثر کی ابتدائی کتابوں میں محمد دین فوق کی وہ تاریخیں بھی شامل ہیں جو اس نے لکھی ہیں ان میں ''تاریخ کشمیر''، ''تاریخ پونچھ'' اور ''تاریخ بڈشاہی'' وغیرہ شامل ہیں۔

---

۲۲ حامد کشمیری، ریاست جموں کشمیر میں اردو ادب، ص ۷۹

انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ریاست میں افسانہ نگاری کی روایت بھی زندہ ہوئی اس عہد میں لکھے جانے والے افسانے قدیم داستانوں، لوک کہانیوں سے زیادہ متاثر دکھائی دیتے ہیں اردو کے اولین افسانہ نگاروں پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری رقمطراز ہیں:

''افسانہ نگاری میں سب سے عظیم نام جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ پنڈت پریم ناتھ پردیسی کا ہے...... وہ بڑی رنگارنگ شخصیت کے مالک تھے انھوں نے کئی غزلیں بھی کہیں اور غزلوں سے جی اکتا تو فوجی انداز کے ترانے بھی لکھے''۔ ۲۳

ان کے افسانے ''ہمدرد'' اور ''مارتنڈ'' وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے تھے بعد ازاں ان کے تین مجموعے ''شام وسحر'' ''ہماری دنیا'' ''بجھتے ہوئے چراغ'' کے نام سے شائع ہوئے جب کہ ان کے تین دوسرے افسانوی مجموعوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو شائع نہیں ہو سکے تھے۔ پردیسی کے بعد جس افسانہ نگار کا ذکر ملتا ہے اس کا نام تیرتھ کاشمیری ہے۔ اس کے افسانوں میں ''میلاپ'' ''بکھان'' ''جواب اور گناہ'' وغیرہ عوامی داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

تقسیم وطن کے سانحہ اور اس کے بعد اس سانحہ کے اردو ادب پر پڑھنے والے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر بروج پریمی لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء میں ہماری ریاست سیاسی اعتبار سے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی اس کا اثر لازمی طور پر یہاں کے سماجی، ثقافتی اور ادبی زندگی پر پڑا۔ نئے تقاضوں کے پیش نظر قومی فرنٹ کی بنیاد پڑی اور گوشہ نشینی میں پڑے ہوئے ہمارے فنکار بھی میدان میں کود پڑے۔ کلچر فرنٹ کی بنیادوں پر کلچر کانگریس کی عمارت کھڑی ہوئی اور ہماری ثقافتی اور ادبی زندگی کا احیاءِ نو ہوتا ہے''۔ ۲۴

اس عہد میں اردو افسانے نے جن موضوعات کو اپنے اظہار میں سمیٹا اُن میں سماجی شکست و افراتفری، سیاسی اتھل پتھل، جدید ٹکنالوجی اور انسانی قدریں، دیہاتی اور شہری زندگی مشترکہ اور نیوکلر خاندان، دنیا کا ایک گاؤں کی صورت میں ابھرنا وغیرہ شامل ہیں۔ افسانے کی روایت ریاست جموں وکشمیر

---

۲۳ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، ص ۱۰۴

۲۴ ڈاکٹر برج پریمی، جموں وکشمیر میں اردو ادب کی نشوونما، ص ۲۳-۳۳

میں تقسیم کے بعد کافی مضبوط ہو چکی تھی چنانچہ آئندہ نسلوں میں اس روایت کے ساتھ جڑنے والوں میں علی محمد لون، اختر محی الدین، ویدراہی، پشکر ناتھ، حامدی کاشمیری، رام کمار ابرول، برتج پریمی، مالک رام آنند، نور شاہ، مدن موہن شرما، اومیش کول اور مخمور بدخشی شامل تھے۔ ریاست جموں وکشمیر میں جدید افسانے پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر نصر چودھری لکھتی ہیں:

''ہمارے ہاں نے افسانے کے خدوخال صحیح معنوں میں ۱۹۷۰ء کے بعد ابھرتے ہیں ساتویں دہائی میں معاصرین کے ساتھ چند نوجوان افسانہ نگار بھی سامنے آئے جنھوں نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تغیرات اور رجحانات کا گہرا اثر قبول کیا''۔ ۲۵

جدید اور مابعد جدید دور میں ریاست میں تحریر ہونے والے افسانوں میں موضوعاتی تنوع پیدا ہوا۔ اس میں علامتوں، اشاروں اور کنایوں کے ذریعہ بعض ایسے مضامین بھی بیان ہوئے ہیں جو محض پوشیدہ رکھنے سے ہی متعلق تھے یا جن کا اظہار اب تک ممکن نہ تھا یہ درحقیقت قدیم روایت سے انحراف تھا۔ اس عہد میں لکھنے والوں نے اپنے اظہار کے لیے وسیلے ایجاد کیے۔ وہ فکر وفلسفے اور بشریات کے احیاءنو کی باتیں کرنے لگیں۔ اس عہد میں لکھنے والوں میں آنند لہر، سومناتھ ڈوگرا، مسعود سامو، فاروق ریزو، ظہور الدین، کے ڈی منی، خالد حسین، عبدالرشید فراق، یسین فردوسی، مشتاق عہدی اور حمید اللہ بٹ کے نام لیے جاسکتے ہیں اس کے بعد آنے والی پود نے بھی افسانے کی جانب توجہ کی اس میں محمد اسلم مرزا، اقبال شال، شیخ ذاکر کرار، پرویز مانوس وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

جموں وکشمیر میں اردو ناول کے ارتقاء سفر کے حوالہ سے اگر دیکھا جائے تو ریاست کا اولین ناول نگار محمد دین فوق تھے۔ مگر کچھ ایک ناقدین کا ماننا ہے سالک رام سالک ہی ''داستان جگت رو'' اور ''تحفہ سالک'' ریاست میں اردو کے اولین ناول ہیں۔ جب کہ محمد دین فوق نے اپنے نثری کارناموں میں جو قصے نما ناول تحریر کیے ہیں وہ درحقیقت ناول ہی کا ایک روپ ہیں جب کہ ۱۹۲۲ء میں موہن لال مرد کا ناول ''داستان محبت'' شائع ہوا اسی دوران پوتی نام سے پریم ناتھ پردیسی کا ناول لاہور سے شائع ہوا۔ تقسیم وطن کے بعد اردو ناول نگاری میں بھی نکھار آیا اس عہد میں نرسنگ داس نرگس نے ''نرملا'' اور ''یارنبی'' نام سے ناول لکھے

---

۲۵ نصرت چودھری، شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۹۶ء، جموں وکشمیر اکاڈمی، ص ۲۳

جب کہ کاشی ناتھ نے ''گری شنکر'' نام سے ایک ناول تحریر کیا۔ ان پچاس سالہ اردو ناولوں کے سفر پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر عبدالقادر سروری یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''مالک رام آنند کا پہلا ناول ''نئے خدا'' ۱۹۵۸ء میں مرتب ہوا اس کے بعد دوسرے سال ایک اور ناول ''دہکتے پھول شبنم آنکھیں'' شائع ہوا ادوا ور ناول ''صلیب'' اور ''دیوتا'' اور ''اپنے وطن میں اجنبی'' شائع ہوئے''۔ [۲۶]

مالک رام آنند چونکہ تقسیم وطن کے شکار ہوئے تھے اس لیے ان کے ناولوں میں اپنے آبائی وطن سے جدائی کا درد، نئے لوگوں کے ساتھ روابط، اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا جادو سر چڑھ کر بولتا دکھائی دیتا ہے۔ اس دور میں ڈوگرا زبان کے نام ور ادیب اور ڈرامہ نگار پروفیسر مدن موہن شرما نے دو اردو ناول لکھے ان میں ایک ''ایک منزل چار راستے'' اور ''پیار سے کنارے'' شامل ہیں یہی وہ دَور رہا جب برتج کتیال کا مشہور ناول ''چراغ بجھنے سے پہلے'' شائع ہوا ان ناول نگاروں کے علاوہ علی محمد لون نے ''شاید'' ''تیری آرزو'' حامدی کاشمیری نے ''بہاروں کے شعلے'' ''بلندیوں کے خواب'' ''اجنبی راستے'' ''پگھلتے خواب'' جیسے ناول تحریر کیے۔ نور شاہ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں مگر انھوں نے دو ناول بھی لکھے ان میں سے ایک ''پائل کے زخم'' اور ''نیلی جھیل'' شامل ہیں ان کے علاوہ رشید پروین نے دو ناول ''دل اور دیا'' اور ''پیاسی پائل'' تحریر کیے جب کہ عمر مجید کے ناول ''درد کا دریا'' اور ''یہ بستی یہ لوگ'' بھی کافی مقبول ہوئے ان کے علاوہ بھی کچھ ناول نگار ہیں جنھوں نے اپنی ناول کے اندر دل بہلانے والے اور حیرت ناک ناولیں تحریر کی ہیں۔

افسانہ نگاری اور ناول نگاری کے علاوہ اس عہد میں تنقید و تحقیق کی جانب بھی توجہ دی گئی اس میدان میں محمد نور الٰہی نے ۱۹۲۴ء میں ''ناٹک ساگر'' شائع کی یہ اردو میں ڈرامہ نگاری پر پہلی کتاب ہے جو لاہور سے شائع ہوئی محمد عمر اور نور الٰہی جموں کے تھے ڈرامہ اور اس کے اسٹیج سے گہری دلچسپی رکھتے تھے ان کی کتاب ''ناٹک ساگر'' نے ڈرامائی دنیا میں ہلچل مچا دی۔ اس کتاب میں جو اسلوب نگارش ہے وہ صاف سیدھا اور عام فہم ہے محمد عمر نے ایک اور کتاب ''ناٹک کتھا'' بھی لکھی ہے اس میں قدیم ہندوستانی ڈرامے جمع کیے گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ ریاست جموں و کشمیر میں اردو شعر و ادب کا ارتقائی سفر نہایت دلچسپ اور ریاست کی ہمہ گیر پہلو،

---

[۲۶] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، حصہ سوم، ص ۳۴۲

ثقافتی، سماجی اور سیاسی شناخت کا نقشہ بھی پیش کرتا ہے وہ چاہے مضمون نگاری ہو یا افسانہ نگاری یا ناول نگاری یا شعری مجموعے ہماری ریاست کے ادیبوں نے ہر محاذ پر اپنا لوہا منوایا اور ہر تحریک کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور عناصر بھی ہیں جو نے ریاست جموں و کشمیر میں اردو شعر و ادب کو فروغ دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے اس کے علاوہ اُردو کے کُچھ علمی و ادبی ادارے ہیں جن کے نام ذیل میں درج کیے گئے ہیں:

(۱) محکمہ اطلاعات

(۲) ریڈیو کشمیر

(۳) جموں اینڈ کشمیر اکاڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز

(۴) شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی اور شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی

(۵) ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی

(۶) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

(۷) اردو اکاڈمی

اور ان کے علاوہ جو غیر سرکاری ادارے آج بھی اردو کے لیے کام کر رہے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) انجمن فروغ اردو جموں

(۲) رسا جاودانی میموریل لٹریچر سوسائٹی

(۳) آل انڈیا ہندی اردو سنگم

(۴) بزم سخن پونچھ

(۵) بزم ادبِ راجوری

(۶) ادبی گنج جموں

(۷) کشمیر رائٹرس اسوسی ایشن سرینگر

(۸) رائٹرس فورم سرینگر

(۹) اقبال بزم ادب ڈوڈہ

(۱۰) اردو چیر ٹیبل ٹرئبل ریسرچ اینڈ کلچر فاؤنڈیشن

(۱۱) بزم حسرت پونچھ

(۱۲) کرشن چندر کلب پونچھ

(۱۳) بزم اردو شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی جموں

(۱۴) کرشن چندر میموریل بزم ادب سرنکوٹ پونچھ

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے طول وعرض میں اردو زبان رابطہ کی زبان بن چکی تھی ساتھ ہی اس نے ترویج واشاعت کی منزلیں طے کرلی ہیں اور اس کے ایک مکمل شعری وادبی روایت کی داغ بیل پڑ چکی ہے اور کشمیر کے اردو شعراء وادیب ملک کے مختلف ادبی پرچوں میں کثرت سے لکھ رہے ہیں۔ ادبی انجمن سازی اور ان انجمنوں کے زیر اہتمام نظم ونثر کا فروغ شروع ہو چکا ہے مگر اردو زبان کو جو مرتبہ ملنا چاہیے وہ مل نہیں پا رہا ہے۔ بس اس شعر پر اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں کہ ؎

ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے
شاید کہیں کوئی بستی جل رہی ہے

باب۔سوم

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا تعارف، اغراض و مقاصد اور استحکام

ذیلی ابواب:

1. جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف
2. جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کے اغراض و مقاصد
3. جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کے قواعد و ضوابط

1. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف:

وادیٔ کشمیر عہد قدیم سے علم وادب، فکر وفلسفہ اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہی ہے۔ اس خطہ ارض نے صدیوں سے اپنے کارناموں کے جوہر سے ساری دنیا کو قائل کیا ہے۔ یہ کارنامے ایسے ہیں جن کی باعث یہاں کی رعنائیوں میں کئی رنگوں کا اضافہ ہوا ہے۔ علم وادب، فنونِ لطیفہ، گیان وعرفان ایسا کون سا شعبہ ہے جہاں اس خطہ ارض نے اپنا چراغ روشن نہ کیا ہو۔ سنسکرت اور فارسی ادبیات کے بعد جس زبان نے کشمیریوں کو اپنا گرویدہ بنالیا وہ اُردو زبان ہے۔ اردو نے اگرچہ اس ریاست سے بہت دور جنم پایا ہے۔ لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی اور اپنے تخلیقی ذہن کی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اس زبان اور اس کے ادب کی توسیع میں اہم رول ادا کیا۔

جموں وکشمیر کے تہذیبی حسن کو سنوارنے اور نکھارنے میں جہاں عوامی محبت اور حکومت کی سرپرستی رہی ہے۔ وہیں اس میں اردو زبان وادب کی مٹھاس، لطافت اور حلاوت کا ہاتھ بھی کچھ کم نہیں۔ اس ریاست میں اردو کی عمر ڈیڑھ سو سال یا اسے کچھ زیادہ ہوگی۔ مگر اس کو فارسی کی صدیوں پر پھیلی جو روایت ملی اُس نے اس کے ارتقاء اور اس کی ہر دلعزیزی میں تیزی اور درخشانی پیدا کی اور آج بھی کئی پہلوؤں سے ہندوستان کے اکثر حصوں کے مقابلے میں جموں وکشمیر میں زیادہ تحقیق اور تخلیق کے ذریعے اردو زبان وادب کی خدمات انجام دی جارہی ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر جو تقسیم وطن کے بعد تیزی سے اردو زبان وادب کے ایک مرکز کے طور پر ابھر رہا تھا۔ اب بیسویں صدی کے ختم ہونے پر اور اکیسویں صدی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد اردو زبان وادب کا ایک باضابطہ مرکز بن چکا ہے اور اس کی مرکزی حیثیت پوری دنیا میں تسلیم کی جارہی ہے۔ یہ مرکزی حیثیت ریاست میں کئی اسباب پر منحصر ہے۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ تقسیم وطن کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں خاص کر لکھنؤ اور دہلی میں اردو کی تاریخی مراکز کی اہمیت کو کم ہونے یا اس سے کالعدم ہونے کے بعد ریاست جموں وکشمیر ہی واحد ریاست ہے جہاں ۱۹۵۶ء میں جموں وکشمیر آئین ساز اسمبلی نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت اُردو کو ریاست کی سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا۔ اس طرح اس زبان کو ریاست میں سرکاری زبان کا درجہ

حاصل ہے۔ساتھ ہی اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر اسے ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔ذریعہ تعلیم کے طور پر مؤثر اور مقبول بنانے کے لیے پرائمری سے دسویں تک اور پھر کالجوں میں نئے نصابات ترتیب دیے گئے۔سرکاری سرپرستی کے سبب اردو کو ریاست کے تینوں خطوں، کشمیر، جموں اور لداخ کے مابین ثقافتی رشتوں کو مستحکم کرنے اور اظہار وابلاغ کو ممکن بنانے کے لیے اس سے رابطے کے طور پر بھی استعمال کیا جانے لگا اور ملک کے دوسرے حصوں کے درمیان بھی رابطے کی زبان بنی۔یہ رابطے صرف لسانی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ یہ تہذیبی لین دین، فکری مذہبی، سیاسی اور ادبی فکر کی باہمی منتقلی کا وسیلہ بھی ہیں۔اس وسیلے کو آگے بڑھانے میں ادبی اور ثقافتی وتمدنی اداروں نے اہم رول ادا کیا۔ان ہی تمدنی، ادبی اداروں میں جموں کشمیر کلچرل اکیڈمی بھی ایک ہے۔

ریاست میں اردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے ریاستی کلچرل اکیڈمی نے جو رول ادا کیا ہے۔ اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔جب کبھی بھی ریاست میں اردو زبان وادب کی تاریخ لکھی جائے گی، کلچرل اکیڈمی کی گراں قدر خدمات کو بھی سراہا جائے گا کہ ریاست میں اردو کی مخصوص پوزیشن، مرتبہ اور تشخص کو متعین کرنے میں اکیڈمی کی کارکردگی قابل ستائش رہی ہے۔اردو تحقیق وتنقید اور تخلیق کی ترویج واشاعت میں ریاستی کلچرل اکیڈمی کا نام سنہری حروف میں لکھے جانے کا مستحق ہے اِس بلند پایہ علمی وادبی ادارے نے اپنے قیام کے بعد اردو ادب کے لیے تاریخ ساز کام کیے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ہندوستان اور پاکستان۔ہماری ریاست بھی دو حصوں میں تقسیم ہوئی ایک پاکستان کے ساتھ مل گیا اور دوسرا حصہ ہندوستان سے منسلک رہا۔ہندوستانی کشمیر میں پہلی عوامی حکومت شیخ محمد عبداللّٰہ کی سربراہی میں بنی۔ڈاکٹر کرن سنگھ جو مہاراجہ ہری سنگھ کے ولی عہد تھے، صدرِ ریاست مقرر ہوئے۔ان کو ڈوگری زبان کے شعر وادب سے خاص لگاؤ تھا نیز وہ شعر وادب کے گلستان کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے جس کے لیے ڈاکٹر کرن سنگھ نے کشمیریوں کی اُمنگوں یعنی ''نیا کشمیر'' کے تحت جموں وکشمیر کا آئین مرتب کیا۔جموں وکشمیر کے آئین کے مطابق:

دفعہ:۱۴۵

ریاست کی سرکاری زبانیں:

’’ریاست کی سرکاری زبان اردو ہوگی لیکن تاوقت یہ کہ قانون ساز یہ قانون کے ذریعہ بنوع دیگر انتظام نہ کرے، انگریزی زبان کا استعمال ان تمام سرکاری اغراض کے لیے جاری رہے گا جن کے لیے یہ آئین کے آغاز سے فوراً قبل استعمال کی جارہی تھی‘‘۔

دفعہ:۱۴۶

فنون کلچر اور زبانوں کی ترقی کے لیے اکادمی:

’’آئین ہذا کے آغاز کے بعد جتنا جلد ممکن ہو سکے صدرِ ریاست فنون کلچر اور زبانوں کی ایک اکادمی قائم کرے گا۔ جہاں ریاست کے فنون اور کلچر کی ترقی اور ہندی، اردو اور ریاست کی دوسری علاقائی زبانوں جن کی تصریح چھٹے شیڈول میں کی گئی ہے کی ترقی کے لیے مواقع میسر کیے جائیں گے‘‘۔[1]

’’آئین‘‘ مرتب کرنے کے وقت ’’نیا کشمیر‘‘ کے اہم پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر تمام زبانوں اور فنونِ لطیفہ کے لیے ایک ادارے کے قیام کرنے پر زور دیا گیا لیکن ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک اس ادارے کے قیام کرنے کی طرف کوئی دھیان تک نہیں دیا گیا۔ بعد میں ۱۹۵۸ء میں اس وقت کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے کلچرل اکادمی کی سنگ بنیاد ڈال ہی دی۔ اس طرح سے اس ’’آئین‘‘ کے تحت یہاں کے تہذیبی اور تمدنی ورثے کو مخصوص رکھنے کے لیے کلچرل اکادمی کا قیام عمل میں آیا۔ اکادمی سے منسلک افراد نے جموں وکشمیر کے تہذیبی حُسن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے کمرِ ہمت باندھ کر تمام شخصیتوں کو تلاش کرنے کی مہم شروع کردی۔ گلے سڑے مسودے کھنگالے گئے۔ ان کے قدر و قیمت کو سمجھا گیا۔ اور ’’شیرازہ، ہمارا ادب، اور دوسری مطبوعات کے ذریعے اردو ادب اور شعر وشاعری کی ضیا ہر پہلو سے اُجاگر ہونے لگی دوسرے دبستانوں کی طر ’’دبستانِ کشمیر‘‘ اکادمی کی صورت میں معرضِ وجود میں آگیا۔ چونکہ اردو زبان کی سرگرمیوں

---

[1] ’’آئین جموں وکشمیر‘‘ دفعہ ۱۴۶۔۱۴۵ مرتبہ حکومتِ جموں وکشمیر

میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس لیے یہ زبان لوگوں کی پہچان بن گئی۔تاریخی اعتبار سے جب ہم دیکھتے ہیں توسیاسی انتشاراور ظالم حکمرانوں نے ہر سطح پر ظلم ڈھائے۔جس کی وجہ سے یہاں دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان بھی پنپنے سے محروم رہ گئی۔لیکن اردو زبان اپنا اثر دکھلاتی گئی۔یہاں کے علماءاور شعراءاگر چہ کشمیری زبان سے کافی لگاؤ رکھتے تھے پھر بھی انھوں نے اردو زبان کو اپنی بھر پور صلاحیتوں سے مالا مال کر دیا:

> ''کشمیری زبان و ادب کی تاریخ بعض خصوصیات کی وجہ سے اردو زبان سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔جس طرح اردو زبان برصغیر میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے۔کشمیری زبان بھی برصغیر کے شمالی علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کا مجموعہ کہلاتی ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو اور کشمیری زبان کے آپس میں لسانی وثقافتی روابط بڑے مستحکم ہیں''۔ ۲؎

ظاہر سی بات ہے کہ لسانی وثقافتی رشتہ ہونے کی وجہ سے کشمیری ادیبوں نے ہمیشہ اردوادب کے شانہ بشانہ کام کیا۔اوراردوزبان میں نہ صرف اظہار خیال کو ترجیح دی بلکہ اردو زبان کی حیثیت کو بھی زینت بخشی۔ اس بات سے انکار کرنا اردو کے وجود سے انکار ہے کہ کشمیری ادباءوشعراءنے اردو زبان وادب کو نکھارنے میں بہترین کردار ادا کیا۔جموں وکشمیر میں یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آج اردو کو اپنے ادبی اظہار کے لیے الگ اسالیب مہیا ہیں اور علمی اظہار کے لیے بھی الگ الگ انداز بیان موجود ہیں۔یعنی مختلف ادبی اصطلاحات پر لکھنے والے موجود ہیں۔دفتروں اور کاروباری اداروں میں اس کی اپنی خصوصیت ہے۔اور عدالتی تشریحات اور قانونی موشگافیوں کی راہیں بھی اس پر عیاں ہیں۔اردو کی صحافتی زبان بھی اپنا مقام حاصل کر چکی ہےاور سائنسی،تکنیکی راہیں بھی استوار ہورہی ہیں۔اگر چہ کہ کچھ مقامی لوگ اردو کی مخالفت بھی کرتے نظر آتے ہیں پھر بھی ان تمام باتوں کا سہرا یہاں کے کشمیری دانشوروں،ادباءاور شعراءکو حاصل ہے۔

کشمیر میں مختلف ادوار میں مختلف زبانوں سے وابستہ حکمران تخت نشین ہوئے ہیں۔مختلف زمانوں میں زبان کا عمل بھی مختلف ہونا ایک لازمی بات ہے۔مختلف ادوار کا سرمایۂ ادب ایک بیش قیمت ہیروں کی کان ہے۔جس سے یہاں کی ذرخیز علم وادب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ہر ملک کا سرمایۂ علم اُس کی تہذیب کا آئینہ

۲؎ اخبار اردو(لاہور پاکستان)مقالہ نگار ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری،کشمیری اور اردو کے لسانی وثقافتی روابط،ص ۲۵

ہوتا ہے۔ تعلیم ہی تہذیب وتمدن کا اہم عنصر ہے۔ اللہ نے کشمیر کو تخلیق کرتے وقت اسے اتنا حسن اور اتنی خوبصورتی عطا کی ہے۔ جس کا اعتراف مفکرین اکثر کرتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ ان چند اشعار میں وادی کشمیر کا پورا جمال اور فطرت کی کاری گری متعین ہو جاتی ہے ؎

جو لوگ ہیں کشمیر کے دیدار سے محروم
کیا جلوہ فطرت کی حقیقت انہیں معلوم
جنت کا تصور ہے اگر حسن کی تفسیر
آئینہ فردوس بھی ہے خطۂ کشمیر [۳]

یقیناً اس حسین وجمیل وادی سے یہاں کے ذہین اور ذی شعور لوگ متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مادری زبان کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن وقت کے حکمرانوں کی جبر وزیادتیوں نے انھیں یہاں زیادہ دیر ٹھہرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ اس طوفان کے باوجود یہاں کے لوگوں نے وقت کی نزاکت کو سمجھا اور امید کا سہارا لے کر ہمت نہ ہاری اور اپنی بہادری کی روایت اور اپنے بزرگوں کے نقوش پر قائم رہے۔ اُن کو عملاً اپنایا۔ ایک منظّم کوشش کی اور وقت کے عین مطابق کام کیا۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ ہمیں زبان وادب کے معیار اور یہاں کے نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے جدید کشمیر کی تعمیر کے خواب کو حقیقت میں بدلنا ہوگا۔

جب بھی کسی زبان کی تاریخ پر نظر دوڑائی جاتی ہے تو اُس زبان کے شاعروں وادیبوں اور دانشوروں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اس کی تعمیر میں اینٹ پتھر اور گارے کا کام انجام دیتے ہیں۔ وہ اس کے ستون اور چھت کی حیثیت رکھتے ہیں اس اعتبار سے اگر ہم اردو کو ایک عظیم اور دلکش قلعہ قرار دیں تو اس فخر کے مستحق وہ لوگ ہیں جنھوں نے عہد بہ عہد اس کی ساکھ کی آبیاری میں قابلِ تقلید کام کیا۔ ان لوگوں میں ہرگوپال خستہؔ، خوشی محمد ناظرؔ، نندلال طالبؔ، محمد عمر نور الٰہی، قدرت اللہ شہاب، محمد الدین فوق، عبدالاحد آزادؔ، محمود گامیؔ، غلام احمد مہجور، ملک راج صراقؔ، شمیم احمد شمیمؔ، محمد یوسف ٹینگ، تنہا انصاریؔ، حامدی کاشمیری، اکبر حیدری، محمد زماں آزردہ، محمود ہاشمیؔ، پشکر ناتھ، پریم ناتھ بزاز وغیرہ ہیں۔

---

[۳] شیرازہ جموں، کشمیر، لداخ، قدیم تذکروں اور سفرناموں کی روشنی میں، جلد ۵، ص ۸۶

ان ہی لوگوں کی انتھک محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ حکومت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا اِدارہ قائم کیا جائے جو اِن شاعروں ، ادیبوں، مفکروں، دانشوروں کی گراں قدر اور معتبر آرا،تصانیف، فن پاروں اور دوسرے ادب پاروں کو یہاں کی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی میراث سمجھ کر اکٹھا کرے۔ اور اسی خیال کے نتیجے میں ''اکادمی'' وجود میں آئی۔اس سے پہلے کہ ہم اُن عوامل پر بحث کریں جن سے اکادمی کا قیام ممکن ہوسکا۔اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اکادمی یا اکیڈمی کا نام مستعمل کیوں ہوااس بارے میں محمد مجید خاں یوں رقم طراز ہیں:

''اکادمی یا اکیڈمی''

''یونانی لفظ ہے جو اصل میں اس جگہ کا نام تھا جہاں افلاطون درس دیا کرتا تھا۔ اب ہر جگہ ہر قسم کے اعلیٰ تعلیمی ادارے کے لیے مستعمل ہے سائنس، زبان دانی،موسیقی وغیرہ کے لیے ہر ملک میں اس قسم کے ادارے پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اردو اکادمی ،اقبال اکادمی،ملیسر یا اکادمی وغیرہ مراکز موجود ہیں۔اس قسم کے ادارے کے مخصوص اعزازی لباس کو اکادمی کی پوشاک کہتے ہیں۔ جو عموماً سیاہ چوغہ سفید پگڑی پر مشتمل ہوتا ہے پاکستانی فوجی افسروں کے لیے جو تربیتی ادارہ حال میں ایبٹ آباد کے نزدیک قائم کیا گیا ہے اس کو بھی اکادمی کہتے ہیں یہ اکادمی ضلع ہزارہ میں کاکول کے مقام پر واقع ہے''۔ [۴]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ لفظ ''اکادمی'' اعلیٰ تعلیمی ادارے، زبان دانی،تہذیبی،ثقافتی اور موسیقی وغیرہ جیسے ادارے کے لئے مستعمل ہے۔ریاست جموں وکشمیر، جموں، کشمیر اور لداخ تین اکائیوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی یہ تینوں اکائیاں مذہب، آب و ہوا، جغرافیائی تقسیم اور لسانی وتہذیبی اعتبار سے مختلف ادوار میں ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں۔کبھی سیاسی اُتھل پتھل نے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک و مربوط کیا اور کبھی بالکل جدا کر دیا۔لیکن ڈوگرہ عہد حکومت میں ان تینوں اکائیوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا اور اس طرح سے یہ ایک ریاست قرار پائی۔ جس کے طول وعرض میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد حکومت میں اردو کو عروج حاصل ہوا۔ بقول محمد یوسف ٹینگ:

---

[۴] انسائیکلوپیڈیا اردو،ص ۱۳۹، طابع وناشر،عبدالحمید خان فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، چیف ایڈیٹر،ڈاکٹر عبدالوحید

"شخصی راج کے خاتمے کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے سامنے باقی اصلاحات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش رہا وہ اِس ریاست کی تہذیبی شیرازہ بندی کا تھا اور یہاں کی قومی قیادت نے ریاست کی سبھی اکائیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے انہیں احساسِ تحفظ دینے کے لیے اور اُن میں احساسِ شرکت پیدا کرنے کے لیے کلچرل اکادمی کا قیام عمل میں لایا"۔ [۵]

محمد یوسف ٹینگ کے ان کلمات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مختلف اصلاحات کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ جہاں تک اس ادارے کا تعلق ہے یہ ایک خودمختار ادارہ ہے لیکن مالی معاونت کے اعتبار سے اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ یہ ادارہ ریاست کا قدیم اور جدید ادب سمجھنے میں معاون ثابت ہوا ہے ہر قوم کی پہچان اُس کے ادب، موسیقی، مصوری، یعنی فنون لطیفہ سے ہوتی ہے۔ اس ادارے کے ذریعے سے ادیبوں اور فنکاروں کو اظہارِ فن کے لیے موزوں سہولیات میسر کی گئیں۔ اس اِدارے سے یہاں کی تہذیب اور تمدن دوسرے ممالک میں متعارف کرایا گیا۔ اور انھیں بھی مختلف اوقات میں یہاں مدعو کیا گیا۔ ریاستی کلچرل اکادمی کے قیام کے بنیادی عوامل میں یہ بات بھی تھی کہ ابتداء میں مختلف زبانوں اور اُن کے ادب کو فروغ دیا جائے۔ یہاں رائج اور بولی جانے والی زبانوں کی بنیاد کے بارے میں پتہ چلایا جائے۔ جموں و کشمیر کی تہذیبی میراث، تاریخی زیارات، تاریخی دستاویزات کا پتہ لگایا جائے تا کہ یہاں کی دھندلائی ہوئی صورت کے نقوش نمایاں ہوں اور اس اِدارے کے ذریعے مختلف تقریبات کا انعقاد کرایا جائے تا کہ اُس سے آپسی بھائی چارہ قائم ہوگا، تعمیر وترقی میں پیش رفت ہوگی، افکار و اظہار میں تبدیلی آئے گی۔ ان تقاریب میں پیش کی جانے والی تخلیقات کو بعد میں کتابی صورت دی جائے۔ ان کے علاوہ مختلف زبانوں کے تعلق سے اہم دستاویزات، موادات جو کہ طاقِ نسیاں بنی ہوئی ہیں اور جن کو پہلے ہی کافی نقصان پہنچا ہے۔ اُنھیں بھی ایسی صورت عطا کی جائے کہ تہذیب وتمدن اور زبانوں کی تاریخ محفوظ ہوجائے اس سلسلے میں نہ صرف مختلف مراکز اور انجمنوں سے مدد لی جائے بلکہ دورِ حاضر کے علماء اور شعراء حضرات سے بھی دستِ تعاون کی درخواست کی جائے۔ ان حضرات کی فنی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لایا جائے۔ فن کاروں کی تخلیقات شائع کرنے کے لیے اور مصنفوں اور شاعروں وغیرہ کی مالی معاونت کی جائے۔

---

[۵] اُردو زبان وادب نمبر، مرتبہ کلچرل اکادمی سرینگر، ص ۱۵

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے بارے میں حامدی کاشمیری رقم طراز ہیں:

''۱۹۴۷ء میں ریاست جموں کشمیر میں تمدنی، معاشرتی، ثقافتی اور ادبی ورثہ جو عہد محکومی میں منتشر بلکہ معدوم ہوگیا تھا کی باز دید و بازیافت کے لیے آئینی طور پر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس کے سیکریٹری مرزا کمال الدین شیدؔا مقرر ہوئے۔ مجھے وہ دن یاد ہے جب شیدؔا صاحب نے اوڑین ہوٹل میں یہ خوش خبری سنائی اور نمائندہ کشمیری شعراء پر تعرفی کتابیں لکھنے کے کام کی ابتداء کی۔ بہت جلد اکیڈمی ثقافتی اور ادبی ورثے کے احیائے نو کی ایک زندہ علامت بن گئی''۔ ۶

اکادمی کے ذریعے سے یہاں کی تہذیب، تمدن، ثقافت اور زبانوں کو عام کیا جائے اور ہر ممکن تعمیری ترقی کی کوشش کی جائے، طلباء وطالبات کو پیشہ ورانہ تعلیم دی جائے جیسے شارٹ ہینڈ، خطاطی، موسیقی کی تربیت وغیرہ۔ اس پیشہ ورانہ تعلیم سے جدید دور میں طلباء وطالبات دوسرے لوگوں کے شانہ بشانہ اچھی طرح زندگی گذار سکیں۔ شعراء اور ادباء جواب اس دنیا میں نہیں ہیں اُن کے یادگاری دِن منائے جائیں۔ رسائل کا سلسلہ جاری کرایا جائے جن کے ذریعے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں جانکاری ہو۔ یہاں کی روایات، رسم ورواج کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ یہ ریاست علم وادب کا گہوارہ بنے یہاں کے لوگوں کو دوسرے ممالک میں جانے کا موقع دیا جائے تاکہ وہاں کے تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کا بغور مطالعہ کریں۔

''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لنگویجز جیسا کہ اس کے نام سے ہی عیاں ہے کہ اِس کو معرض وجود میں لانے کا مقصد ریاست میں پنپ رہی زبانوں کی ترقی وترویج، اس کے ادب، ثقافت اور دیگر فنون کی تبلیغ واشاعت کرنا ہے اس سلسلے میں اِس ادارے نے یہاں کی دیگر زبانوں اور علاقائی بولیوں کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی وترویج کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ اس کے پچیس برسوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور اُس کا احاطہ کرنا کسی حد تک دشوار ہے''۔ ۷

---

۶ حامدی کاشمیری، شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر، ص ۳۰

۷ محمد اسداللہ وانی، سازکی لے تیز کرو، حصہ اول، ص ۹۸۔۹۷

2. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے اغراض ومقاصد:

کلچرل اکادمی کے قیام کے ساتھ ہی ایک آئین ترتیب دیا گیا جو کہ درجہ ذیل ہے:

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام صدرِ ریاست کے حکمنامہ نمبر SR/۵۸-۴ مورخہ ۷/جولائی ۱۹۵۸ء کو ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت عمل میں آیا اور صدرِ ریاست اکادمی کے سرپرست بنے۔

اکادمی کا افتتاح ۱۴/اگست ۱۹۵۸ء کو اُس وقت کے صدرِ ریاست اور اکادمی کے سرپرست ڈاکٹر کرن سنگھ نے اُن کی سرکاری رہائش گاہ طالع منزل میں کیا۔ اس موقع پر اکادمی کی مرکزی کمیٹی کے ارکان بھی جمع تھے۔ اکادمی کے دفتر کا افتتاح وزیر اعظم جموں کشمیر بخشی غلام محمد جو کہ مرکزی کمیٹی کے چیرمین بھی تھے نے ۲۴/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو کیا۔ اکادمی کا یہ دفتر پرتاپ پارک کے سامنے میونسپل بلڈنگ کے اُس حصے میں تھا جو اب مرکزی حکومت کے پریس انفارمیشن بیورو کا دفتر ہے۔

اب یہ ادارہ باضابطہ طور پر لال منڈی سرینگر میں واقعہ ہے جہاں پہلے سٹیٹ بورڈ آف اسکول ایجوکیشن کا دفتر ہوا کرتا تھا۔ یہاں پر اب اس ادارے نے کئی عمارتوں کی تعمیر عمل میں لائی ہے اس کے علاوہ جموں اور لداخ میں بھی اس ادارے کے دفتر موجود ہیں۔ جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز کے قیام کے بارے میں محمد یوسف ٹینگ اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> ''اکیڈمی کا قیام ایک عظیم خواب کی تعبیر تھا ریاستی عوام نے اپنی جدوجہد آزادی کے دوران جب اپنے مستقبل کا نقشہ چشمِ تصّور کے سامنے لایا۔ تو اِس میں ایک تہذیبی شیرازہ بندی کا مقصد بڑا نمایاں تھا۔ ہماری دانشمندی اور روشن خیال قیادت نے جب آج سے چالیس برس پہلے یعنی ۱۹۴۴ء میں مستقبل کی ریاست کا خاکہ ''نیا کشمیر'' کی شہرہ آفاق دستاویز میں کھینچا۔ تو اِس میں ایک کلچرل اکادمی کا قیام بھی شامل تھا''۔ ۸

---

۸ ساز کی لَے تیز کرو: زبان وادب، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ص ۱۵۔

کلچرل اکیڈمی کا قیام ۱۹۵۸ء میں عمل میں آیا تھا اس اہم ادارے کے قیام کا مقصد ریاست جموں کشمیر کے رنگارنگ ادبی، فنی اور تمدنی ورثے کو محفوظ رکھنا اور فروغ دینا تھا۔ جہاں تک ادب کا سوال ہے تو اس ادارے کو بیک وقت اردو، انگریزی، ہندی، پنجابی، ڈوگری، گوجری، بلتی، لداخی اور پہاڑی زبانوں میں رسالے شائع کرنے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ ریاست میں بولی جانے والی زبانوں کے ادبی سرمائے کا فروغ وتحفظ اور عہد بہ عہد مختلف نسلوں کی ادبی ترتیب کے اعتبار سے یہ ادارہ کسی علمی اور ادبی درسگاہ کا درجہ رکھتا ہے۔

جموں وکشمیر کے آئین کی دفعہ نمبر ۱۴۶ کی عمل آوری کے سلسلے میں صدرِ ریاست کو اکادمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام عمل میں لانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ادارہ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے نام سے موسوم ہوگا اِس اکادمی کے سرپرست صدرِ ریاست ہوں گے۔ اکادمی کی گیارہ ممبروں پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی ہوگی جو اکادمی کی (Executive) کے طور پر کام کرے گی اور اس کے اخراجات تنظیم اور انتظامیہ کو چلائے گی۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام صدرِ ریاست کے حکمنامہ نمبر SR/۵۸-۴ مورخہ ۷/جولائی ۱۹۵۸ء کو ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت عمل میں آیا اور صدرِ ریاست اکادمی کے سرپرست بنے۔ اکیڈمی کا افتتاح ۱۴/اگست ۱۹۵۸ء کو اُس وقت کے صدرِ ریاست اور اکیڈمی کے سرپرست ڈاکٹر کرن سنگھ نے اُن کی سرکاری رہائش گاہ طالع منزل میں کیا۔ اس موقع پر اکیڈمی کی مرکزی کمیٹی کے ارکان بھی جمع تھے۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے دفتر کا افتتاح وزیراعظم جموں وکشمیر بخشی غلام محمد، جو کہ مرکزی کمیٹی کے چیرمین بھی تھے، نے ۲۴/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو کیا۔ اکادمی کا یہ دفتر پرتاپ پارک کے سامنے میونسپل بلڈنگ کے اُس حصے میں تھا جو اَب مرکزی حکومت کے پریس انفارمیشن بیورو کا دفتر ہے۔ وہ حکم جس کے تحت

اکیڈمی قائم ہوئی اس طرح ہے۔ کمیٹی کا چیئرمین وزیراعظم ہوگا۔
فی الحال مرکزی کمیٹی کے ممبران مندرجہ ذیل اشخاص ہوں گے:

۱۔ شری کوشک بکولا (وزیرمملکت برائے امورلداخ)
۲۔ شری اے۔اے۔اے فیضی وائس چانسلر جموں وکشمیر یونیورسٹی
۳۔ شری ملی جوادزیدی
۴۔ ماسٹر زندہ کول
۵۔ شری رام ناتھ شاستری
۶۔ جناب رسا جاودانی (بھدرواہ)
۷۔ شری کشن سمیل پوری
۸۔ شری اومادت شرما
۹۔ جناب غلام رسول سنتوش
۱۰۔ مِس ضیاء دُرانی
۱۱۔ مرزا کمال الدین شیدؔا (ممبر سیکرٹری)

اکادمی کی دس سب کمیٹیاں ہوں گی جو مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ کریں گی:

(الف) کلاسکی موسیقی (ب) لوک موسیقی
(ج) مصوری (د) ڈراما اور رقص
(ہ) اردو (د) ہندی
(ز) کشمیری (ح) ڈوگری
(ط) بودھی (لداخی) (ی) دوسری زبانیں

ان میں سے ہر کمیٹی بشمول کنوینیر پانچ ممبران پر مشتمل ہوگی۔ ان کمیٹیوں کا تقرر مرکزی کمیٹی کرے گی۔

مرکزی کمیٹی اور سب کمیٹیوں کی تشکیل کے لیے رقومات اور عملے کے تقرر کے سلسلے میں احکامات الگ سے جاری کیے جائیں گے۔

اکادمی کا آئین ایس۔آر۔اونمبر ۳۴۰ مورخہ ۱۴راگست ۱۹۶۳ء منظور ہونے کے بعد اکادمی کے اغراض ومقاصد یوں قرار پائے:

(الف) اکادمی ایک خودمختار ادارہ ہوگی۔اس کا اپنا ایک نشان ہوگا اور اس کے خلاف عدالتی کاروائی سیکرٹری کے نام پر ہوگی۔

(ب) اس کے اختیارات اور دائرہ کار اس طرح ہوگا۔

(I) ضلع، علاقائی اور دوسری سطحوں پر اکادمی کے مقاصد کو آگے بڑھانے والی تنظیموں کی سرگرمیوں کے درمیان میل پیدا کرنا۔

(II) مرکزی اور ریاستی اکادمیوں دوسرے اداروں اور تنظیموں کے ساتھ اشتراک کرنا جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں انھیں مقاصد کے لیے کام کرتے ہیں اور مجموعی طور پر ہندوستانی تمدن کی ترقی کے لے کام کرتے ہیں۔

(III) ریاست کے مختلف خطوں کے درمیان خیالات اور فنی مہارا توں کا تبادلہ ریاست اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے درمیان اُن مقاصد کے حصول کے لیے باہمی ترسیل جن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مشاعرے، سمینار، مباحثے، تقریریں، عصرانے، کانفرنسیں، نمائش، فلم شو، موسیقی، ڈراما، رقص اور تمدنی تہوار وغیرہ منعقد اور منظّم کرنے کا اہتمام کرنا اور اس قسم کی تقریبات علاقائی، ریاستی یا کُل ہند بنیادوں پر کرنا۔

(IV) قلم کاروں، مصوروں، ادبی، تمدنی او رثقافتی تنظیموں کے درمیان اشتراک کو بڑھاوا دینا اور جب بھی ضروری ہوتو اِس قسم کے اداروں، تمدنی مرکزوں جن میں تھیٹر سنٹر، سٹیڈیوز اور کلبیں بھی شامل ہوں۔ اس قسم کے ادرے قائم کرنا تا کہ ریاست میں ادب اور فن کی رفتار تیز ہو۔

(V) ادب کی اشاعت کرنا اور کتابیں شائع کرنے میں مدد دینا

(I) ریاستی آئین کے چھٹے شیڈول اور دفعہ نمبر ۱۴۶ میں شامل زبانوں میں یا اُن کے متعلق کتاب نامے، ڈکشنریاں وغیرہ۔

(II) مصوری میں کتابیں، رسالے اور البم

(III) (الف) ریاست کے بارے میں ترجیحی طور پر موسیقی، رقص اور ڈراما کے بارے میں حوالے کی کتابیں اور تکنیکی اصطلاحات وغیرہ۔ اور

(ب) ماہرین کے ساتھ مشورے کے بعد پرانے عربی، سنسکرت اور فارسی کے نایاب مسودات مرتب کرکے شائع کرنا بشرط یہ کہ ان مسودوں میں ریاست جموں وکشمیر کے فن، تمدن اور ادب کے بارے میں زور ڈالا گیا ہو۔

(IV) ریاست کی مختلف زبانوں میں لکھے گئے فن اور ادبی کارناموں کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس طرح ہندوستانی زبانوں اور غیر ملکی زبانوں کو ریاستی زبانوں میں منتقل کروانا اور ریاستی زبانوں کے ادب کا دوسری ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کروانا۔

(V) انعامات، اعزازت، مالی امداد، الاؤنس اور دیگر مالی مدد منظور کرنا۔ ادیبوں اور مصوروں وغیرہ کی خدمات کا اعتراف جو خدمات اُنھوں نے فن، زبان، موسیقی، رقص اور عام طور پر تمدن کے دوسرے شعبوں میں انجام لائے ہوں یا اُس کے لواحقین کو مالی امداد، الاؤنس وغیرہ اُن خدمات کے عوض فراہم کرتا جو خدمات انھوں نے انجام دی ہوں۔

(VI) مطالعے اور تحقیق کو بڑھاوا دینا۔ خاص کر زبان، ادب، موسیقی، رقص، ڈراما، مجسمہ سازی، مصوری اور فن تعمیر اور فن کے عملی شعبوں میں اور اس مقصد کے لیے فیلوشپ، مالی امداد اور وظائف دینا، تحقیق اور تفتیش کے لیے لائبریریاں، عجائب گھر اور گیلریاں وغیرہ قائم کرنا۔

(VII) مخصوص شعبوں میں تربیت دینے کے لیے ادارے قائم کرنا یا ایسے ادارے قائم کرنے میں مدد دینا۔

(I) تھیٹر کے شعبے میں، سٹیج کے فن اور ڈراموں کی پروڈکشن۔

(II) موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی اور خطاطی وغیرہ۔

(III) شوقیہ ڈرامائی سرگرمیوں کو فروغ دینا جس میں بچوں کا تھیٹر، اوپن ایر تھیٹر اور دیہاتی تھیٹر بھی شامل ہے۔

(VIII) لوک ادب، فن موسیقی، رقص، ڈرامے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس شعبے میں علاقائی سروے، الفاظ کا جمع کرنا، کلاسیکی اور لوک گیت دُھنیں محفوظ کرنا بھی شامل ہیں ایسے افراد اور انجمنوں کی مدد کرنا جو ان اصناف کی بازیافت اور تحفظ کے لیے کام کرتے ہوں۔

(IX) ادب، فن، موسیقی، ڈراما اور تمدن کے دوسرے شعبوں سے متعلق اداروں اور تنظیموں کو تسلیم کرنا اور اُن کی تکنیکی اور مالی اِمداد دینا۔

(X) اکادمی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے یادگاریں، تہذیبی مراکز وغیرہ تعمیر کرنے کے لیے اقدامات کرنا۔

(XI) اپنے کام اور مقاصد کے حصول کے لیے گرانٹ حاصل کرنا، عطیہ جات وغیرہ حاصل کرنا، زمین خریدنا، ہر قسم کی جائیداد بنانا اور اس کو فروخت کرنا کسی قسم کی جائیداد کو جو اکادمی کی ہو اور اکادمی کے دائرہ اختیار میں ہو، کو اس طرح سے استعمال میں لانا جو اکادمی اپنے مقاصد اور دائرہ کار کو آگے بڑھانے کے لیے مناسب سمجھے۔

(XII) ایک فنڈ قائم کرنا جس میں:

(I) وہ تمام رقومات جمع کی جائیں جو ریاست یا مرکزی حکومت سے ملیں

(II) وہ تمام رقومات جو دوسرے ذرائع سے حاصل ہوں اور

(XIII) اس قسم کے تمام اقدامات اور کام کرنے چاہئے جو مندرجہ بالا اختیارات کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہوں یا نہیں، جن کی اکادمی کے اغراض ومقاصد کی ترویج کے لیے ضرورت پڑے۔ [۹]

آئین کی رو سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کن عوامل کے تحت قیام اکادمی ممکن ہو سکا۔

یہاں پر یہ بات کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ پورے ملک میں بہت ساری اکیڈمیاں ہیں لیکن ریاست جموں کشمیر کی یہ اکیڈمی برِصغیر میں اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اکادمی ہے جس کا دائرہ کار کافی وسیع ہے اور اس ادارے کا کام، کارکردگی اور مقاصد بھی بہت زیادہ وسیع تر ہیں۔ ہندوستان میں بہت ساری اکیڈمیاں قیام پذیر ہیں جن میں:

ا۔ ہریانہ اردو اکیڈمی ۲۔ آندھرا پردیش اردو اکیڈمی ۳۔ بہار اردو اکیڈمی ۴۔ مغربی بنگال اردو اکیڈمی ۵۔ دہلی اردو اکیڈمی ۶۔ ساہتیہ اردو اکیڈمی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام اکیڈمیوں کے مقابلے میں جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے اغراض ومقاصد اعلیٰ ہیں اور اس ادارے نے ۵۹ سال میں بہت سارا کام کیا ہے اور کر رہا ہے لیکن بہت کچھ کرنے کی ابھی بھی ضرورت ہے کیونکہ ریاست کے آئین کے مطابق اردو یہاں کی سرکاری زبان ہے اور یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اولین ترجیح اس زبان کو ہوگی اگر چہ آئین میں درجہ باقی ریاستی زبانوں کی ترجمانی بھی اس ادارے کو کرتی ہے۔ مگر جب غور وفکر کیا جاتا ہے تو جس رفتار سے اس اردو زبان وادب پر کام ہونا تھا نہیں ہو رہا ہے۔ بہر حال یہ بات عیاں ہے کہ پچھلے ۵۶ برس میں اس ادارے نے جو کارکردگی دکھائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

---

[۹] سازکی لَے تیز کرو: زبان وادب، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ص ۵۱۷-۵۰۹

ریاست میں مختلف زبانوں کے بولنے والے نظر آتے ہیں ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے کلچرل اکادمی پیش پیش رہتی ہے اور اس کام کے لیے اُس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ درس وتدریس، بول چال، دفتری زبان، علمی اور ادبی شہ پارے تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ جیسا کہ ایک سمینار میں یہاں کے ایک سابقہ وزیر تعلیم محمد شفیع نے لکھا ہے کہ اکادمی نے ریاست کی زبانوں جن میں بڑی اور چھوٹی سبھی زبانیں شامل ہیں، کی ترویج و ترقی کے لیے جو کام کیا ہے اور کر رہی ہے اُس نے ریاست میں اتحاد، استحکام اور فکری یگانگت پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اور اِس میں یہاں کے ادیبوں نے جو حصہ ادا کیا ہے وہ ہماری تاریخ کے ایک شاندار باب کے طور پر لکھا جائے گا۔ کلچرل اکادمی نے گذشتہ برسوں میں ریاست کی مختلف زبانوں و ادب کی خدمت میں جو حوصلہ افزاء کام کیے اُن کی تفصیل مختلف ابواب میں ملتی رہے گی۔ محمد یوسف ٹینگ رقم طراز ہیں:

> ’’کلچرل اکادمی نے آج تک جو کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ آیزک نیوٹن کے الفاظ میں وہ بس سمندر کے کنارے کنکروں کو جمع کرتا ہے لیکن اس کے سامنے امکانات اور اقدامات کے موتیوں سے لبریز ایک بحر بے پایاں موجود ہے۔ ہماری ریاست تمدنی لحاظ سے اس قدر مالا مال ہے کہ اِس کے سارے اِمکانات کو اُجاگر کرنے کے لیے بے انتہا محنت اور بے پناہ وسیلوں کی ضرورت ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ جیولاجی یعنی علم ارضیات کے حِساب سے ہماری ریاست خواہ وہ لداخ ہو، کشمیر ہو یا جموں زمین کا ایسا قدرتی عجائب خانہ ہے جو ساری دُنیا کو سمجھنے کے لیے حوالے کی دستاویز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمدنی لحاظ سے بھی ہماری تہیں اور پرتیں اتنی ہیں کہ چاہے جتنی بھی پرتیں کھولتے جایئے ایک اور تہذیبی تہہ نکل آئے گی۔ دراوڑ، ناگ، پشاچ، یونان، کُشان، بودھ، چینی، عجمی، ہندو، مسلم اور انگریزی تہذیب نے یہاں اس طور سے اپنا اثر ڈالا ہے کہ بقولِ غالبؔ:
>
> ملتیں جب مِٹ گئیں اجزائے ایمان ہوگئیں‘‘ [۱۰]

۱۰۔ ساز کی لے تیز کرو، محمد یوسف ٹینگ، خطبہ استقبالیہ، حصہ اول، ص ۲۸۔۲۷

اس بات سے بھی انکار نہیں ہے کہ اب ہم جدید دور سے گزر رہے ہیں جس کو کمپیوٹر دور سے منسوب کیا گیا ہے۔ مستقبل میں اکادمی کی کارکردگی کے اقدامات بہت ہی متاثر کُن ہونے چاہئے کیونکہ یہ ایک ایسا دور ہے جس میں ادب کو زندہ رکھنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔اس دور میں تخلیقات پر بڑی لے دے ہوتی ہے کہ ان کی اب ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ پھر اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اکادمی نے جموں وکشمیر کے ماضی کی تہذیب کو اپنے مستقبل اور حال سے جوڑا، زبانوں اور ان کے ادب کے فروغ پر خصوصی توجہ دی۔ یہاں تک کہ آنے والی نسل اپنی تہذیبی اور ادبی روایات سے وابستگی قائم رکھ سکے۔ کیونکہ ادبی روایات سے ترقی بتدریج ممکن ہے۔ ریاستی کلچرل اکادمی نے گذشتہ برسوں میں جو کام کیا۔ اُس کی نہ صرف ادبی حلقوں بلکہ سرکاری و نیم سرکاری سطحوں پر پذیرائی ہوئی ہے۔ جو کہ اکادمی کے لیے فال نیک ہے۔ یہاں کے ادب کی ترویج و ترقی کا انحصار بہت حد تک اکادمی کے اسی رویہ پر ہے۔اکادمی نے مختلف حلقوں، اضلاعوں اور صوبوں میں ادبی وثقافتی ترقی کے لیے کچھ ٹھوس اقدام اُٹھائے ہیں جس سے یہاں کی تہذیب پروان چڑھی۔ بقول محمد اسداللہ وانی:

> ’’اکیڈمی نے اپنی ۲۵ / برس کی عمر میں مختلف زبانوں کی فلاح و بہبود، ترقی و ترویج، ارتقاء و بقا کے سلسلے میں جن خطوط پر کام کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ فخر ہے۔ کیونکہ جب ہم ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی اکادمیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ محض اردو کا رونا رو رہی ہیں یا کہیں ریاستی یا علاقائی زبانوں تک محدود ہیں اور تو اور ساہتیہ اکیڈمی کا بھی یہی حال ہے وہاں ساہتیہ سنگیت اور کلا تین الگ الگ ادارے ہیں اور پھر بھی کام اُس پائے کا نہیں۔ جس پائے کا کام جموں وکشمیر کلچرل اکادمی کر رہی ہے۔ اس اکیڈمی کو ہم پہلی ہی نظر میں Three in one کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ساہتیہ سنگیت اور کلا تینوں ایک ہی ادارے کے اندر اور ایک ہی سرپرست کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔‘‘ [۱۱]

---

[۱۱] سازکی لے تیز کرو، محمد اسداللہ وانی، ص ۱۲۴-۱۲۳

اگرچہ نامور ادیبوں، فنکاروں اور ادب نواز شخصیتوں کی قبروں پر لوحِ مزار نصب کروانے کی کسی کو کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہوگی لیکن اکیڈمی کے لیے یہ کام ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکیڈمی نے کشمیر کے آخری تاجدار اور فنونِ لطیفہ کے شیدائی یوسف شاہ چک کی قبر پر مرحوم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے دستِ مبارک سے ایک کتبہ نصب کروایا۔ اس کے تحت اکیڈمی نے کشمیر کے مشہور معروف ادیبوں اور شاعروں کی قبروں کی تلاش کر کے ان پر Tomb Stones نصب کروائے ہیں۔ رسول میرؔ (شاعر) حسن کھویہامی (مؤرخ) مقبول کرالہ واری (شاعر) نعمہ صاحب اور رحمٰن ڈار کے نام اس سلسلے میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۸ء سے اکیڈمی ہر سال All India Artist Camp آرگنائز کرتی آ رہی ہے جس میں ملک کے نامور عصری مصوروں مثلاً ایم۔ ایف۔ حسین، پری توش سین، جی آر سنتوش، لکشمی پوری، آر ایس بھاسکرن، طیب مہتہ، امباداس، وی ایس اَبادھیائے وغیرہ نے نہ صرف ان کیمپوں میں حصہ لیا بلکہ ان کیمپوں میں تیار کی گئی پینٹنگس (Paintings) سے اکیڈمی کو مالا مال بھی کیا۔ اسی طرح All India Sculpture Camp کا بھی اہتمام کیا جا تا رہا ہے۔ جموں میں ان کیمپوں کی بدولت جدید اور عصری Sculpture Garden وجود میں آیا جو ماہرین کی رائے میں ملک کا ایسا واحد ادارہ ہے۔

اس کے علاوہ بھی کلچرا کیڈمی نے ان سے ہٹ کر کچھ ایسے پروگرام بھی شروع کیے ہیں۔ جنھیں ہم منصوبہ بند پروگرام کہہ سکتے ہیں اور جو اکیڈمی کی سالانہ کارکردگی کا حصہ ہیں۔

دستاویز (Documentation): اس بات سے سب ہی لوگ اچھی طرح واقف ہیں کہ کسی بھی چیز کی تخلیق سے کہیں مشکل اُس کی حفاظت کا کام ہوتا ہے وقت بہتے پانی جیسا ہے۔ جس کی روانی میں ہر چیز بہہ جاتی ہے اگر کسی تخلیقی فن پارے یا شاہکار کا معرض وجود آنا مشکل ہے تو اس کی حفاظت کا کام بھی اتنا ہی مشکل ہے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جنھیں بچانے کی کوشش کرنا انسانی تہذیب کو زندہ رکھنے کے برابر ہوتا ہے۔ بادشاہتیں ختم ہو جاتی ہیں اور بیش قیمتی کتابیں، لاپرواہی کا شکار ہو کر دیمکوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اکیڈمی نے جموں و کشمیر کے تمدنی ورثے کی حفاظت کے لیے کئی اقدام کیے ہیں۔ جہاں اکیڈمی نے ایک طرف بسوہلی اور جموں اسکولوں کی ۲۰۰ کے لگ بھگ منیچر (Miniature) تصویریں خرید کر اُن کی

حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا ہے۔ وہیں آل انڈیا آرٹسٹ کیمپوں میں ملک کے نامور مصوروں کے ہاتھوں تیار کی گئی جدید تصویروں کو بھی محفوظ رکھا گیا۔

اگر شاہ توس سے بنے پوستین (شاہی کوٹ) اور ڈوگرہ سرداروں کے چوغے کو مسخ ہونے سے بچایا گیا ہے تو کشمیری دستکاری کے نادر نمونے کے ساتھ روایتی اور کشمیری لوک لباس اور زیورات کو بھی اکٹھا کر کے آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ رکھا گیا ہے۔ مغربی اور فلمی سنگیت نے ہماری روایتی سازوں کو تباہ کر کے انہیں مٹانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جس کے جواب میں اکیڈمی نے کشمیری ساز سنطور، نوٹ، سارنگی، رباب، کشمیری ستار، روایتی ڈھول، شہنائی، نگاڑہ، تمخناری، چنگ اور دوسری مختلف چیزوں کو خرید کر انہیں محفوظ رکھنے کا پورا پورا انتظام کیا ہے۔ یہ ساز ہماری تمدنی انفرادیت کی علامت ہیں اور ان کی حفاظت کی بہت بڑی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اس طرح ٹیکنالوجی کی یلغار نے پرانی وضع کے برتنوں، شمعدانوں، اور لکڑی پر نقش ونگاری کے نمونوں کو Out of Market کر دیا ہے اور ایسا لگنے لگا ہے کہ وہ وقت اب دور نہیں جب یہ چیزیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔ اس نقطۂ نظر سے اکیڈمی نے ان چیزوں کے نادر نمونوں کو اکٹھا کر کے محفوظ رکھا ہے۔

اسی طرح خطاطی کے نادر نمونوں کو بھی اکٹھا کیا گیا ہے۔ ریاست کے چپے چپے میں اس کا تہذیبی اور تمدنی ورثہ بکھرا پڑا ہے۔ اس سارے ورثے کو جمع کرنا یا خرید کر محفوظ رکھنا اکیڈمی کے بس میں نہیں ہے۔ اس کام میں مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اس لیے اکیڈمی نے یہ کوشش کی ہے کہ جن اہم چیزوں کو اکیڈمی اپنی تحویل میں نہیں لے سکتی، ان کے فوٹوگراف تیار کر کے انہیں محفوظ رکھا جائے تا کہ کل چیزوں کے تباہ ہو جانے پر اُن کی یادگار تصویریں اُن کی عظمت اور خوبصورتی کی جھلک پیش کر سکیں۔ اس لحاظ سے اکیڈمی نے مختلف مضامین مثلاً فنِ تعمیر، آثارِ قدیمہ، ادب اور لوک ادب سے وابستہ فوٹوگرافوں کے ۳۰۰۰ سے زائد نگیٹیو جمع کر رکھے ہیں۔ اب تک حاصل کیے گئے فوٹوگرافوں میں سب سے اہم کشمیر میں تیار کیا گیا، پہلا قالین، زین العابدین بڈشاہ کے زمانے کی Canopy وادی کے مختلف حصوں میں کشمیری بادشاہوں کے زمانے کی کتابیں، ہندو راجاؤں کے ذریعے بنائے گئے عمارتوں کے نمونے اور یونانی حکمرانوں کے زمانے کے سکوں کی تصاویر محفوظ رکھی گئیں۔

اس پس منظر میں یہ بات بہت اہم اور قابل توجہ بھی ہے کہ اکیڈمی نے نہ صرف الچی گمپا کو دوبارہ دریافت کر کے اس کی تصویریں تیار کیں اور ساتھ ہی بھارت سرکار سے اس کی حفاظت کے لیے بھی کہا گیا ہے۔ اس طرح آج کا یہ مشہور گمپا اکیڈمی کی کوششوں سے ہی اندھیروں سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ اکیڈمی نے للتادتیہ، اونتی ورمن، بڈشاہ، شہاب الدین، اکبر اور جہانگیر کے زمانے کے کتبوں کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔

اکیڈمی نے کشمیر کی بلند قامت ادبی اور نئی ہستیوں کی قلم بند کی ہوئی تخلیقات کو اکٹھا کیا ہے۔ جن میں رسول میرؔ شاہ آبادی، محمود گامیؔ، آزاد، فوقؔ اور فاخرؔ کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اکیڈمی نے بیش بہا چیزوں کی تصویروں کا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے۔ جو آج اگر چہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن ان کی قیمت آنے والے وقتوں میں بے حد بڑھ جائے گی۔

اکیڈمی کے متنوع سرگرمیوں کی ایک جہت مشاہیر کے یادگاری جشن منانے کا اہتمام بھی رہا ہے۔ اکیڈمی نے جس خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ یہ جشن منعقد کیے ہیں وہ اس کی عہد آفرین تاریخ کا ایک دلچسپ اور پروقار باب ہے۔ اکیڈمی نے یادگاری جشن آراستہ کرنے کا آغاز مہرشی رابندر ناتھ ٹیگور کے صد سالہ جشن پیدائش سے کیا۔ یہ جشن ۱۹۶۱ء کے دوران سارے ملک میں نہایت دلچسپی کے ساتھ منایا گیا۔ اکیڈمی کو اس جشن کی قابل قدر دین ٹیگور ہال ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اکیڈمی کو کئی ایک مشاہیر کے تئیں اپنی توجہ مبذول کرنا پڑی۔ یہ سال اس لحاظ سے بھی کافی اہم ہے کہ اسی سال گورونانک دیو جی کا پانچ سو سالہ جشنِ پیدائش، بابائے قوم مہاتما گاندھی کا یوم پیدائش اور غالبؔ صدی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۴ء میں آروبندو گھوش، ۱۹۷۷ء شاعر مشرق علامہ اقبالؔ، ۱۹۷۹ء کو علمدارِ کشمیر شیخ العالمؒ، ۱۹۸۰ء کو اردو اور ہندی کے ممتاز ادیب منشی پریم چند کا صد سالہ جشنِ پیدائش بھی منایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ پندرہویں صدی ہجری تقریبات کا اہتمام بھی کلچرل اکیڈمی کے بینر/جھنڈے تلے ہوا۔ اور اس طرح ہوا کہ لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ اکیڈمی کے ساتھ ایسے لوگ وابستہ ہیں جو مشکل کام کو بھی کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہجری تقریبات کے ضمن میں اسلامی نمائش کا انعقاد اکیڈمی کا ایک ایسا کارنامہ تھا جس نے سارے کشمیر کی نظروں کو سیاحوں کے استقبالیہ مرکز پر مرکوز کیا۔ اس نمائش کی ابتداء جناب شیخ محمد عبداللہ نے

۲۸؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو کیا۔ یہ نمائش ۲۸؍ اکتوبر سے ۶؍ نومبر تک جاری رہی اور اسے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے دیکھا۔ اس نمائش کے بارے میں ناظرین کے تاثرات کو کلچرل اکیڈمی نے ایک کتاب کا روپ دے کر ''نظر اور نظارہ'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ اکیڈمی نے نمائش کے انعقاد کے موقع پر انگریزی میں ایک باتصویر کیٹلاگ بھی شائع کیا ہے۔

ہجری تقریبات کی دوسری کڑی مقابلہ قرأت تھا جس کا اہتمام ضلع اور ریاستی سطح پر کیا گیا۔ یہاں اس بات کی یاددہانی کرانا مناسب لگتا ہے کہ ہجری تقریبات کی ابتداء ۱۵؍ جون ۱۹۸۱ء کو باب الاسلام خانقاہ معلیٰ میں ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب سے ہوئی۔ اس خاص مجلس میں تلاوت اور نعت خوانی کے علاوہ مقالات بھی پڑھے گئے۔

لائبریری: لائبریری کی ضرورت اور اس کی اہمیت سے ہر کوئی واقف ہے۔ یہ نہ صرف تخلیق کاروں اور ریسرچ اسکالروں کے لیے بلکہ تمدنی اعتبار سے بھی لائبریریوں کی اپنی خاص اہمیت ہوتی ہے اور مہذب قوموں کی زندگی میں اُن کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ اکیڈمی کے لیے لائبریری کی ضرورت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں ایک طرف اس میں ملک کی تاریخ اور تمدن پر ایک ہی جگہ سبھی کتابوں کو میسر رکھنے کی ذمہ داری ہے وہیں مختلف شعبوں کے لیے Reference Library فراہم کرنا بھی لازمی ہے۔ اسی طرح نادر کتابوں اور قلمی نسخوں کی حفاظت بھی لازمی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اکیڈمی نے نہ صرف مرکزی دفتر میں بلکہ Sub Office اور انسٹی ٹیوٹ میں بھی لائبریریاں قائم کی ہیں۔ کلچرل اکیڈمی کے کتب خانے میں کثیر تعداد میں کتابیں موجود ہیں اور بہت پرانے قلمی مخطوطے بھی ہیں۔ جن میں ایک قلمی قرآن شریف بھی موجود ہے جو سات سو سال پرانا ہے اور اس کے علاوہ علامہ اقبالؒ کا وہ خط جو انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کے نام لکھا تھا ''ارمغان اقبال'' موجود ہے۔

لائبریری میں کتابوں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے لیکن اگر کسی لائبریری میں گراموفون، ریکارڈ Cassettes اور ٹیپ ریکارڈنگ بھی ہو تو یہ سونے پہ سہاگا کا کام کرتی ہے۔ اکیڈمی کے پاس اس وقت ۱۹۴۷ء سے پہلے کے کشمیری زبان کے گراموفون ریکارڈ ہیں۔ اس کے علاوہ جدید دور کی غزلوں اور کلاسیکی سنگیت پر مبنی انٹرنیشنل ریکارڈنگ کے گراموفون ریکارڈنگ ہیں اور پاکستان کے کچھ صدابند کیسٹ بھی ہیں۔

3. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے قواعد وضوابط:

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے لئے سال ۶۴۔۱۹۶۳ء کچھ خاص تبدیلیوں کا حامل رہا ہے۔اس سال کے دوران مورخہ ۱۴راگست کو اکیڈمی نے ایک خودمختار ادارے کی حیثیت حاصل کی۔جموں وکشمیر ریاست کے آئین سازیہ کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت اس ادارے کو اپنا جدا آئین بنانے کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔اکیڈمی کا صدر دفتر سرینگر میں ہے لیکن اکیڈمی کے دفتر کو موسم سرما کے روان کلی یا جزوی طور پر جموں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے گورنر اکیڈمی کے سرپرست ہوں گے اور ریاست کے وزیر اعلیٰ اکیڈمی کے صدر ہوں گے۔معتمد (سیکریٹری) کا انتخاب اکیڈمی کی جنرل کونسل کرتی ہے۔اس کے لیے بہترین تجویز یہ رکھی گئی ہے کہ نائب صد معتمد (سیکریٹری) کو غیر سرکاری ممبران میں سے منتخب کیا جائے۔اکیڈمی کے انتظامی افسر اعلیٰ اس کے سیکریٹری ہوں گے جن کا تقرر صدرِ اکیڈمی حکومت جموں وکشمیر کے مشورہ سے کریں گے۔

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی بااختیار مجالس یوں ہیں۔

1. جنرل کونسل
2. مرکزی کمیٹی
3. مالی کمیٹی
4. ایسی دوسری کمیٹیاں جن کو مرکزی کمیٹی اکیڈمی کے لئے بااختیار یا مجاز قرار دے۔
5. حکومت جموں وکشمیر کے نامزد کئے ہوئے پانچ افراد جن میں سے ایک محکمہ اطلاعات اور ایک محکمہ تعلیم سے متعلق ہو۔
6. جموں وکشمیر کے آئین میں درج زبانوں میں سے ہر ایک کی نمائندگی کرنے والا ایک ایک شخص۔
7. جموں وکشمیر یونیورسٹیوں کے مطالعاتی بورڈوں کا ایک ایک نمائندہ، اُردو، ہندی، پنجابی، موسیقی اور فنونِ لطیفہ سے ہوں یا کوئی اور زبان جس کا مطالعاتی بورڈ یونیورسٹی میں موجود ہو۔اس کے علاوہ ڈوگری اور کشمیری کے مطالعاتی بورڈ کے دو دو نمائندے۔
8. ایسے دو نمائندے جن کو آل انڈیا ساہتیہ اکیڈمی، ریاستی کلچرل اکیڈمی سے انعام واعزاز ملا ہو یا دوسری ریاستوں کی ایسی اکیڈمیوں کے انعام یافتگان یا اعزاز یافتگان جن کو ریاستی کلچرل اکیڈمی تسلیم کرتی ہے۔

9. ریاست کی قانون ساز کونسل میں زبان وثقافت کا نمائندہ۔

10. اپنی ذاتی حیثیت میں جنرل کونسل کے نامزد کئے ہوئے افراد جن کی تعداد چار سے زیادہ نہ ہو۔

ان قواعد وضوابط کے علاوہ مشاورتی کمیٹیاں ہیں۔ جو ان کتابوں اور مسودوں کو جو اکیڈمی کو اشاعت کے لئے یا مالی معاونت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

ان قواعد وضوابط کے علاوہ مشاورتی کمیٹیاں ہیں جو ان کتابوں اور مسودوں کو دیکھتی ہیں جو اکیڈمی کو اشاعت کے لئے یا مالی معاونت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچرل اینڈ لینگویجز کے قیام سے لے کر آج تک کے صدور، نگران اور سیکریٹری حضرات کی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اکیڈمی نے گزشتہ پانچ دہائیوں میں نہ صرف یہ کہ ازخود دار دو زبان کے علاوہ ریاست کی دوسری زبانوں میں بھی بے شمار کتابیں شائع کیں بلکہ ریاست کے مختلف زبانوں میں لکھنے والے ادیبوں، شاعروں کے سینکڑوں مسودات بھی اکیڈمی کی مالی معاونت سے چھپ کر منظر عام پر آئیں جو مالی دشواریوں کے باعث ایسے ہی پڑے رہتے کیونکہ ان کے مصنفین انفرادی طور پر انھیں چھاپنے سے قاصر تھے۔ اکیڈمی کی اس اسکیم (مالی معاونت) سے اب تک سینکڑوں، ادیبوں اور شاعروں کی تصنیفات کتابی صورت میں قارئین کے سامنے آچکی ہیں۔ اکیڈمی نے اب تک بہت سی دوسری زبانوں کی تخلیقات کو اردو زبان اور بہت سی اردو تخلیقات کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا۔ اپنے دائرہ کار کو بڑھاتے ہوئے اکیڈمی نے اردو مشاعروں کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا ہے۔ جن میں مقامی اور غیر مقامی شعراء بھی حصہ لیتے رہتے ہیں۔

کلچرل اکادمی کی مجموعی کارکردگی کے پر ادباء، ناقدین اور صحافیوں نے قلم اُٹھایا ہے۔ یہ ادارہ ہمیشہ سے حدفِ تنقید بنا رہا۔ بعض دفعہ اکادمی میں ہوئی بے ضابطگیوں اور رسائل کے اجراء کرنے میں تعطل کار فرما رہنے کے سلسلے میں تو اخبارات میں شکایات درج کی گئیں اور کئی بار تو ایڈیٹوریل بھی تحریر کیے گئے۔

اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ کسی بھی ادارے کی ترقی کے لئے تبدیلی اتنی جلدی ممکن نہیں ہوتی لیکن کشمیری انسائیکلو پیڈیا کو قابل فہم بنانے کے لیے معاونین کو جو مختصر وقت دیا گیا وہ کسی طرح معقول نہیں تھا۔ جن ادباء کی کتابیں کلچرل اکادمی کے اہتمام سے شائع کی جاتی ہیں ان کے لیے فراخ دلی سے مالی معاونت کی جانی چاہئے کیونکہ چھپائی کی قیمت میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر

ایک بار کلچرل اکادمی نے کسی مرتب کو کچھ سبسڈی دی۔لیکن دوبارہ اُس میں اضافہ کی نوبت کبھی نہیں آئی اربابِ اختیار کے اس رویہ سے تخلیق کار رنجیدہ ہو جاتا ہے اور اپنا مسودہ شائع کرنے کی دلچسپی کھو بیٹھتا ہے۔

جہاں تک اس ایڈیٹوریل کا تعلق تھا اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ ایک ایسے وقت میں تحریر کیا گیا جب حالات بالکل دِگرگوں تھے۔ نیز زندگی کے تمام شعبہ جات مفلوج ہو کر رہ گئے تھے تو اُس صورت میں اکادمی کا معمول کے مطابق کام کرنا جوکھم کا کام تھا۔ان حالات میں مشاعرے کرانا اور دیگر قسم کی سرگرمیاں ممکن ہی نہیں تھیں۔اکادمی تو ویسے عتاب کا نِشانہ بنی ہوئی تھی اور کشمیر میں اس وقت حالات ادبی سرگرمیوں کے برعکس تھے۔اور کسی قسم کی بھی سرگرمی پر نہ صرف اکادمی بلکہ عملہ بھی نشانہ بن سکتا تھا۔اکادمی کو جب بھی مناسب مقام اور ماحول ملا اس نے مختلف پروگراموں کے ذریعے زبان وادب کی آبیاری اور ترویج وترقی میں آگے بڑھ کر حصہ لیا۔آج اکادمی زبانوں کی بقا کے لیے بُنیادی اقدام کرنے کے بجائے اُلجھنوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ جس سے زبانوں اور ادب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ بات تو ہر ذِی حس انسان محسوس کرتا ہوگا۔آج ہم احتجاج کریں تو کِس کے خلاف۔اس لیے اس دباؤ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم یقیناً وہ مقصد حاصل نہیں کر سکتے جس کی ہمیں توقع تھی۔ہمیں اس بات سے بھی انکار نہیں کہ اکادمی سے بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں لیکن اُن کے لیے افراد ذمہ دار ہوتے ہیں۔دوسری اکادمیوں کی نسبت ہماری اکادمی زبانوں کے نخلستان کی حیثیت رکھتی ہے۔اس وقت مختلف اکادمیوں کے ذریعے علم وادب کے چشمے سیراب ہو رہے ہیں۔مجبوری یہ ہے کہ ہم اس عہد میں کچھ نہیں کر سکتے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زبان وادب کے فروغ کا یہ سلسلہ شدت کے ساتھ اُس وقت برابر جاری تھا جب تک حالات پرسکون تھے اور اب بھی جاری ہے۔ان تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ کر اور کلچر اکیڈمی کی کارکردگی کو سامنے رکھتے ہوئے لداخ کے ایک مشہور تخلیق کار اکیڈمی کے بارے میں کہتے ہیں:

> ’’جب سے اکادمی کا قیام عمل میں لایا گیا تب سے لے کر آج تک اِس کی اپنی ایک منفرد تاریخ رہی ہے، جو قابل فخر اور قابل قدر ہے۔اکادمی قائم ہونے سے نہ صرف ہمیں اپنی زبان اور اپنے فن کو ترقی دینے میں مدد ملی، بلکہ اپنے کلچر، اپنی میراث کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں آگے بڑھانے اور وسعت دینے میں

بھی کافی مدد ملی ہے زندگی کے اِن شعبوں میں ایسے مثبت اقدام اُٹھانے کے لیے ریاست بھر کے لوگ اپنی اکادمی پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں''۔ [۱۲]

کلچرل اکادمی نے دوسری اکادمیوں کے مقابلے میں شدید دباؤ کے باوجود زبان و ادب، فن اور تہذیب کے میدانوں میں قابلِ رشک کام انجام دیا ہے۔ مختلف زبانوں سے وابستہ افراد ہی اس قابلِ تعریف کام کے لیے تہہ دل سے نہ صرف اِن کا شُکر یہ ادا کرتے ہیں بلکہ اس کام پر بجا طور پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں ریاست کی تینوں اکائیوں کے ادب کو ترقی دینے میں اکادمی نے بغیر کسی جانبداری کے کام کیا۔ اور اکادمی سے منسلک افراد نے ثقافت اور کلچر کو ترقی دینے میں بھی کافی دلچسپی لی۔ اس حقیقت سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ اکادمی نے کارہائے نمایاں انجام دی ہیں۔ علم، ادب، فنونِ لطیفہ، فلسفہ، گیان وعرفان، خطاطی غرض علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں برصغیر کو قائل کیا ہے۔

گذشتہ ۵۰ ربرسوں کے دوران اکادمی نے نہ صرف مصنفین کی کتابیں شائع کرنے کے لیے بھی مالی امداد دی جس سے مختلف زبانوں میں مطبوعات کی ایک بڑی اور خاصی تعداد سامنے آئی۔ بلکہ بزرگ اور ضرورت مند ادیبوں اور شاعروں کی مالی معاونت بھی کی۔ مطبوعات کا جہاں ذکر ہو وہاں اکادمی نے تمام زبانوں میں اشاعت کا پروگرام قیام سے ہی شروع کر رکھا ہے۔ اُن میں مختلف زبانوں میں ''شیرازہ'' اور ''ہمارا ادب'' جو کہ مختلف زبانوں کے توسط سے اکادمی کے ترجمان ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ریاستی اور بیرون ریاست کے ادیبوں کی تصنیفات بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس طرح ریاستی اکادمی کے پاس اس وقت اچھی اور معیاری کتابیں موجود ہیں۔

مختلف کتب کے ساتھ ساتھ مختلف ادبیات کا ترجمہ کر کے اکیڈمی دوسری زبانوں میں منتقل بھی کرتی ہے۔ ساتھ ہی اکیڈمی ادبی تنظیموں کو مالی اِمداد سے بھی نوازتی ہے۔ جو تنظیمیں باقاعدہ مختلف سطح کی ترقی کے لیے کام کرتی ہیں۔ مختلف ادبیات سے وابستہ نوجوان فن کاروں کی مجلس منعقد کر کے افسانے، مقالات، تخلیقات پڑھواتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادیبوں کی ایسی مجلیس ہوتی ہیں جن میں شاعر ادیب اور قارئین خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ برگذیدہ شاعروں و ادیبوں کی برسیاں منائی جاتی ہیں۔ مختلف علاقہ جات میں

---

[۱۲] سازکی لے تیز کرو، ''لداخی زبان اور کلچرل اکادمی'' مقالہ از جینگ گیالس، حصہ اول، ص ۲۳۱

ڈرامے پیش ہوتے ہیں بہترین ڈراموں اور اچھی اداکاری کے لیے انعامات دیئے جاتے ہیں ۔ ہر سال ریاست میں چھپنے والی معیاری کتابوں پر انعامات اور مصنف حضرات کو خلعت فاخرہ سے نوازا جاتا ہے ۔ اردو خطاطی کے لیے درس وتدریس کا کام شدومد سے جاری ہے۔تربیت کے دوران اِن طلباء وطالبات کے لیے وظیفے کا بھی انتظام ہے۔ٹائپ رائیٹنگ میں بھی پیش رفت ہورہی ہے۔تحقیق کے اقدامات کیے جاتے ہیں۔ ریاستی کلچرل اکادمی اور سنگیت ناٹک اکادمی کشمیر کی کلاسیکی صوفیانہ موسیقی کی ریکارڈنگ کا بھی اہتمام کرتی ہے تاکہ اُجڑے اور بکھرے ہوئے فن کو بچایا جائے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اکادمی کو دوسری اکادمیوں کے ساتھ برابر رابطہ ہے اور اُن کے ساتھ ہمیشہ اشتراک بھی کرتی آئی ہے۔اس طرح کشمیر، جموں اور لداخ کی ہم آہنگی اور قومی یگانگت کے فروغ میں اکادمی نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔اس کی مثال کسی دوسری اکادمی میں اتنی نمایاں نظر نہیں آتی ہے۔ان حقائق کے پیشِ نظر ہم بلاجھجک کہہ سکتے ہیں کہ زبان و ادب کے فروغ میں اکادمی سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کا اظہار پہلے ہی ہوا کہ جموں وکشمیر آئین کے سیکشن ۱۴۶ کے تحت ریاست میں ایک ایسا ادارہ قائم ہوا جو فنونِ لطیفہ اور زبانوں کے فروغ میں نمایاں کام انجام دے رہا ہے۔ ریاستی اکادمی مختلف زبانوں کے دباؤ کے پیش نظر اردو کی شناخت میں ہمیشہ لگی رہتی ہے کیونکہ یہاں جو زبانیں بولی جاتی ہیں اُن میں کشمیری، اردو، ڈوگری ،بلتی، پہاڑی نمایاں ہیں۔لیکن اردو کو ہمیشہ سے ریاست میں غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔اردو یہاں کے مختلف علاقوں میں رابطے کی زبان ہے۔ جو لوگ کشمیری بولی بولتے ہیں وہ بلتی نہیں بولتے جو لوگ ڈوگری بولتے ہیں وہ کشمیری نہیں بولتے ،یہی حال دوسری زبانوں کا بھی ہے۔لیکن اردو ریاست کے تمام خطوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔اسی لیے اردو ریاست جموں وکشمیر کی ’’لنگوا فرانکا‘‘ قرار پائی ہے۔کلچر اکیڈمی نے اردو زبان کو کس حد تک استحکام بخشا اس کے بارے میں ڈاکٹر ظہور الدین یوں رقم طراز ہیں:

> ’’۱۹۵۸ء میں جب ریاستی سرکار نے کلچرل اکادمی کا قیام عمل میں لایا تو اِس سے دوسری زبانوں کے ساتھ ہی ساتھ اردو کو مزید استحکام ملنے کے امکانات پیدا ہوگئے ۔کلچرل اکیڈمی نے مشاعرے منعقد کرنے فن پارے تخلیق کروانے اُنھیں شائع کرنے کے لیے امداد دینے ڈرامے تخلیق کروانے اور ڈراما فیسٹیول

منعقد کرنے ادیبوں کو فیلوشپ اوراعزازت دینے کتابوں پر ہر سال انعامات
دینے کے علاوہ ادبی انجمنوں کو مالی امداد دینے کا کام شروع کیا''۔ ۱۳؎

یہ بات صحیح ہے کہ اس ادارے کے قیام سے دوسری زبانوں کی طرح اردو کو بھی استحکام ملا۔ اس اِدارے کے ذریعے لوگ کافی تعداد میں اردو زبان سے مستفید ہوئے۔ اوراس زبان کو فروغ ملنے کے ساتھ باہر کی دنیا میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا کہ ریاست کے لوگ بھی اب اردو زبان میں خاطر خواہ اضافہ کر رہے ہیں۔ عوام اور خواص اردو زبان کو یکساں طور پر پسند کرتے ہیں۔ عالم دانشور اور فاضل اس زبان میں بات چیت کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں وہ اردو کے اشعار گنگناتے رہتے ہیں۔ اردو یہاں کے لوگوں کی رگ رگ میں رچ بس چکی ہے اردو کی اس غیر معمولی مقبولیت میں کلچرل اکادمی کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ بقول برج پریمی:

''کلچرل اکادمی کی کارکردگیوں کا دائرہ وسیع ہے اس کے فرائض میں نہ صرف ریاست میں مروج مختلف زبانوں کی ترویج اور توسیع ہے بلکہ سنگیت، رقص، مصوری اور فنونِ لطیفہ کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ یہاں کی ثقافت کی توسیع کا کام بھی ہے۔ لہٰذا اس ادارے سے یہ توقع کرنا کہ یہ اپنا دائرہ عمل محض اردو کی توسیع اور ترقی تک محدود رکھے گی صحیح نہیں ہے لیکن اس کے باوصف اِس ادارے نے اردو کو فروغ دینے کے لیے جو کام کیا ہے وہ قابل ستائش ہے اور جسے نظر انداز کرنا کورذوقی اور کم ظرفی ہے''۔ ۱۴؎

یہ بات دُرست ہے کہ اکادمی نے کئی زبانوں کی تخلیقات کو اردو میں منتقل کر کے ایک بڑا کام کیا ہے اور رسائل کے ذریعے یہاں کی تخلیقی زرخیزی کو اُبھرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ وادی کشمیر کی اکثریت کشمیری زبان کے علاوہ پہاڑی علاقوں اور صوبہ جموں کی اکثریت گوجری زبان بولتی ہے اور لداخ میں لداخی زبان بولی جاتی ہے۔ ان تینوں علاقوں کا رہن سہن، رسم و رواج بالکل مختلف ہے۔ ان میں باہمی رابطے کا واحد

۱۳؎ ریاست میں اردو زبان وادب کا ارتقاء، مقالہ نگار، ڈاکٹر ظہور الدین، تعمیر جموں وکشمیر اردو ادب نمبر ۳ ۱۹۷ء

۱۴؎ ترویج میں اکادمی کا حصہ، مقالہ از مرحوم برج پریمی ''ساز کی لے تیز کرو'' ص ۸۵

ذریعہ اردو زبان ہے۔ چونکہ اردو یہاں کی سرکاری زبان بھی ہے لیکن جو مقام اسے ملنا چاہئے تھا ابھی تک اس زبان کو نہیں ملا ہے اس سلسلے میں اگر ہم اکادمی کا بھی رول دیکھیں تو وہ مساراط پر مبنی رہا ہے یعنی اکادمی کے سامنے دوسری بولیوں کی طرح اردو بھی ایک زبان رہی ہے۔ لیکن اردو کا درجہ اگر چہ یہاں اول ہے تو اسی اعتبار سے اس پر کام بھی ہونا چاہئے تھا۔ مگر بدقسمتی سے آج تک اس بارے میں اقدامات ہی نہیں کیے گئے ہیں۔ ریڈیو کشمیر یا دوردرشن کو ہی لیجئے اردو اگر یہاں کی سرکاری زبان ہے تو اولیت اِسی کو ملنی چاہئے۔ اُس کے برعکس کیا ہوتا ہے کہ پہلے کشمیری خبریں نشر کی جاتی ہیں اور بعد میں اردو، جو کہ سراسر زبان کے ساتھ کھلواڑ ہے۔ کم از کم اگر اس زبان کی وسعت کو محدود رکھنا ہے اِسے اپنا مقام تو ملنا چاہئے جو اس زبان کو قانوناً حاصل ہے اردو ریاست کی واحد زبان ہے جو جموں وکشمیر کے ہر علاقے میں یکساں طور پر سمجھی جاتی ہے۔ ڈوگرہ حکومت میں ان اکائیوں کو اگر اکٹھا کر کے ریاست کی زبان اردو قرار پائی تھی تو اُس کے بعد اس زبان کے خلاف ہمیشہ سازشوں کا جال بچھایا گیا تو یہ زبان انتقام گیری کی زد میں آگئی۔ محمد اسد اللہ وانی نے کسی حد تک ٹھیک کہا ہے کہ۔

"اردو کے سلسلے میں صرف اتنا کہنا ہی بہتر رہے گا
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" ۱۵

یہاں یہ بات بھی عیاں ہے کہ اگر ہم اکادمی کی کارکردگی کا ٹھیک ٹھیک مطالعہ کریں تو اولیت کشمیری زبان کو حاصل ہے جب کہ اردو تیسرے درجے پر آتی ہے۔ یہاں ظاہر ہے کہ اردو کے ساتھ اکادمی نے وہی سلوک روا رکھا ہے جس کی یہ زبان مستحق نہیں۔ یہ بات تعصب کی نہیں بلکہ بنیادی حق سے مراد ہے۔ خیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پھر بھی اردو کی ترویج وترقی کے سلسلے میں جو کچھ اکادمی نے کیا اور کر رہی ہے وہ قابلِ تعریف ہے نہ کہ کافی ہے اور اس بات کا اندازہ عبدالرشید کابلی کے اِن تصورات سے ہوتا ہے جو انھوں نے سلور جوبلی تقریبات پر کیے تھے۔

"اکیڈمی کے ذریعے بھی اردو نظر انداز ہو رہی ہے۔ اسے بھی دوسری زبانوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ٹینگ صاحب نے جب آج ریاستی زبانوں کا ذکر کیا تو

---

۱۵ کلچرل اکادمی کی اردو خدمات، مقالہ، محمد اسد اللہ وانی، ساز کی لے تیز کرو، حصہ اول، ص ۱۱۱

> آخر میں اردو کا ذکر آیا اور ہندی کا بھی ۔ ہندی تو پورے ہندوستان کی قومی زبان ہے۔لیکن اردو ہماری سرکاری زبان ہے سرکاری زبان ہونے کے ناطے اس کی طرف خاص توجہ دی جانی چاہئے ۔ پورے ہندوستان میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں اس کے لکھنے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں یا جن کی یہ مادری زبان ہے اور پورے ہندوستان کی تہذیب میں اِس زبان کا ایک مقام ہے اس لئے ''شیرازہ'' پر پورے ہندوستان کی نگاہیں مرکوز ہیں ۔ نہ صرف ''شیرازہ'' پر بلکہ اکیڈمی کی دوسری مطبوعات پر بھی ۔ اکادمی کے بجٹ میں اردو کی ترقی کے لیے الگ سے ایک خاص رقم مخصوص ہونی چاہئے'' ۔ [۱٦]

اردو زبان کا کبھی بھی یہ مقصد نہیں رہا کہ دوسری زبانوں پر سوار ہو جائے ۔ بلکہ ریاست میں جو کچھ تخلیق ہو رہا ہے اُس میں سے اردو زبان واحد ہے جس کا دائرہ نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کے دیگر مما لک تک پھیلا ہوا ہے ۔اکادمی کو چاہئے کہ وہ اولین فرصت میں اردو کے حق کو تسلیم کرے اور دوسری زبانوں کی نسبت اس کی طرف خاص توجہ دے ۔

یہ کہنا صرف اردو کے عاشقوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت بہت پہلے تسلیم کی جا چکی ہے ۔جس کی بازگشت ہمیں نہ صرف برصغیر بلکہ یورپ، برطانیہ، امریکہ، جرمنی، متحدہ عرب اِمارات وغیرہ میں بھی سُنائی دیتی ہے ۔ یہاں صرف نام گننا مراد نہیں ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اس سائنسی دور میں بھی جب کہ یہ زبان اپنا اثر دکھلاتی ہے تو نہ جانے جموں و کشمیر میں اردو زبان کے قانونی دائرہ کو کیوں نہیں سمجھا جاتا ہے ۔اردو کو دنیا بھر میں ایک عظیم وقار حاصل ہے اس زبان میں تخلیقی ،تنقیدی اور تحقیقی کام ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے ۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں کہ امریکہ کی بائیس یونیورسٹیوں میں اُردو دو مختلف سطحوں پر پڑھائی جاتی ہے ۔شکاگو یونیورسٹی میں اردو شعبہ قائم ہے ۔کنیڈا میں اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے صرف اردو کی انجمنیں ہی کام نہیں کر رہی ہیں بلکہ وہاں اردو کے متعدد اخبارات اور رسائل بھی شائع ہوتے ہیں ۔رُوس میں بھی اردو کی

---

[۱٦] مرشید کابلی، ساز کی لے تیز کرو، حصہ اول، ص ۲۷۸

صورتِ حال بہت امید افضاء ہے۔ برطانیہ تو ایک طرح سے برصغیر کے بعد دوسرا گھر ہے۔ متحدہ عرب امارات، کویت، ایران تو اردو مشاعروں کے خاص مراکز ہیں۔ بقول نذیر احمد ملک:

''جہاں تک کشمیر میں اردو کے مستقبل کا تعلق ہے وہ اطمینان بخش ہے گو کہ پچھلی مردم شماری میں اردو کو مادری زبان لکھوانے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن بہر حال اردو یہاں کی سرکاری زبان ہے اور اس کے ذریعے ریاست کی تینوں وحدتوں کو سیاسی، انتظامی اور تہذیبی ضروریات انجام پذیر ہوتی ہیں۔ یہاں کے تقریباً سبھی اخبارات اردو میں چھپتے ہیں۔ یہ اخبارات پوری وادی میں خاصے مقبول ہیں اور بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں ریڈیو کشمیر اور ٹیلی ویژن سے اردو میں اچھے خاصے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ کئی رسالے چھپتے ہیں۔ جن میں یہاں کے اور بیرون ریاست کے فن کاروں کی تخلیقات چھپتی رہتی ہیں۔ یہاں کے نوجوان بھی اس میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ یہاں کی کلچرل اکادمی اور کشمیر یونیورسٹی کا شعبہ اردو بھی اردو کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح اردو کی ترویج اور ترقی کے سلسلے میں تقریباً تمام امکانات موجود ہیں''۔ ۱۷

اگر چہ بقول ڈاکٹر نذیر احمد ملک، تمام تر امکانات موجود ہیں جسے کہ اردو کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے یا قانونی طور بھی اس زبان کا حق بنتا ہے کہ اسے زیادہ اہمیت دی جائے۔ لیکن کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ اس زبان کو پیچھے کی طرف دھکیلا جائے۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ اردو ایک ایسی زبان ہے جسے بین الاقوامی زبان ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اس کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ اکادمی کا وہ کام سنہری حروف سے لکھا جائے گا جو اس نے اردو کی خاطر کیا ہے یہ تو مقام کے اعتبار سے ہی کیا جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ اردو یہاں کی زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں ہے۔ اور ریاست کے اختیار والے شعبوں میں ساری کاروائی اردو میں ہی تحریر ہوتی ہے۔ یہاں کی صحافت میں اردو کا رول کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یہاں کی عدلیہ میں تو

---

۱۷ کشمیر میں اردو ایک لسانیاتی جائزہ، تعمیر، مقالہ نگار، ڈاکٹر نذیر احمد ملک، شعبہ اردو، ص ۵

اسی زبان کا رواج ہے۔ اگر چہ اردو کے شانہ بشانہ انگریزی کا بھی نشان ہے پھر بھی عوام کا بڑا حصہ اردو زبان ہی لکھنا اور بولنا جانتا ہے۔ قانونی اعتبار سے دیکھیں تو لوگوں کے لیے یہ بات کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ دوسری زبانوں کو مدِ مقابل قرار دیا جائے۔ ملک راج صرافؔ نے اردو زبان کے بارے میں کہا ہے کہ بیسویں صدی تک اردو زبان کافی مقبول تھی لوگ اسے اپنی ہی زبان سمجھتے تھے، کوئی دوسری زبان اس کا نعم البدل نہ تھی اردو زبان کی اپنی گوناگوں اور رنگارنگ خوبیاں تھیں۔ خیر اردو کو دیوانگی کی حد تک لوگ چاہتے ہیں اور دنیا کے کونے کونے میں اس کے چاہنے والے موجود ہیں۔ لیکن پھر بھی یہاں جموں و کشمیر میں اس زبان کے ساتھ حکومت کی طرف سے سوتیلا سلوک کیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں اردو کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے پروفیسر محمد زمان اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

> ''اُردو کا کہنا ہی کیا ہے جس زبان کو اپنے مولد سے عملاً دیس نکالا مل چکا ہے اُسی کو کشمیریوں نے گلے لگا لیا۔ اس وقت یہ شرف ہماری ریاست کو حاصل ہے کہ اُردو اس کی سرکاری زبان ہے۔ محکمہ، مال، عدلیہ اور پولیس کے محکمے اپنا تمام کاروبار اسی زبان میں چلاتے ہیں۔ اسکولوں میں آٹھویں جماعت تک ۹۰ فیصد سے زیادہ طالبات اور طلباء اس زبان کو پڑھتے ہیں اور ذریعہ تعلیم بھی یہی زبان ہے۔ کشمیر یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ شعبہ اردو میں طلباء کی تعداد ملک بھر کی کسی بھی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے زیادہ ہے کہ آبادی کے لحاظ سے یہ تعداد نہ ہونے کے برابر ہونا چاہئے تھی۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے ملک بھر میں چھپنے والے اردو رسائل اور کتابوں کی کھپت یہاں سب سے زیادہ ہے مقامی اور ملکی سطح کی ریڈیو سروسز کے اردو پروگراموں کی لسننگ (Listening) بھی آبادی کے تناسب سے زیادہ ہے یہاں کی کلچرل اکادمی جس کے صدر ریاست کے وزیر اعلیٰ اور جموں کشمیر یونیورسٹیوں کے پرووائس چانسلر جناب شیخ عبداللہ ہیں ایک مدت سے اس کی ترویج و ترقی کے لیے خاطر خواہ کام کرتی آئی ہے۔ مکتبہ جامعہ کو تعاون پیش کر چکی ہے۔

جامعہ اور علی گڑھ کو ایک منظّم اور جامعہ ادارہ بننے کے لیے مالی امداد دے چکی ہے اس طرح اردو کی توسیع و ترقی میں کشمیر نے نمایاں حصہ لیا ہے چونکہ فرقہ واریت اور علاقائی عصبیت بھی کشمیر کی روح سے دور ہے اس لیے یہاں لگن سے کام ہوا‘‘۔ [۱۸]

اردو کے حلقہ بگوشوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت ساری کتابیں منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔ بہت سی نئی اصناف جنم لے چکی ہیں اور ایک مخصوص اندازِ فکر کے تحت اردو زبان و ادب کو بے پایاں اہمیت حاصل ہو رہی ہے۔ لہٰذا اردو کی انفرادیت اور مجموعی عظمت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ نقطۂ نظر میں بھی فرق میں استحکام بیاں ہو رہا ہے کہ انگریزی کی مرکزیت کے باوجود سرکاری دفاتر میں اس کو اولیت کا درجہ حاصل ہے یہ چراغ زمانے کی آندھیوں سے بجھنے والا نہیں ہے۔ بلکہ علم وفن، ادب وثقافت کی سطح پر اردو تمام علاقائی زبانوں کے لیے ایک کُھلا دروازہ ہے اردو زبان انتظامی اعتبار سے اپنا الگ اسلوب رکھتی ہے اردو کا کلچر علاقائی زبانوں کے خمیر سے بنا ہے لہٰذا اس زبان کو عوام کی ترجمانی، سیاسی اور معاشرتی رہنمائی حاصل ہے اردو لوگوں کے دلوں پر راج کرتی ہے۔ لیکن جموں وکشمیر میں کچھ لوگوں کے اختلافات نے اردو کو سائنسی زبان اور کمپیوٹر کی دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے کا نااہل قرار دے کر ایک وہم پیدا کر دیا ہے اور اس وہم کو دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اس وقت ہندوستان میں تقریباً گیارہ ریاستوں میں اردو کی ترویج اور ترقی کے لیے اکادمیاں قائم ہیں اس کے ساتھ ساتھ ترقی اردو بورڈ قائم ہے۔ اردو کے ساتھ ہمارا ماضی، حال اور مستقبل وابستہ ہے حیرت ہے کہ ہندوستان میں اردو جموں وکشمیر کے سوا کسی اور جگہ کی سرکاری زبان نہیں ہے۔ ہماچل پردیش، ہریانہ، آندھرا پردیش، اتر پردیش، بہار، راجستھان اور کرناٹک میں اس زبان کو دوسرا درجہ حاصل ہے۔ جن ریاستوں میں اردو کو تیسرا درجہ حاصل ہے ان میں پنجاب، دہلی، گجرات، مغربی بنگال، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹرا ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی قومی زبانوں میں جو آئین کے آٹھویں شیڈول میں شامل ہیں، اردو کا چھٹا درجہ ہے۔ متذکرہ درجات سے اردو کی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور قانونی طور سے بھی یہ

---

[۱۸] ......اردو ادیب، مقالہ از پروفیسر محمد زماں آزردہ، رسالہ آجکل، اگست، ۱۹۷۵ء

زبان ایک اہم مقام رکھتی ہے۔لیکن اس کی شناخت کومسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔جموں وکشمیر کے عوام نے بلاتفریق مذہب وملت اردو پڑھی اور لکھی اوراس کے ساتھ دلی لگاؤ بھی رکھا۔

بہرحال اس حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا ہے کہ ریاست جموں کشمیر میں اردو زبان وادب فروغ کے لیے جموں وکشمیرا کیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز نے جو رول ادا کیا ہے اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی کبھی ریاست میں اردو زبان وادب کی تاریخ لکھی جائے گی کلچرل اکیڈمی کی گراں قدر خدمات کوبھی سراہا جائے گا۔ریاست میں اس ادارے کا قیام ۱۹۵۷ء میں اس وقت کے وزیراعظم بخشی غلام محمد کی حکومت میں عمل میں آیا اور اُس وقت ریاست ایک خودمختار ملک کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے وہاں وزیراعظم ہوا کرتے تھے پھر ریاست کی مختاری چھین لی گئی اور ریاست میں وزیراعظم کے بجائے وزیراعلیٰ کا لفظ مقرر ہوا جو آج تک مستقل ہے۔اردو زبان اُس وقت سے لےکر آج تک رابطےاور سرکاری زبان کا درجہ حاصل کرکے کئی مراحل سے گزر چکی ہے۔

وزیراعظم بخشی غلام محمد کی حکومت میں کئی انجمنیں اورادبی مراکز قائم ہو چکے تھے۔تعلیمی اداروں میں اس زبان کی تعلیم کا خاطرخواہ انتظام تھا۔جموں وکشمیراورلداخ تینوں علاقوں میں رابطے کی زبان کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے فروغ حاصل کررہی تھی اور ریاست میں اُس وقت کے ادیب وشاعر اپنی مادری زبان کے بجائے اردو زبان کواپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ایسے وقت میں کلچرل اکادمی کے قیام نے اردو زبان وادب کےفروغ کومزید استحکام عطا کیا۔اس ادارے کے قیام واستحکام میں جموں وکشمیرا کیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کا قیام واستحکام میں جن اشخاص نے مخصوص عہدوں پر اپنے فرائض انجام دیئے ہیں ان کے اسمِ گرامی یوں ہیں:

ا۔ صدر President

ا۔بخشی غلام محمد	۲۔خواجہ شمس الدین	۳۔خواجہ غلام محمد صادق
۴۔سید میر قاسم	۵۔شیخ محمد عبداللّٰہ	۶۔ڈاکٹر فاروق عبداللّٰہ
۷۔خواجہ غلام محمد شاہ	۸۔مفتی محمد سعید	۹۔جناب غلام نبی آزاد
۱۰۔جناب عمر عبداللّٰہ	۱۱۔مفتی محمد سعید	

۲۔ نگراں Patron

۱۔ڈاکٹر کرن سنگھ ۲۔شری بھگوان ساہی ۳۔شری ایل۔کے۔جھا

۴۔شری بی۔کے۔نہرو ۵۔شری جگموہن ۶۔جنرل کے۔وی۔کرشنا راؤ

۷۔شری گریش چندرا سکسینا ۸۔لفٹ۔جنرل ایس۔کے۔سنہا ۹۔ جناب این۔این۔وہرا

۳۔ سیکریٹری Secretary

۱۔مرزا کمال الدین سید	اگست ۱۹۵۸ء	تا	نومبر ۱۹۶۰ء
۲۔خواجہ نور الدین	دسمبر ۱۹۶۰ء	تا	اگست ۱۹۶۱ء
۳۔سید علی جواد زیدی	ستمبر ۱۹۶۱ء	تا	دسمبر ۱۹۶۲ء
۴۔صاحب زادہ حسن شاہ	دسمبر ۱۹۶۲ء	تا	اپریل ۱۹۶۳ء
۵۔پروفیسر جے۔ایل۔کول	اپریل ۱۹۶۳ء	تا	مئی ۱۹۶۶ء
۶۔پروفیسر نیلامبر دیو شرما	مئی ۱۹۶۶ء	تا	جنوری ۱۹۷۲ء
۷۔خواجہ غلام محی الدین	فروری ۱۹۷۲ء	تا	اگست ۱۹۷۳ء
۸۔ایم۔یوسف ٹینگ	اگست ۱۹۷۳ء	تا	فروری ۱۹۷۵ء اور
	فروری ۱۹۷۶ء	تا	اپریل ۱۹۹۳ء
۹۔اختر محی الدین	اپریل ۱۹۷۵ء	تا	فروری ۱۹۷۶ء
۱۰۔پروفیسر ریتا جیتندر	مئی ۱۹۹۳ء	تا	اپریل ۱۹۹۵ء
۱۱۔پی۔جی۔چکرورتی،آئی۔ایس	مئی ۱۹۹۵ء	تا	اگست ۱۹۹۵ء
۱۲۔بلونت ٹھاکر	اگست ۱۹۹۵ء	تا	ستمبر ۲۰۰۳ء
۱۳۔رمیش مہتہ	ستمبر ۲۰۰۳ء	تا	دسمبر ۲۰۰۵ء
۱۴۔ڈاکٹر رفیق مسعودی	اپریل ۲۰۰۶ء	تا	اپریل ۲۰۰۸ء
۱۵۔ظفر اقبال منہاس	اپریل ۲۰۰۸ء	تا	نومبر ۲۰۱۱ء

۱۶۔اٹل ڈولوآئی۔ایس	نومبر ۲۰۱۱ء	تا	جون ۲۰۱۲ء
۱۷۔خالد بشیر احمد	نومبر ۲۰۱۲ء	تا	جون ۲۰۱۴ء
۱۸۔پروفیسر عزیز حاجنی	موجودہ		

بہر کیف اکیڈمی کو ان تمام باتوں سے بالاتر ہو کر اپنی کارکردگی اور اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے وہ اقدام کرنے کی ضرورت ہے جو شروع شروع میں اس ادارے نے کیے تھے اور موجودہ وقت کے تمام چیلنجز کو مدنظر رکھ کر اپنی ارتقائی منزلوں کو حاصل کرنا ہے۔ جموں و کشمیر اور لداخ کی تہذیبی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کی ساری رنگارنگیوں اور اسرار سے پردہ ہٹانے کا کام قسمت نے کلچرل اکادمی کے مقدر میں لکھا ہے۔ لداخ کے گُنپاؤں میں آج سے ایک ہزار برس پہلے کی دیواری تصاویر محفوظ ہیں اور یہ دنیا میں گنتی کے حساب سے سب سے بڑا اور عمر کے حساب سے سب سے پرانے نگارخانوں میں سے ایک ہے۔ اِن تصاویر میں چین اور ہندوستان کشمیر اور فارس ساری تہذیبوں کے موقلم اور نقوش جمع ہو گئے ہیں۔ ان کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کلچرل اکادمی کو ہی کرنی پڑے گی۔ اسی طرح جموں اور گول گلاب گڈھ سے لے کر بسوہلی تک قدیم تہذیبوں کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اُن کے راز ابھی کھولے نہیں گئے۔ کشمیر میں تو سلمان رُشدی کے بقول ہر آنگن کی مِٹی میں سات تہذیبوں کی تہیں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ کشمیر کے ہی کسی جنگل میں شہنشاہ کنشک کی امانت تامر پتروں کا وہ گنج بے بہا چھُپا ہوا ہے جس پر تیسری عالمی بودھ کونسل کی کاروائی درج ہے اور دو ہزار سال کے بعد جس کی دریافت تمام دنیا کے تہذیبی منظر کو زیروزبر کر سکتی ہے کلچرل اکادمی کو اپنے حواس اس قدر تیز کرنے ہوں گے کہ وہ اِن سرگوشیوں کو سُن کر ان کے حُسن سے سارے عالم کو متحیر کر دے۔

اس کے علاوہ کلچرل اکیڈمی کو اب جدید زمانے کی ٹکنالوجی سے ہاتھ ملا کر ریاست کی عظیم تمدنی میراث کو ماضی کے ہاتھ سے نکال کر مستقبل کے ہاتھوں میں سونپنے کے اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایک فلم کارپوریشن کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے اسے اپنے کاندھے تیار کرنے ہوں گے جس کے ذریعہ سے جموں، کشمیر اور لداخ کی ایک مستند تصویر پیش کی جا سکتی ہے۔

باب۔ چہارم

حصہ الف: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی تصنیفی خدمات

ذیلی ابواب:

1. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی اُردو کی کتابوں کا اجمالی جائزہ
2. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی مالی معاونت سے شائع شدہ اُردو کتابوں کا تعین قدر
3. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے ذریعہ ادبی تنظیموں اور ادیبوں کو دی جانے والی معاونت کا تعین قدر

حصہ ب: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کے تدریسی پروگرام

ذیلی ابواب:

1. خطاطی وخوشنویسی
2. اُردو ٹائپ ومختصر نویسی
3. انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس

1. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی اُردو کی کتابوں کا اجمالی جائزہ:

تہذیب ایک ایسا تنوع، رنگارنگ، ہمہ جہتی لفظ ہے جس کے سائے میں انسانی سماجی ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہے۔ تہذیب انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو ایک متمدن سماج کے لیے لازمی خیال کی جاتی ہیں۔ تہذیب ایک آرزو ہے، ایک تمنا ہے اپنے سماج میں رواداری، محبت، خیرسگال، وسیع النظری اور سلوٰت جیسے اقدار کے پیش نظر اپنے انفرادی مفادات کے بجائے پورے سماج کی ترقی اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے مل جل کر کام کرنے، تہذیب میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کا تعلق اقدار اعلیٰ کے اعیاں سے ہے۔ جن کا تعلق انسان کی علمی جدوجہد، اس کی ذہنی کاوش اور سوچ اور فکر سے ہے۔ تہذیب میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جن کا تعلق مادّی مظاہر سے ہے۔ مادّی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو تہذیب میں لباس، مصوری، سنگتراشی اور فن تعمیر وغیرہ کے مظاہر سبھی کچھ شامل ہیں۔ اگر روحانی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو علوم وفنون کے شعبے، ادب وفلسفہ، امداد، خیالات، احساسات اور تصورات وغیرہ تہذیبی مظاہر کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ تہذیب درحقیقت ایک معاشرتی ورثہ ہے جو ایک مقدس اور محترم روایت کے طور پر ایک نسل اپنے بعد آنے والی نسل کو منتقل کرتی ہے۔

تہذیب کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ماہرین سماجیات نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں مختلف زمانے میں مختلف انداز سے دیا ہے۔ اُردو زبان کا لفظ ''تہذیب'' انگریزی زبان کے لفظ ''کلچر'' (Culture) کے مترادف کے طور پر مدّت سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ لفظ 'کلچر' (Culture) انگریزی زبان میں لاطینی (Latin) زبان کے لفظ (Cultra) کے مادّے سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ کھیتی باڑی کرنے اور زمین کو جوتنے اور اسے فعل کے لیے تیار کرنے کے تھے۔ مگر دوسرے مفہوم میں کسی مخصوص جغرافیائی خطہ میں کسی انسانی جماعت کا بودوباش اختیار کرنا اور ان کا طرز زندگی اس سے مراد لیا جانے لگا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایک مخصوص معنیٰ و مفہوم میں کثرت استعمال سے لفظ 'کلچر' کے ابتدائی معنیٰ اس کے اصطلاحی معنیٰ میں گم ہو کر رہ گئے۔ ''انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا'' میں لفظ 'کلچر' کی یہ تعریف درج ذیل ہے:

> ''لفظ 'کلچر' سماجی، ذہنی اور جمالیاتی مفہوم کے اعتبار سے استفادہ ہے جو لاطینی لفظ Cultra سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں زمین کی کاشت کرنا۔

سویلیزیشن (Civilisation) کا لفظ خالصتاً وحشیانہ طرز حیات کے مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جو دراصل غیرت کا حال احوال ظاہر کرنے کے لیے جامع لفظ ہے۔ کلچر کے معنیٰ کے لیے متضاد معنیٰ کا لفظ اصولی طور پر کہیں نہیں ملتا جو عدم کلچر کی عکاسی کے لیے صریحاً استعمال ہوا ہو۔ ذہنی نشو ونما اس طرح ایک عمل ہے جو متشابہاً زمین کی کاشت کے ہم معنیٰ قرار پاتا ہے۔ اس طرح استفادہ کے طور پر کلچر زمین کی افتادگی کے لیے مستعمل ہوا''۔[1]

''انسائیکلوپیڈیا برٹینکا'' میں تہذیب یا کلچر کے چار مفہوم بتائے گئے ہیں۔ یعنی کلچر انسانی ذہن کی عمومی حالت اور اس کی نشو ونما ہے۔ مجموعی اعتبار سے کلچر کسی انسانی سماج کی اخلاقی اور ذہنی نشو ونما ہے۔ اس کے علاوہ کلچر سے آرٹ اور انسانی ذہن کے اکتسابات اور خلاقانہ کارنامے لیے جاتے ہیں اور چوتھے اس سے مراد ایک انسانی سماج کا مخصوص اور منفرد طرز حیات ہے۔

اس طرح تہذیب، کلچر یا ثقافت ساری زندگی پر محیط ہے۔ اس کا مقصد انسانی زندگی کی اصلاح اور اس کا ہمہ جہتی ارتقاء ہے۔ تاکہ کسی سماج میں قیام کرنے والے افراد کارگاہِ حیات میں مہذب اور منظّم طریقے سے زندگی بسر کرسکیں اور اپنے ذہنی اکتسابات اور خلاقانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے کارہائے نمایاں انجام دے سکیں جو حیات انسانی کے ارتقاء میں سماج کے ذمے دار افراد کی حیثیت سے ان پر لازم ہے۔ تہذیب کا اطلاق کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے نیز علم و ادب، فکر و فلسفہ، طور طریقہ، سیاست، مذہب، اعتقادات معیشت اور تفریحی مشاغل وغیرہ پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مخصوص عہد میں کسی سماج کی تہذیب کو ہم اس دور میں اس سماج کی ہمہ جہتی ارتقاء بھی کہہ سکتے ہیں۔

تہذیب کی تعمیر میں سماج کے ہر فرد کا حصہ ہوتا ہے۔ سماج میں رہنے والا ہر شخص اپنی تہذیب کا علم بردار ہوتا ہے۔ تہذیب کسی واحد شخص یا چند اشخاص کا سرمایہ نہیں بلکہ پورے سماج کی مشترکہ میراث ہے۔ تہذیب کی نمود کے لیے ایک ایسے نظام خیال کی ضرورت ہوتی ہے جو افراد میں غیر کی قوتوں کو ابھارنے اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ہمیز کرسکے۔ ان میں زندگی کا مقصد اور اس کے کچھ معنیٰ پیدا کرسکے۔ یہ نظام خیال جتنا

---

[1] ترجمہ Encyclopedia Britanica بحوالہ، ڈاکٹر منصور احمد منصور، اُردو افسانے میں ہندوستانی تہذیب، جلد ۱، ص ۲۷۲

زیادہ پائیدار اور مستحکم ہوگا اور اس کا رشتہ معاشرے سے جتنا گہرا ہوگا اتنا ہی معاشرہ اس سے ہم آہنگ ہوگا۔ بقول سید مجاور حسین:

> ''کلچر ایک مشترکہ طرزِ عمل ہے۔ جس میں رہنا، سوچنا اور کام کرنا شامل ہے۔
> اس کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔
> i. اقتصادی اور جغرافیائی حالات سے ہم آہنگی۔
> ii. ماحول کے سیاسی اور سماجی ضروریات کے تحت ایک مشترکہ تنظیم۔
> iii. ایک ایسی جماعت جو تصورات، طرزِ فکر اور کارناموں کی حامل ہو۔
> کلچر میں فنون لطیفہ، ادب، سائنس، ایجادات اور مذہب آتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وابستہ آداب، عقائد اور اداروں کے نمونے کا نام کلچر ہے''۔ [۲]

لہٰذا اپنی زندگی اور مستقبل کو بہتر بنانے کی نیک تمنا نیز سماج کو بہتر بنانے کی آرزو میں سماج کے مختلف طبقوں کا مل جل کر کام کرنا، جس کے نتیجہ میں مختلف تہذیبی ادارے وجود میں آتے ہیں کو کلچر، تہذیب اور ثقافت کہا جا سکتا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر نے صدیوں سے اپنے کلچر، تہذیب، ثقافت اور آرٹ کی وجہ سے پوری دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اپنے کارناموں کے جوہر سے ساری دنیا کو قائل کیا ہے۔ یہ کارنامے ایسے ہیں جن کے باعث یہاں کی رعنائیوں میں کئی رنگوں کا اضافہ ہوا ہے۔ علم و ادب، فنون لطیفہ، فلسفہ، گیان، عرفان غرض ہر شعبہ میں یہاں کے لوگوں نے چراغ روشن کیے ہیں۔ سنسکرت اور فارسی ادبیات کے بعد جس زبان نے اہل کشمیر کو اپنا گرویدہ بنایا وہ اُردو زبان ہے۔ اُردو نے اگرچہ ہماری ریاست سے بہت دور جنم پایا لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی اور اپنے تخلیقی ذہن کی تمام توانائیوں کے ساتھ اس زبان اور اس کے ادب کی توسیع میں رول ادا کیا اور اس بات کے باوصف کہ ہم کو اہل زبان ہونے کا دعویٰ نہیں لیکن ریاست کے لوگوں نے اس زبان کو اپنی مادری زبان سے کم اہمیت نہیں دی۔ یہی وہ زبان ہے جس کو اہل کشمیر نے برس ہا برس تک ذریعہ اظہار بنایا، جس میں اہل وادی نے پہلا اخبار نکالا، پہلا افسانہ تخلیق کیا،

---

[۲] سید مجاور حسین، اُردو شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر، ص ۲۰۔۱۹

پہلی تنقید لکھی اورتحریک آزادی کے پہلے نغمے گائے۔ یہ زبان برسوں تک درباری زبان رہی ہےاورآج بھی اِسے سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہےآج بھی اس زبان کوتمام صحبتوں کے ساتھ گلے لگائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس زبان میں تعداد کے اعتبار سے وادی کے رہنے والوں کے کارنامے بہت قلیل ہیں۔لیکن اُردو زبان وادب کا کوئی سنجیدہ قاری ان کارناموں کی اہمیت کوصرف نظرنہیں کرسکتا اور یہ دعویٰ بے بنیادنہیں کہ اُردو کی کوئی بھی ادبی تاریخ ریاست جموں وکشمیر کا ذکر کیے بغیرمکمل نہیں ہوسکتی۔

ریاست جموں وکشمیر میں اُردوزبان وادب کے خدوخال ڈوگرہ عہد میں ابھرنے لگے حتیٰ کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد حکومت کے دوران ۱۸۸۹ء میں اسے سرکاری زبان کے طور پرتسلیم کیا گیا۔ یہ ریاست میں اس زبان کی مقبولیت تھی کہ جس نے آہستہ آہستہ فارسی کی جگری اوراس ریاست کے باصلاحیت لوگوں نے اس زبان کے توسط سے یہاں کی معاشی،سماجی اورادبی زندگی میں اپنارول ادا کرنا شروع کیا۔انہی باتوں کی وضاحت ڈاکٹر برج پریمی اپنے مقالہ میں یوں کرتے ہیں:

> ''ڈوگرہ شاہی کے طوقِ غلامی کواُتارپھینکنے کے بعد جب ریاست کے باشندوں نے آزادفضاؤں میں سانس لیناشروع کیاتواورباتوں کےعلاوہ جس بات کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہوئی وہ گنگ وجمن کی فضاؤں سے معطریہی زبان تھی۔ہم نے اپنی علاقائی زبانوں میں یعنی کشمیری، ڈوگری اورلداخی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس زبان کی وسعت، پھیلاؤ اورترقی کی راہیں نکالیں ہیں کہ یہی زبان ہماری ریاست میں رابطے کی زبان ہےاوراس کی بدولت یہاں کے لوگ ریاست کی کلچرل اکائیوں کے ثقافتی رشتوں کوفروغ دے سکتے ہیں''۔ ۳۳

اکیڈمی نے گزشتہ آدھی صدی میں نہ صرف ازخودکافی کتابیں شائع کروائی ہیں بلکہ مسودات بھی چھپ کرمنظرعام پرآئے ہیں۔جو مالی دشواریوں کے باعث مصنفین کی عدم توجہ کے شکار ہوچکے تھے۔اکیڈمی نے مالی امدادفراہم کرکے یہ دشواریاں کسی حدتک دورکردیں اور بہت سے گرانقدرکارنامے سامنے آئے۔اسی طرح دوسری کئی زبانوں کی تخلیقات کواُردو میں اوراُردوتخلیقات کودوسری زبانوں میں منتقل کرکے اُردو کے

---

۳۳ ڈاکٹر برج پریمی،سازکی لے تیزکرو،ص۷۹۔۸۷

لیے اہم کام انجام دیا ہے اوراس طرح پورے ملک کے اُردو سے دلچسپی لینے والوں کا حلقہ بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ وہ کتابیں جو مالی دشواری کی وجہ سے شائع نہیں ہوسکتی تھیں انھیں نے شائع کرنے کا کام جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ریاست میں اُردو ادب کو فروغ دینے اور ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم دینے کا تمام سہرا اکیڈمی کے سر جاتا ہے۔

جموں وکشمیر اکیڈمی نے از خود جن اُردو کی کتابوں کو شائع کیا ہے ان کی فہرست درجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	تدوین وترتیب کار	جلد	سن اشاعت
۱	اُردو کشمیری فرہنگ	کلچر اکیڈمی		۱۲	۱۹۶۷
۲	دیوان میر	کلچر اکیڈمی	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۷۳
۳	تفسیر غالب	ڈاکٹر گیان چند	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۷۱/۱۹۸۶
۴	وطن کی پکار	محمد یوسف ٹینگ	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۶۴
۵	تذکرہ قدیم شاعرات اُردو	ڈاکٹر اکبر حیدری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۹۴
۶	ساز کی لے تیز کرو	کلچر اکیڈمی	محمد یوسف ٹینگ	۲	۱۹۸۵۔۱۹۸۴
۷	ڈوگری کور ادب اور پہاڑی	لکشمی نارائن وسنسار چند	نیلامبر دیو شرما		۱۹۶۹
۸	کشمیر میں اُردو	پروفیسر عبدالقادر سروری	محمد یوسف ٹینگ	۳	۱۹۸۴
۹	بُرج نور: حیات وحالات حضرت شیخ نورالدین نورانی	پروفیسر عبدالقادر سروری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۸۱
۱۰	انتخاب اُردو ادب		نور شاہ		۱۹۷۳
۱۱	ریشیات	محمد یوسف ٹینگ	رشید نازکی	۲	۱۹۹۲/۱۹۷۸
۱۲	کشمیری زبان اور شاعری	عبدل احد آزاد	محمد یوسف ٹینگ	۳	۱۹۶۳/۱۹۸۳
۱۳	چنار رنگ	غلام نبی آزاد	محمد یوسف ٹینگ		۲۰۱۰
۱۴	نئی مسیت اور عصری اُردو شاعری	حامدی کاشمیری			۱۹۷۴
۱۵	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات وشمول کرالر دازی	حامدی کاشمیری			۱۹۵۹ئ
۱۶	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات	پروفیسر شمس الدین احمد			۱۹۵۹

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	تدوین و ترتیب کار	جلد	سن اشاعت
۱۷	پربت اور پنگھٹ	پروفیسر شمس الدین احمد	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۷۱
۱۸	کلام اقبال (نادر اور نایاب رسالوں کے آئینے میں)	ڈاکٹر حیدری	محمد یوسف ٹینگ		۲۰۰۱
۱۹	لل دید	ترجمہ پروفیسر نند لال کول	پروفیسر جیالال کول		۱۹۸۴
۲۰	نیل مت پوراتی	ترجمہ ارجن دیو مجبور	پروفیسر جیالال کول		۲۰۰۷
۲۱	سلسلہ انتخاب منظومات کے شاعر رسول میر	ترجمہ ارجن دیو مجبور	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۶۰
۲۲	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات حقانی	مولانا فطرت کاشمیری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۵۹
۲۳	دیوان غنی	ملا محمد طاہر غنی کشمیری	علی جواد زیدی		۱۹۶۸
۲۴	مٹک یارائے	پدم بھوشن ڈاکٹر بھائی ویر سنگھ، ترجمہ ہربنس سنگھ آزاد	علی جواد زیدی		۱۹۷۵
۲۵	کلیات آزاد	عبدل احد آزاد ترجمہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو			۱۹۶۷
۲۶	ریشی نامہ	ملا بہاء الدین موّ	محمد اسد اللّٰہ وانی		۱۹۸۲
۲۷	کلیات ہجور	ترجمہ سلطان الحق شہیدی	محمد اسد اللّٰہ وانی		۲۰۰۹
۲۸	جموں کشمیر کے اُردو مصنفین	جان محمد آزاد			۲۰۰۴
۲۹	کشمیر میں عربی شعر و ادب کی تاریخ	ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری			۱۹۹۳
۳۰	خیابانِ کشمیر	انتخاب	غلام نبی خیالی		۱۹۹۸
۳۱	چنار رنگ	انتخاب	غلام نبی خیال		
۳۲	تحسین جعفری	منشور بانیالی	غلام نبی خیال		۲۰۰۹
۳۳	چنار رنگ (کشمیر کے بارے میں لکھی گئی نظمیں)	انتخاب	بشیر اطہر		
۳۴	غلام رسول نشاط کشتواڑی	ولی محمد اسیر کشتواڑی	بشیر اطہر		۲۰۰۹
۳۵	نظر اور نظارہ	کلچر اکیڈمی	محمد احمد اندرابی		۱۹۸۲

نمبرشمار	کتاب کا نام	مصنف	تدوین وترتیب کار	جلد	سن اشاعت
۳۶	ملفوظات نظامیہ	حضرت میاں محمد طہر اللہ البعر وز حضرت باباجی صاحب لاروی	محمد احمد اندرابی		
۳۷	منظر اور پس منظر	رسول پونیر	محمد احمد اندرابی		
۳۸	خواب زار (شعری مجموعہ)	شجاع سلطان	محمد احمد اندرابی		۲۰۱۳
۳۹	خیابان خیابان	راوش صدیقی	محمد احمد اندرابی		
۴۰	سید گل	شمس فقیر	محمد احمد اندرابی		
۴۱	اکیڈمی مخطوطات	کلچر اکیڈمی		۲	
۴۲	جدید ڈوگری ادب کا ارتقاء	ٹھاکر کر پونچھی	محمد احمد اندرابی		
۴۳	محفل اقبال	کلچر اکیڈمی	محمد احمد اندرابی		
۴۴	شمس العارفین	کلچر اکیڈمی	محمد احمد اندرابی		
۴۵	وہ جینیں کوئی نہیں جانتا	انور صابری	محمد احمد اندرابی		
۴۶	انوار ابوالکلام آزاد	کلچر اکیڈمی	علی جواد زیدی		
۴۷	ریشیات	کلچر اکیڈمی	اسد اللہ وانی		
۴۸	نکات ورقعات غالب	اکبر علی خاں	اکبر علی خاں		
۴۹	غنی کشمیری	ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی	اکبر علی خاں		۱۹۷۲
۵۰	مثنویاں فانی	ڈاکٹر امیر حسن عابدی			۱۹۶۴

نوٹ:

1. ان کے علاوہ بہت ساری کتابیں ہیں جو بڑی کوشش وتک کے دو کے بعد بھی نہ مل سکیں اور کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کے پہلے اوراق ہی نہیں ہیں۔
2. کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتابوں کی فہرست نہیں ہے اور نہ ہی وہاں موجود لائبریری میں کتابوں کی کوئی فہرست موجود ہے۔
3. ان کتابوں میں اکیڈمی سے ہر سال ایک انتھولاجی ہمارا ادب اُردو نامہ رسالہ شائع ہوتا ہے جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں ہوتا ہے شامل نہیں کیا گیا ہے۔

گزشتہ برسوں میں اکیڈمی نے اپنی طرف سے کئی بلند پایہ اور معیاری کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جو خود اکیڈمی نے شائع کروائی ہے ان کتابوں کا معیار کیا ہے اگر چند کتابیں مثلاً اُردو کشمیری فرہنگ، تفسیر غالب، نکات واقعات غالب، نئی میسیت اور شاعری، انوار ابوالکلام کشمیری زبان اور شاعری، کلیات آزاد، محفل اقبال، کشمیری اُردو، انتخاب اُردو ادب، وطن کی پکار اور دیوان میر وغیرہ کو پڑھا جائے تو ہر شخص یہ کہے گا کہ واقعی یہ کتابیں اُردو ادب والوں کے لیے کسی انمول تحفے سے کم نہیں۔ اُردو کشمیری فرہنگ ہی کو لیجئے ۱۲ جلدوں پر مشتمل یہ فرہنگ تقریباً ۸۰ ہزار الفاظ کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں الفاظ کے معنیٰ، تلفظ، ان کی اصل اور ماقدات شامل ہیں اس لغت کو فرہنگ آصفیہ، فیروز الغات، نور الغات، مہذب الغات اور پلیٹس (Plates) کی اُردو۔انگریزی لغت کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ یہ ضخیم فرہنگ ایک کارنامے سے کم نہیں۔ ان اُردو کتابوں کے علاوہ باقی زبانوں (کشمیری، ڈوگری، ہندی، گوجری، پہاڑی، پنجابی، لداخی، انگریزی) میں تقریباً ۲۵ ہزار کتابیں ہے جو تقریباً چھ لاکھ سے زیادہ کاپیوں کی شکل میں آج تک جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سے شائع ہو چکی ہیں۔

جموں وکشمیر اکیڈمی کی گزشتہ کئی برس سے یہ روایت رہی ہے کہ مختلف زبانوں کی کتابوں کا اُردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کیا گیا۔ جیسے کہ اُردو کی متعدد شخصیات کے کارناموں کو کشمیری، ڈوگری اور گوجر وغیرہ زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ پریم چند کی بعض کہانیوں، غالب نمبر، اقبال نمبر، پریم چند نمبر وغیرہ کو کشمیری اور ڈوگری زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا۔ یہ بات اس ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے کہ اسی طرح کشمیری، فارسی اور ڈوگری ادبیات کو بھی اُردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ وہ کتابیں جن کو مختلف زبانوں سے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ترجمہ کار
۱	عبدل احد نادم (منتخب نظمیں)	عبداحد نادمؔ	غلام رسول نازکی
۲	آزاد (منتخب نظمیں)	عبدل احد آزادؔ	پی۔این۔پُشپ
۳	حبہ خاتون (منتخب نظمیں)	حبہ خاتون	امین کامل
۴	حقانی (منتخب نظمیں)	پیر عزیز اللہ حقانیؔ	فطرت کشمیری
۵	مجور (منتخب نظمیں)	غلام احمد مجورؔ	پی۔این۔پُشپ

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ترجمہ کار
۶	محمود گامی (منتخب نظمیں)	محمود گامیؔ	غلام نبی خیالؔ
۷	مقبول کرالہ واری (منتخب نظمیں)	مقبول کرالہ واری	ڈاکٹر حامدی کاشمیری
۸	پرمانند (منتخب نظمیں)	پرمانند	ایس۔کے۔توش کھانی
۹	رسول میر (منتخب نظمیں)	رسول میرؔ	محمد یوسف ٹینگ
۱۰	شمس فقیر (منتخب نظمیں)	شمس فقیرؔ	پروفیسر ایس۔ڈی۔احمد
۱۱	پربت اور پنگھٹ	محمد یوسف ٹینگ	کلچرا کیڈمی دوجلدیں
۱۲	وہاب پرے (منتخب نظمیں)	وہاب پرے جاجنیؔ	پروفیسر محی الدین جاجنیؔ
۱۳	ڈوگری لوک ادب اور پہاڑی آرٹ	سنسار چند	لکشمی نرائن
۱۴	لل دید	پروفیسر جیالال کول	پروفیسر نندلال کول
۱۵	نیل مت پوران		ارجن دیو مجبورؔ
۱۶	دیوان غنی	ملا محمد طاہر غنی کشمیری	علی جواد زیدی
۱۷	مٹک ملادے	پدم بھوس	ہربنس سنگھ آزاد
۱۸	کلیات آزاد	عبدل احد آزاد	ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو
۱۹	کلیات مہجورؔ	غلام احمد مہجورؔ	سلطان الحق شہیدی
۲۰	دیوان میر	میرؔ	ڈاکٹر اکبر حیدری

نوٹ:

اس کے علاوہ بھی کتابیں ہوسکتی ہیں جن کو اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہو۔ اکیڈمی میں کوئی فہرست نہ ہونے کی وجہ سے صحیح معلومات حاصل نہ ہوسکی۔ اس کے علاوہ اکیڈمی ایک بار آگ کی نذر ہوئی ہے اور حال میں سیلاب کی زد میں بھی آئی ہے۔

2. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی مالی معاونت سے شائع شدہ اُردو کتابوں کا تعین قدر:

جموں کشمیر کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۴۱ء سے مختلف زبانوں کے مصنفین کو ان کی کتابوں پر مالی معاونت کرنے کا کام شروع کیا تھا جو اب بھی جاری ہے۔ کلچرل اکیڈمی نے آج تک اپنی طرف سے کئی ساری کتابیں شائع کروائی ہیں اور شائع کروا رہی ہے یہ ایک ایسا کام ہے جو خود اپنے آپ میں ایک مثال اور ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور خصوصاً اُردو زبان و ادب کے فروغ، ترقی و ترویج کے لیے یہ کام سب سے زیادہ معاون و مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

کلچرل اکیڈمی مصنفین کو ان کی کتابیں شائع کرنے کے لیے کل رقم کا تخمینہ لگا کر خرچ کی آدھی رقم سبسڈی کے طور پر دیتی آ رہی ہے۔ اس طرح سے اُردو زبان و ادب سے متعلق وہ بہت ساری کتابیں بھی منظر عام پر آئیں جو مالی مسائل کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکیں تھی۔ اور اس فیصلے سے بہت سے ایسے ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے جنھیں اپنی تخلیقات منظر عام پر لانے کی استطاعت نہیں۔ بقول ڈاکٹر برج پریمی:

> ''اکیڈمی نے گزشتہ برسوں میں نہ صرف از خود کافی کتابیں شائع کروائی ہیں بلکہ ایسے مسودات بھی چھپ کر منظر عام پر آئے ہیں، جو مالی دشواریوں کے باعث مصنفین کی عدم توجہ کے شکار ہو چکے تھے۔ اکیڈمی نے مالی امداد فراہم کر کے یہ دشواریاں کسی حد تک دور کر دیں اور بہت سے گرانقدر کارنامے سامنے آئے۔ اس طرح دوسری کی زبانوں کی تخلیقات کو اُردو میں اور اُردو تخلیقات کو دوسری زبانوں میں منتقل کر کے اُردو کے لیے کام کر رہی ہے''۔ [۴۲]

حکومت نے تمام زبانوں اور تعلیم کی ترقی، فروغ اور ترویج کے لیے کام کرنے والی جن متحرک اور فعال شخصیات کو مختلف اوقات میں مقرر کیا ان میں باقی زبانوں کی طرح اُردو زبان میں علی جواد زیدیؔ، محمد یوسف ٹینگ، حامدی کاشمیری، مولی لال سامی، پروفیسر عبدل رشید نازکی، ڈاکٹر شفق سوپوری، اسد اللہ وانی، محمد احمد اندرابی، محمد اشرف ٹاک وغیرہ قابل ذکر ہیں ان لوگوں نے یہاں کی زبانوں اور ادب کی ترقی اور تحفظ کے لیے مختلف شاعروں، ادیبوں اور انجمنوں سے مل کر ایسا کام کیا ہے۔ شاید ہی برصغیر کی کسی اکیڈمی کے

---

[۴۲] ڈاکٹر برج پریمی، ساز کی لے تیز کرو، ص ۸۱

حصے میں ایسا کام ہوا ہوگا۔ کیونکہ باقی کسی ریاست میں شاید ہی کوئی اکیڈمی اتنی زبانوں، ثقافت اور کلچر پر کام کرتی ہوگی۔

جموں کشمیر اکیڈمی میں جو لوگ بھی وقتاً فوقتاً کام کرتے رہے ہیں انھوں نے اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تکمیل کے لیے موجودہ گرانٹ ناکافی کی شکایت ہمیشہ کی ہے اور حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کروائی اور مزید رقم کی فراہمی کے لیے کامیاب کوشش بھی کیں۔ پہلے پہلے تو مرکزی حکومت آدھا بجٹ دیا کرتی تھی لیکن بعد میں مرکزی سرکار نے اس ادارے کو اس کام کے لیے مالی معاونت دینے سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ اس بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رمیش مہتا لکھتے ہیں:

''۱۹۷۱ء میں اکیڈمی نے مرکزی سرکار کی اس یقین دہانی کو دھیان میں رکھ کر اس منصوبہ پر جتنا بھی خرچ ہوگا اس سے اکیڈمی اور مرکزی سرکار میں برابر بانٹا جائے گا۔ ادیبوں، فنکاروں اور دوسرے ایسے ہی افراد یا ان کی بیواؤں کو ایک مقرر رقم بطور مالی امداد دینا طے کیا تھا تاکہ انھیں مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مرکزی سرکار نے بعد میں اس منصوبے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا تو بھی اکیڈمی نے اس اسکیم کی اہمیت کو دھیان میں رکھ کر اور اپنے آئین پر پورا اُترنے کی غرض سے اِسے جاری رکھا ہے''۔ ۵

بہرکیف یہ اسکیم ابھی کلچرا کیڈمی کی طرف سے جاری ہے اور ہر زبان کے ادبی فن پارے ہر سال منظر عام پر آتے ہیں۔ اس مالی معاونت کی وجہ سے اُردو زبان کی بہت ساری کتابیں آج تک شائع کی گئی ہیں۔ اور ابھی بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ہر سال درجنوں کتابیں اُردو زبان کی بھی شائع ہو رہی ہیں جیسے کہ موتی لال ساقی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''اکیڈمی ہر سال اُردو کے درجنوں کتابوں کی اشاعت کے لیے مالی معاونت کرتی ہے۔ کشمیر سے شائع ہونے والی مختلف زبانوں کی کتابوں میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہوگی جن کی مالی معاونت اکیڈمی نے نہ کی ہو''۔ ٦

---

۵ رمیش مہتا، ساز کی لے تیز کرو، ص ۲۵۶۔۲۵۵

٦ موتی لال ساقی، ریاست میں ادبی انجمنیں اور رسائل، تعمیر رسالہ، جموں کشمیر اردو ادب نمبر، ص ۱۵۷

اس طرح سے اگر دیکھا جائے تو پورے ملک کے اُردو سے دلچسپی لینے والوں کا حلقہ بڑھ رہا ہے اور وہ قلم کار جن کی قلم میں زور ہے جو اُردو زبان وادب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں یا ریاست کے آئین میں درج نو زبانوں میں سے کسی زبان میں بھی ان کے لیے ایک امید کی کرن کے طور پر کلچرل اکیڈمی موجود ہے۔ اس کے علاوہ ضعیف العمر ادیبوں کی امداد بھی کرتی ہے اور ان کے انتقال ہونے پر ان کی ادبی خدمات کی بنا پر ان کی بیواؤں کو امداد فراہم کی جاتی ہے۔

اگر چہ کوئی معقول پروگرام اس سمت میں نہیں ہے کیونکہ جو رقم دی جاتی ہے وہ بالکل محدود ہوتی ہے اور چند جانی پہچانی شخصیات ہی کو دی جاتی ہے اور محدود وسائل والے فن کاروں کی باز آبادکاری کے لیے ابھی تک کسی معقول امداد کی فراہمی کا انتظام بھی نہیں ہے اور اکثر کتابوں کو شائع کرنے والے ادیبوں کی یہ شکایت بھی ہے کہ اکیڈمی وقت پر انھیں رقم فراہم نہیں کرتی۔

بہر حال مجموعی طور پر مالی معاونت اور کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں اکیڈمی کی کارکردگی قابل ستائش اور قابل تعریف بھی۔

اکیڈمی نے اپنے قیام سے ۲۰۰۱ء تک اُردو کی جن کتابوں پر مالی معاونت کی جس کی وجہ سے یہ کتابیں منظر عام پر آئیں یعنی شائع کی گئیں ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

نمبر شمار	عنوان	مصنف
۱	آریجن آف ہندوستانی ماڈرن لٹریچر	عتیق صدیقی
۲	آزاد نظم	کنول کشن بالی
۳	آتش چنار	شبیب زید پوری
۴	آخری اسکور	آفاق احمد
۵	آسمانی گیڈر	آفاق احمد
۶	اورادِ فتحیہ	مولانا عبدالکبیر
۷	ادبی قدریں اور نفسیات	ڈاکٹر شکیل الرحمان
۸	اے جنتِ کشمیر	عابد مناوری

نمبرشمار	عنوان	مصنف
۹	اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا	کشوری منچندا
۱۰	انجمن	وجے سمن
۱۱	اُفق نو	منظر اعظمی
۱۲	اپنا اپنا نصیب	شریمتی این۔اے۔بیگم
۱۳	ایک زخم اور سہی	شبنم قیوم
۱۴	افسانے	پریم ناتھ در
۱۵	اقبال نمبر	ایڈیٹر علم و دانش
۱۶	ارمغانِ المست	دینا ناتھ المستؔ
۱۷	احساس کے گھاؤ	کیشوری منچندا
۱۸	الانور	عبدالرحمان کوندو
۱۹	اقبال اور غالب	ڈاکٹر حامدی کاشمیری
۲۰	اردو شاعری کی نئی جہتیں	پریمی رومانی
۲۱	اجناب	شری راج کمار چندن
۲۲	اوراق	پریمی رومانی
۲۳	ابجد	مظفر آمیرج
۲۴	بلندیوں کے خواب	ایچ۔یو۔حامدی
۲۵	بہار کشمیر	ہر بھگوان شاد
۲۶	بکھرے خواب	کُلدیپ رینہ
۲۷	بہرُوپ	شری محمد یاسین
۲۸	بنجر دھرتی پتھر لوگ	گیان چند
۲۹	بیسویں صدی کے انگریزی ادب میں اُردو ادب کے رجحانات	ڈاکٹر ظہور الدین

نمبرشمار	عنوان	مصنف
۳۰	تحقیق وتنقید	ڈاکٹر اکبر حیدری
۳۱	پولیٹکل ورکس آف پروفیسر تلوک چند محروم	شری جی۔این۔آزاد
۳۲	دیارِغزل	عابد مناوری
۳۳	کارگیہ شیشہ گری	حامد کشمیری
۳۴	پیام ولی	امرچند ولی
۳۵	پیام مشرق اقبال	مترجم، سلطان الحق شہیدی
۳۶	پیش خیمہ	پریتپا سنگھ بیتابؔ
۳۷	پونچھ	شری کے۔ڈی۔مینی
۳۸	پائل کے زخم	نور شاہ
۳۹	تاریخ کشمیر	محمد امین پنڈت
۴۰	تنہائی سے تماشہ تک	آفاق احمد
۴۱	تاریخ ہند کے چند خاکے	ڈاکٹر محمد یاسین
۴۲	تین ڈرامے	آفاق احمد
۴۳	تفکرّات	ظہور الدین
۴۴	تاریخی ڈرامہ	آفاق احمد
۴۵	تکون کا کرب	کیشوری منچندا
۴۶	تحقیقات حیدری	ڈاکٹر اکبر حیدری
۴۷	تلاش وتعبیر	منظر اعظمی
۴۸	تذکرۃ الاخیر	شری محمد امین رفیقؔ
۴۹	ٹھنڈی کانگڑی کا دُھواں	خالد حُسین
۵۰	جہلم اور توی	شری موہن یاور
۵۱	جنرل زوراور سنگھ	سیاح سونامی

نمبرشمار	عنوان	مصنف
۵۲	جدید اردو نظم کا ارتقاء	ڈاکٹر حامدی کشمیری
۵۳	جہلم کے کنارے	مس منظور اختر
۵۴	جانے وہ کیسے لوگ تھے	ملک رام آنند
۵۵	جوہر آئینہ	پروفیسر این۔ایل۔کے۔طالبؔ
۵۶	جہاں دھرتی ملے آکاشے	سُکھ دیو سنگھ
۵۷	جیپ جی صاحب	جسونت سنگھ
۵۸	جیل	آفاق احمد
۵۹	جامِ کوثر	نسرین فاطمہ
۶۰	جذب دروں	شوریدہ کاشمیری
۶۱	چشمِ نیم باز	عرش صہبائی
۶۲	چراغِ معرفت	عبدالسلام
۶۳	حرفِ جستجو	ڈاکٹر برج پریمی
۶۴	خرامِ حیات	شری مہندر رینہ
۶۵	خواجہ حافظ شیرازی کا مفصل مطالعہ	کے۔این۔پنڈتا
۶۶	خاطرِ احباب	شری سعید الدین قادری
۶۷	خیابان	قاضی بلال دلنوی
۶۸	خطابِ خیام	شوریدہ کاشمیری
۶۹	دُرجِ بہار	قیصر قلندر
۷۰	دو آتشی	فاروق نازکی
۷۱	دیوانہ سالک	اے۔این۔رینہ
۷۲	دھان کی بالیاں	ساگر کشمیر
۷۳	دیوانِ حرفی	شری حبیب اللہ

نمبرشمار	عنوان	مصنف
۷۴	دوخط ایک کہانی	سومناتھ ڈوگرہ
۷۵	دیوی کا بلیدان	شری سریندر دت عزیزؔ
۷۶	دیوانِ نامی	ڈاکٹر اکبر حیدری
۷۷	ذوقِ نظر	برج پریمی
۷۸	رستے انجانے	آنند سروپ
۷۹	رموزِ بیخودی	شری جی۔آر۔کامگار
۸۰	زعفران زار	امر مالموہی
۸۱	زاویہ	رفیقہ منظور الامین
۸۲	زوجیلا نے آر پار	عبدالغنی لداخی
۸۳	سازِ جمال	قیصر قلندر
۸۴	سمندر پیاسا ہے	شری جی۔آر۔سنتوش
۸۵	سلیکٹیڈ شارٹ سٹوریز	دیپک کول
۸۶	سازِ شکست	اکبر جے پوری
۸۷	سراب	حامدی کشمیری
۸۸	سُنبل وریحان	ڈی۔این۔رفیقؔ
۸۹	سڑک انصاف کرتی ہے	کشوری منچندا
۹۰	سڑک جارہی ہے	وحشی سعید ساحلؔ
۹۱	سنگ وآئینہ	شیخ فاروق مضطرؔ
۹۲	سبز شعلے	صابر مرزا
۹۳	سراب در سراب	شری پرتپال سنگھ بیتابؔ
۹۴	شہر کی خوشبو	مالک رام آنند
۹۵	شیشے کی دیوار	شیخ بشیر احمد

نمبر شمار	عنوان	مصنف
۹۶	شناخت	مظفر آیرجؔ
۹۷	شیرین کے خطوط	محمد زماں آزردہؔ
۹۸	شاہکار	سجود سیلانی
۹۹	شبضستان	نشاط انصاری
۱۰۰	شاخ صنوبر کے تلے	محمد یاسین بیگ
۱۰۱	شمیم گل	عابد مناوری
۱۰۲	شعلۂ موسم کی بیاض	حکیم منظور
۱۰۳	صوفیانہ موسیقی اور وادن سنگیت	نور محمد بٹ
۱۰۴	صرف پانچ ہزار	بھوش لال بھُوشن
۱۰۵	صدائے نیم شب	شری خالد بشیر
۱۰۶	عرسِ تمنا	حامدی کاشمیری
۱۰۷	عصر جدید اور شاعری	کمال احمد صدیقی
۱۰۸	منزلوں کا آنگن	ایس۔ایس۔بخشی
۱۰۹	تیار کاروان	مرزا محمد زماں آزردہ
۱۱۰	غالبؔ کی جمالیات	شکیل الرحمان
۱۱۱	فکر و خیال	اکبر جے پوری
۱۱۲	قُربتوں کی خوشبو	آفاق احمد
۱۱۳	قدیم تحقیقی سرمایہ	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۱۴	کیفی اعظمی	شاہ زور کشمیری
۱۱۵	کشمیر اور کشمیری ادب	شری ایم۔وے۔ٹینگ
۱۱۶	کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ	اے۔کیو۔سروری
۱۱۷	کشمیر میں پنجابی زبان اور ادب	پروفیسر سیوا سنگھ

نمبر شمار	عنوان	مصنف
۱۱۸	کشمیر جاگ اُٹھا	شری جان محمد آزاد
۱۱۹	کشمیر محمد اسلام کی اشاعت	سعید محمد فاروق بخاری
۱۲۰	کلامِ دلگیر	اکبر حیدری
۱۲۱	کارگہہ شیشہ گری	حامدی کشمیری
۱۲۲	کفِ گل	ڈاکٹر برج پریمی
۱۲۳	کہرے کی وادی	کیشوری منچندا
۱۲۴	گُل ہائے تبسم	مس واجدہ تبسم
۱۲۵	گُلشنِ خفر	خفر مغربی
۱۲۶	گُلدستۂ نساء	میمون النساء
۱۲۷	گُلاب اور کانٹے	ایچ۔ ایس۔ ساگر
۱۲۸	لاوا کا سمندر	شکیل الرحمان
۱۲۹	لداخ کی کہانیاں	شری ایم۔ اے۔ پنڈت
۱۳۰	لہو لمس چنار	حکیم منظور
۱۳۱	لاحرف	حامدی کاشمیری
۱۳۲	لداخ کی سیر	شری عبدالغنی شیخ لداخی
۱۳۳	لامحدود	جی۔ این۔ غمگین
۱۳۴	موتی مالا	خفر مغربی
۱۳۵	متعلقاتِ انشا	ڈاکٹر ایس۔ ایل کالرا
۱۳۶	مضامین حیدری	اکبر حیدری
۱۳۷	میرا کوئی گھر نہیں	شری ظفر احمد
۱۳۸	میری پسند	پدم ناتھ گنجو
۱۳۹	منظومات دلگیر	ڈاکٹر اکبر حیدری

نمبرشمار	عنوان	مصنف
۱۴۰	متاعِ خیال	محمد حسن محمود
۱۴۱	میرِ ضمیر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۴۲	میر تقی میرؔ کی مثنویاں	ضیا آفریدی
۱۴۳	مطالعہ زورؔ	اکبر حیدری
۱۴۴	نظمِ ثریا	رضا جاودانیؔ
۱۴۵	نُورِ سحر	بسملؔ دہلوی
۱۴۶	نشۂ گُل	سُلطان الحق شہیدی
۱۴۷	نار بوزنگیو	کاچوسکندر خان سکندر
۱۴۸	نگارشات	مشعل سلطان پوری
۱۴۹	ندائے آوردگی	اقبال فہیمؔ
۱۵۰	ناصر کاظمی کی شاعری	حامدی کاشمیری
۱۵۱	وقت کا گھاؤ	واجدہ تبسمؔ
۱۵۲	لل دید	جے۔ایل گیرو
۱۵۳	گلشنِ خضر	خضر مغربی
۱۵۴	متعلقاتِ اِنشا	ڈاکٹر ایس۔ایل کالرا
۱۵۵	وادیاں اور ویرانے	جان محمد آزاد
۱۵۶	غبارِ کارواں	ڈاکٹر محمد زمان آزردہ
۱۵۷	چادر	کے۔ڈی۔مینی
۱۵۸	جوشِ جنون	شوریدہ کشمیری
۱۵۹	شناخت	مظفر ایرج
۱۶۰	باقیات انیسؔ	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۶۱	سنگ و آئینہ	شیخ فاروق مظفرؔ
۱۶۲	تحقیقی نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری

مصنف	عنوان	نمبر شمار
شمس الدین شمیم	ویرانہ	۱۶۳
وجے سُمن	ہوا کے دوش پر	۱۶۴
ڈاکٹر اکبر حیدری	منظوماتِ دلگیر	۱۶۵
موہن یاور	اپنا گھر	۱۶۶
بھوش لال بھوشن	حرف پانچ ہزار	۱۶۷
ڈی۔این۔رفیق	سنبل وریحان	۱۶۸
شری ایم۔اے۔پنڈت	لداخ کی کہانیاں	۱۶۹
سعید الدین قاری	وردالمریدین (متاعِ نور)	۱۷۰
ڈاکٹر اکبر حیدری	کلامِ دلگیر	۱۷۱
ڈاکٹر اکبر حیدری	تحقیق مطالعہ	۱۷۲
کمال احمد صدیقی	عصر جدید اور شاعری	۱۷۳
ایچ۔ایس۔ساگر	گلاب اور کانٹے	۱۷۴
نور شاہ	یہ میری دنیا	۱۷۵
ڈاکٹر محمد یاسین	ہندو مذہب کی جھانکیاں	۱۷۶
محمد یاسین بیگ	شاخ صنوبر کے تلے	۱۷۷
محمد حسن محمود	متاع خیال	۱۷۸
کشوری منچندا	میرے پودے بنجر زمین	۱۷۹
اکبر جے پوری	یادگار کلثوم	۱۸۰

3. جموں وکشمیر کلچرا کیڈمی کے ذریعہ ادبی تنظیموں اورادیبوں کودی جانے والی معاونت کا تعین قدر:

ویسے تو ہر قلم کار کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ بھی لکھے اور جو لکھے وہ روایت سے ہٹ کر ہو اور ادب کو نئے موڑ دے پھر بھی ہر قلم کار اپنی ایماندارانہ کوشش کے باوجود ہر بار اس میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ مصنف اور قاری کے بیچ مصنف کا Recognition ایک اہم کڑی کا کام کرتی ہے۔ اس Recognition کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک اہم طریقہ انعام بھی ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی کتاب کو پہلی نظر میں پڑھنے والے نے رد کیا ہے۔ لیکن جب وہ کتاب انعام پا کر سامنے آتی ہے تو پڑھنے والا اس پر دوبارہ سوچنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح انعام دونوں کے لیے برابر اہمیت رکھتا ہے۔ انعام سے نوازنے کی اہمیت کو دھیان میں رکھ کر اکیڈمی نے ۱۹۶۲ء سے اُردو، ہندی، ڈوگری، پنجابی، کشمیری، سنسکرت اور انگریزی کی کتابوں پر ہر سال بالترتیب ایک ہزار اور سات سو روپے کی رقم پر مشتمل پہلا اور دوسرا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء سے یہ انعام کشمیری، لداخی اور گوجری کتابوں کو بھی دیا جانے لگا۔ ۱۹۷۳ء میں ان دونوں انعامات کو ایک ہی سطح پر لا کر ان کی رقم کو بڑھا کر دو ہزار روپے کر دیا گیا۔ اور آج ایسی رقم کو بڑھا کر پندرہ ہزار کر دیا گیا ہے۔

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے اشاعتی کاموں کے علاوہ ریاستی کلچرل اکیڈمی نے اُردو ادب سے متعلق پھر دوسرے کام بھی سرانجام دیئے ہیں۔ جن میں مصنفین کی مدد جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اور تصانیف پر انعامات جس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔ اُن کاموں کے علاوہ آل انڈیا اُردو مشاعرے، شب افسانہ، شام غزل، ایک ادبی مجلس وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایک خاص اہمیت اُن سیمناروں کو بھی حاصل ہے جو وقتاً فوقتاً جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی طرف سے منعقد کیے جاتے ہیں جن میں نامور تخلیق کار اور معروف وجانے مانے ناقد اپنے مقالے پڑھتے ہیں۔

جموں وکشمیر اکیڈمی کی طرف سے ہر سال بہترین کتاب کو ایواڈ دیا جاتا ہے اور اس کی شروعات ۱۹۶۴ء میں ہوئی اور آج تک جاری ہے یہ انعامات ہر زبان میں شائع ہونے والی بہترین کتابوں کو دیا جاتا ہے جیسے کہ کشمیری، ڈوگری، ہندی، پہاڑی، گوجری، لداخی وغیرہ لیکن اکیڈمی نے ۱۹۶۴ء سے آج تک سب سے زیادہ جن کتابوں کو انعامات دیے ہیں وہ اُردو زبان میں شائع ہونے والی کتابیں ہیں۔ بقول محمد اسداللہ وانی:

''۱۹۶۴ء سے اکیڈمی نے مختلف زبانوں میں ہر سال چھپی ہوئی بہترین کتابوں پر دو ہزار روپے کا نقد انعام دینے کا فیصلہ کیا (اب یہ انعامی رقم ۱۵ ہزار سے ۲۵ ہزار کر دی گئی ہے)''۔ ۷

لیکن انوار احمد نے ایک کتاب ۱۹۷۳ء میں شائع کروائی ہے جس کتاب میں ۱۹۶۲ء میں بہترین کتابوں پر انعامات دینے کی تاریخ درج کی گئی ہے اور پہلے انعامی رقم پانے والوں کے نام بھی کچھ اس طرح سے درج کیے گئے ہیں:

''اکیڈمی کی ان سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۶۲ء سے شروع ہوتا ہے بلکہ ریاستی کلچرل اکیڈمی نے ریاست کے دو ادیبوں کو اُن کی تحقیقات پر انعامات پیش کیے۔
پہلا انعام ایک ہزار روپے پشکر ناتھ کو اُن کی تصنیف ''اندھیرے اُجالے'' پر دیا گیا اور دوسرا انعام عرش صہباتی کو اُن کی کتاب ''شگفت گل'' پر دیا گیا۔ یہ انعام سات سو روپیہ پر مشتمل تھا''۔ ۸

انوار احمد کا یہ کہنا کہ پہلا انعام ۱۹۶۴ء میں پشکر ناتھ اور عرش صہباتی کو دیا گیا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ راقم الحروف نے جن شواہد کو اکٹھا کیا ہے اور جن افراد سے اس بارے میں گفتگو کی ان سب باتوں سے ان کے اس قول کی نفی ہوتی ہے۔ جس کی وضاحت کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتاب ''ساز کی لے تیز کرو'' ۱۹۸۵ء اور کلچرل اکیڈمی کی ویب سائٹ بھی کرتی ہے۔ اس کتاب اور کلچرل اکیڈمی کی ویب سائٹ پر جو تاریخ درج ہے وہ ۱۹۶۲ء ہی ہے۔ ان مضبوط دلائل کی بنا پر اسی تاریخ کو اور اس تاریخ کے مطابق مصنفین کو درج ذیل فہرست میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ فہرست ۱۹۶۴ء سے ۲۰۱۱ء تک کی ہے۔

---

۷ ساز کی لے تیز کرو، محمد اسد اللہ وانی، ص ۱۲۵

۸ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کی اُردو وادبی خدمات، انوار احمد، ص ۲۲۱۔۲۲۲

نمبرشمار	کتاب کا نام	مصنف	سال اشاعت
۱	سیاہ تاج محل	موہن یاور	۱۹۶۴
۲	بہارِ غزل	عابد منوری	۱۹۶۴
۳	سمندر پیاسہ ہے	جی۔ آر۔ سنتوش	۱۹۶۵
۴	زمیں پیاسی ہے	لیش سروج	۱۹۶۵
۵	دُکھ کے باسی	پشکر ناتھ	۱۹۶۶
۶	ادبی قدریں اور نفسیات	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن	۱۹۶۶
۷	بلندیوں کے خواب	حامدی کشمیری	۱۹۶۷
۸	شمیم گل	عابد مناوری	۱۹۶۸
۹	تحقیقی جائزے	اکبر حیدری	۱۹۶۹
۱۰	آزاد نظم اور اُردو شاعری	کنول کرشن بالی	۱۹۶۹
۱۱	غالب کے تحقیقی سرچشمے	حامدی کشمیری	۱۹۷۰
۱۲	غالب کی جمالیات	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن	۱۹۷۰
۱۳	بیاضِ غالب: تحقیقی جائزے	کمال احمد صدیقی	۱۹۷۲
۱۴	جواہرۂ آئینہ	این۔ ایل۔ کے۔ طالب	۱۹۷۲
۱۵	تجزیے	ڈاکٹر گیان چند	۱۹۷۴
۱۶	دیوان نامی	اکبر حیدری	۱۹۷۴
۱۷	خاطرِ احباب	تنہا انصاری	۱۹۷۶
۱۸	الانور	عبدالرحمٰن کوندر	۱۹۷۷
۱۹	نایافت	ڈاکٹر حامدی کشمیری	۱۹۷۷
۲۰	ناتمام	حکیم منظورؔ	۱۹۷۸
۲۱	اقبال اور کشمیر	جے۔ این آزاد	۱۹۷۸

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	سال اشاعت
۲۲	دل ہی تو ہے	عبدالغنی شیخ	۱۹۷۹ـ۸۰
۲۳	حافظ کی شاعری	کے۔این۔پنڈت	۱۹۸۰ـ۸۱
۲۴	تذکرۂ شعرائے ہندی	اکبر حیدری	۱۹۸۱ـ۸۲
۲۵	میری پاکستانی یاترا	ملک راج صراف	۱۹۸۱ـ۸۲
۲۶	جوش وجنون	شوریدہ کشمیری	۱۹۸۱ـ۸۲
۲۷	آتی جاتی لہریں	مظہر امام	۱۹۸۲ـ۸۳
۲۸	پیش خیمہ	پرتپال سنگھ بیتاب	۱۹۸۲ـ۸۳
۲۹	آنکھیں ترستی ہیں	جگن ناتھ آزاد	۱۹۸۲ـ۸۳
۳۰	ناصر کاظمی کی شاعری	حامدی کشمیری	۱۹۸۳ـ۸۴
۳۱	ہولمس چنار	حکیم منظور	۱۹۸۳ـ۸۴
۳۲	مدائے نیم شب	خالد بشیر	۱۹۸۴ـ۸۵
۳۳	ابجد	مظفر اراج	۱۹۸۴ـ۸۵
۳۴	برجستہ	عابد منوری	۱۹۸۵ـ۸۶
۳۵	جلوۂ سدرنگ	برج پریمی	۱۹۸۶ـ۸۷
۳۶	تحریک حریت کشمیر	رشید تاثیر	۱۹۸۶ـ۸۷
۳۷	متاع زندگی	قاری سیف الدین	۱۹۶۸ـ۸۷
۳۸	تخلیقات حیدری	اکبر حیدری	۱۹۸۷ـ۸۸
۳۹	غبارِ کارواں	محمد زماں آزردہ	۱۹۸۷ـ۸۸
۴۰	قدیم لداخ: تحقیق وتمدن	کچھو سکندر خاں	۱۹۸۸ـ۸۹
۴۱	امکانات	حامدی کشمیری	۱۹۸۸ـ۸۹
۴۲	پچھلے موسم کا پھول	مظہر امام	۱۹۸۹ـ۹۰

نمبرشمار	کتاب کا نام	مصنف	سال اشاعت
۴۳	تصویرِ خیال	نشاط کشتواڑی	۹۰-۱۹۸۹
۴۴	نقوشِ صحافت	رشید تاثیر	۹۱-۱۹۹۰
۴۵	کشمیر کے مضامین	برج پریمی	۹۱-۱۹۹۰
۴۶	بوئے رمیدہ	جگن ناتھ آزاد	۹۲-۱۹۹۱
۴۷	انکسار	برج کشمیری	۹۲-۱۹۹۱
۴۸	اسلوب	عرش صہبائی	۹۳-۱۹۹۲
۴۹	آشیاں سے آسماں تک	شہزادہ عزیز	۹۳-۱۹۹۲
۵۰	بن میاں پیا پکارے	ملک محمد بشیر	۹۴-۱۹۹۳
۵۱	شیخ العالم	محمد اسدالدین وانی	۹۵-۱۹۹۴
۵۲	لفظ لفظ نوح	فاروق نازکی	۹۶-۱۹۹۵
۵۳	اُردو زبان کا آغاز	خورشید حمرہ صدیقی	۹۶-۱۹۹۵
۵۴	برفیلی لمحوں کا جنگل	جان محمد آزاد	۹۷-۱۹۹۶
۵۵	ریزہ ریزہ وجود	عرش صہبائی	۹۸-۱۹۹۷
۵۶	شیخ العالم حیات اور شاعری	حامدی کشمیری	۰۱-۲۰۰۰
۵۷	شہر آسمان	حکیم منظور	۰۱-۲۰۰۰
۵۸	صبح شفق تلاوت	حکیم منظور	۰۴-۲۰۰۳
۵۹	رشیاتِ ایام	رسول پانپور	۰۵-۲۰۰۴
۶۰	اُردو رسم الخط	پروفیسر ملک	۰۷-۲۰۰۶
۶۱	دہشت میں دُور کہیں	ڈاکٹر سفق سوپوری	۰۸-۲۰۰۷
۶۲	میرا رختِ سفر	ترنم ریاض	۲۰۰۹
۶۳	دیدۂ آبِ رواں	خالد بشیر احمد	۲۰۱۰
۶۴	کتاب الموسیقی	محمد امین لالہ	۲۰۱۱

ان اُردو کتابوں کے علاوہ جموں وکشمیر اکیڈمی نے جن باقی زبانوں میں شائع ہونے والی کتابوں کو انعامات سے نوازا ہے ان کی مجموعی تعداد یوں ہے۔کشمیری زبان میں ۵۷ کتابیں، ڈوگری زبان میں ۴۲، ہندی زبان میں ۵۱، پنجابی زبان میں ۵۶، گوجری زبان میں ۱۸، لداخی زبان میں ۲۴، پہاڑی زبان میں ۱۰، انگریزی زبان میں ۲۱، فارسی زبان میں ایک اور سنسکرت زبان میں ایک کتاب کو انعامات دیے گئے ہیں۔

لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجموعی طور پر سب سے زیادہ اُردو کی کتابوں کو انعامات سے نوازا گیا ہے۔اس سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اُردو زبان وادب کی ترقی وترویج کو اس ادارے سے فروغ حاصل ہو رہا ہے۔اگر چہ بحیثیت سرکاری زبان اُردو زبان کو اتنا فروغ نہیں ہو رہا جتنا اِس زبان کا حق ہے پھر بھی ابھی تک اطمینان بخش صورتِ حال ہے۔

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز اپنی تہذیبی میراث کی ہمہ جہتی اور رنگارنگی کی ترویج کی آئینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے رضا کارانہ ادبی اور ثقافتی تنظیموں کو امداد دینے کا سلسلہ شروع کیا یہ امداد ایسی تنظیموں کو دی جاتی ہے جو ریاست میں موسیقی، رقص، ادب اور زبانوں کے فروغ کے لیے کام کرتی ہیں۔

کلچرل اکیڈمی کا یہ پروگرام جس میں ادبی تنظیموں کو مالی معاونت دی جاتی ہے ۱۹۶۱ء میں شروع ہوا۔ جہاں اس مالی معاونت سے باقی ادبی تنظیموں کو فائدہ ہوا۔وہی اُردو زبان وادب کے تحفظ اور ترقی کے لیے بہت ساری انجمنوں کو بھی معقول مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔اس بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے محمد اسداللہ وانی اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

> ’’اکیڈمی ۱۹۶۱ء سے ریاست کی تینوں اکائیوں میں مختلف زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے کام کررہی ہے ادبی انجمنوں کو مالی امداد دیتی آرہی ہے کشمیری، ڈوگری، گوجری، لداخی، پنجابی، ہندی پہاڑی اور اُردو وغیرہ زبانوں کی ایسی منظور شدہ ادبی انجمنوں کو اس وقت اکیڈمی نے دس لاکھ سے زائد روپیہ بطورِ مالی امداد دیا ہے۔اُردو کی ایسی انجمنوں میں بزم ادب بھدرواہ، کرشن چندر

میموریل، بزم ادب سرنکوٹ، کرشن چندر میموریل کلب پونچھ، انجمن ترقی ادب
کشتواڑ، مجلس ادب بیروت اور بزم اُردو جموں کا نام قابل ذکر ہے‘‘۔ [۹]

سب سے پہلے ۱۹۶۱ء میں جن انجمنوں کو مالی امداد دی گئی ان کی تعداد تین ہے اور پہلی مالی امداد دو سو روپئے تھی:

i. یادگار سنگیت اکیڈمی جموں ۱۹۶۱ء ۲۰۰ روپئے

ii. پریم سنگیت نکیتن سرینگر ۱۹۶۱ء ۲۰۰ روپئے

iii. سنگیت مہاودیالیہ سرینگر ۱۹۶۱ء ۲۰۰ روپئے

یہ مالی امداد سنگیت، مصوری، ادب اور فنونِ لطیفہ سے وابستہ ایسی تنظیموں کو دی جاتی ہے جو فنونِ لطیفہ کی ترقی و ترویج اور اشاعت کے لیے کام کرتی ہیں۔ ذیل میں ایسی تنظیموں کی فہرست دی جاتی ہے جو جموں و کشمیر اور لداخ کے خطوں میں ایسی مالی امداد سے بہرہ ور ہوتی ہیں اور اُردو، ہندی، کشمیری، ڈوگری، پنجابی، پہاڑی اور لداخی زبانوں کی ترقی کے لیے کام کرتی ہیں۔ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی اپنی آئینی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے موسیقی، رقص، ادب اور زبانوں کے فروغ اور تحفظ کے لیے جن ادبی تنظیموں کو عبوری امداد ۱۹۶۱ء تا ۲۰۱۰ء تک دی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۱	دُرگا سنگیت اکیڈمی	جموں
۲	پریم سنگیت نکیتن	سرینگر
۳	سنگیت مہاودیالیہ	سرینگر
۴	ڈوگری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ	جموں
۵	انجمن گوجری زبان وادب	بلاور
۶	کمل تھیٹر	سرینگر
۷	پنجابی ساہتیہ سبھا	سرینگر

[۹] کلچرل اکیڈمی کی اُردو خدمات، محمد اسداللہ وانی، ساز کی لیے تیز کرو، ص ۱۱۲

ساکنہ	ادبی اور تمدنی تنظیم	نمبر شمار
سرینگر	کشمیر کونسل آف ریسرچ	۸
ولی وار	گلشنِ ادب پہاڑی	۹
گاندبل کشمیر	کاروانِ ادب	۱۰
چاڈورہ کشمیر	نیو کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	۱۱
چاڈورہ کشمیر	آزاد کلچرل فورم	۱۲
واہتھورہ نوگام کشمیر	کشمیر صوفیانہ سوسائٹی	۱۳
حاجی گنڈ واہتھورہ کشمیر	کشمیر بانڈ تھیٹر	۱۴
گوپالپورہ کشمیر	دمالی رقص سنٹر	۱۵
واہتھورہ کشمیر	نیشنل بانڈ تھیٹر	۱۶
نوپورہ کشمیر	حمد تھیٹر	۱۷
چاڈورہ کشمیر	کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	۱۸
کرالواری کشمیر	مقبول تھیٹر	۹۱
بڈگام کشمیر	انجمن ترقی ادب	۲۰
چوندہ پورہ کشمیر	کشمیر گلشن ادب شاہ آباد	۲۱
گوجر نگر جموں	گوجری مجلس ادب	۲۲
جموں	ہمالین کلچرل سوسائٹی	۲۳
جموں	ہمالین کلچرل سوسائٹی	۲۴
سورنکوٹ جموں	کرشن چندر میموریل بزم ادب	۲۵
سورنکوٹ پونچھ	انجمن ترقی پہاڑی ادب	۲۶
پونچھ	پنجابی ساہتیہ سبھا	۲۷
پونچھ	کرسن چندر میموریل کلب	۲۸

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۲۹	انجمن ترقی پہاڑی ادب	پونچھ
۳۰	کلچرل فورم	راجوری
۳۱	مجلس ادب	بہروٹ راجوری
۳۲	کاشر مرکز	بہروٹ راجوری
۳۳	شنکر ڈرامیٹک کلب	جموں
۳۴	رام لیلا کلب	رام نگر جموں
۳۵	بندرالتا ساہتیہ منڈل	رام نگر جموں
۳۶	مہاویر یوتھ کلا کیندر گری	اُودھم پور
۳۷	ہندی ساہتیہ منڈل	جموں
۳۸	ڈوگری سنستھا	جموں
۳۹	دُرگا سنگیت اکادمی	جموں
۴۰	یوا ہندی لیکھک سنگ	جموں
۴۱	سرواستی سنگیت کلا مندر	جموں
۴۲	پنجابی لیکھک سبھا	جموں
۴۳	آل جموں و کشمیر یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن	جموں
۴۴	انجمن ترقی گوجری ادب	چانڈک پونچھ
۴۵	رنگین ڈرامیٹک کلب	فیروز پورہ ٹنگمرگ
۴۶	بزم ادب بٹہ پورہ	کانہامہ کشمیر
۴۷	نیو کنسٹرکشن یوتھ کلب	بدرن بیروہ کشمیر
۴۸	شاہین کلچرل فرنٹ	بدرن کشمیر
۴۹	گلمرگ لوک تھیٹر	پلہالن کشمیر
۵۰	کلچرل فورم	پٹن کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۵۱	دیارِ ادب	بارہ مولہ کشمیر
۵۲	پنجابی ساہتیہ سبھا	بارہ مولہ کشمیر
۵۳	پہاڑی کلچرل سوسائٹی	رام گھاٹ بارہ مولہ کشمیر
۵۴	پہاڑی کلچرل سوسائٹی	چندن واری اوڑی کشمیر
۵۵	پہاڑی مجلس ادب یا ملرز	چل ڈارہ کشمیر
۵۶	کپوارہ کلچرل سوسائٹی	کپوارہ کشمیر
۵۷	گوجری فردوس ڈرامٹیک کلب	آوورہ کشمیر
۵۸	گوجری مجلسِ ادب	ناچھن کرناہ کشمیر
۵۹	پہاڑی کلچرل فورم	کرناہ کشمیر
۶۰	شاہ ولی لوک رنگ	درگمولہ کشمیر
۶۱	لمبے لوک تھیٹر	سوپور کشمیر
۶۲	وُلر تھیٹر	زینہ گیر کشمیر
۶۳	ادبی مرکز کمراز	سوپور کشمیر
۶۴	مجلس انسا	سوپور کشمیر
۶۵	وہاب ڈرامٹیک کلب	حاجن کشمیر
۶۶	حلقہ ادب	سوناواری حاجن کشمیر
۶۷	لٹریری فورم	بانڈی پورہ کشمیر
۶۸	مانسبل ڈرامٹیک کلب	صفاپورہ کشمیر
۶۹	گُلستان ادب	پانپورہ کشمیر
۷۰	گُلستان تھیٹر	بالہ پورہ کشمیر
۷۱	یوسمرگ فوق تھیٹر	ٹھوکر پورہ پلوامہ کشمیر

ساکنہ	ادبی اور تمدنی تنظیم	نمبر شمار
تکیہ امام صاحب کشمیر	کاشر تھیٹر	۷۲
کٹی جوگی پورہ کشمیر	بزمِ شیخ العالم	۷۳
یاری پورہ کشمیر	کاشر محفل	۷۴
عیش مقام کشمیر	اُردو کاشر بزم ادب	۷۵
اننت ناگ کشمیر	کنول تھیٹر	۷۶
اننت ناگ کشمیر	آرٹسٹس ایسوسی ایشن	۷۷
ساگام کشمیر	کشمیر وجیہ تھیٹر	۷۸
صوف شالی کشمیر	نیشنل گلشن تھیٹر	۷۹
کولگام کشمیر	کشمیر بھگت تھیٹر	۸۰
ڈورو کشمیر	مرزا کلچر اینڈ آرٹ سنٹر	۸۱
چھاد گام کشمیر	واسکھ ناگ کاشر بزم ادب	۸۲
لیہہ لداخ	کلچرل فورم	۸۳
آیوسا بو لیہہ	تامدل سوگسپا	۸۴
جموں	درگا سنگیت اکیڈمی	۸۵
جموں	ڈوگری سنستھا	۸۶
جموں	بہورنگی	۸۷
جموں	جے۔کے۔ یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن	۸۸
رام کوٹ جموں	رگھناتھ رام لیلا اینڈ ڈرامٹیک کلب	۸۹
رام کوٹ جموں	شنکر ڈرامٹیک کلب	۹۰
جموں	بھارتیہ ودیالیہ بھون	۹۱
جموں	سرسوتی سنگیت	۹۲

ساکنہ	ادبی اور تمدنی تنظیم	نمبر شمار
جموں	یوا ہندی لیکھ سنگھ	۹۳
جموں	وکاس ٹورنگ گروپ	۹۴
جموں	ڈوگری انسٹی ٹیوٹ	۹۵
راجوری	پنجابی ساہتیہ سبھا	۹۶
بھروٹ راجوری	مجلس ادب	۹۷
بھروٹ راجوری	کوثر مرکز	۹۸
پونچھ	کرشن چندر میموریل بزم ادب	۹۹
پونچھ	کرشن چندر میمودیل کلب	۱۰۰
پونچھ	پنجابی ساہتیہ سبھا	۱۰۱
جموں	دادا پھالکے ڈرامٹیک اینڈ کلچرل کلب	۱۰۲
جموں	پنجابی لیکھک سبھا	۱۰۳
اُدھم پور جموں	مہاویر یوتھ	۱۰۴
اُدھم پور جموں	رام کلا مندر	۱۰۵
اُدھم پور جموں	ہندر الٹا ساہتیہ منڈل	۱۰۶
رام نگر جموں	رام لیلا کلب	۱۰۷
بھدرواہ جموں	اقبال بزم ادب	۱۰۸
پونچھ	انجمن ترقی گوجری	۱۰۹
پونچھ	انجمن ترقی گوجری ادب	۱۱۰
اننت ناگ	اُردو کوشر بزم ادب	۱۱۱
بیجبہاڑہ کشمیر	مراز ادبی سنگھم	۱۱۲
کولگام کشمیر	کشمیر بھگت تھیٹر	۱۱۳

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۱۱۴	عزیز فوک بھگت تھیٹر	کولگام کشمیر
۱۱۵	شہباز کلچرل کلب	گنڈ کشمیر
۱۱۶	وجے تھیٹر	ساگام کشمیر
۱۱۷	یوتھ گلشن ڈرامٹیک کلب	صوف رشالی کشمیر
۱۱۸	نیشنل گلشن ڈرامٹیک کلب	صوف رشالی کشمیر
۱۱۹	مرزا کلچرل اینڈ آرٹ سنٹر	ڈورو کشمیر
۱۲۰	کاشرِ محفل	یاری پورہ کشمیر
۱۲۱	بزم شیخ العالم	کٹی جوگی پورہ کشمیر
۱۲۲	کوشر تھیٹر	تکیہ امام صاحب کشمیر
۱۲۳	گلشن تھیٹر	بال پورہ کشمیر
۱۲۴	واسک ناگ کوشر بزم ادب	یوسر کشمیر
۱۲۵	پنجابی لکھاری سبھا	ترال کشمیر
۱۲۶	حبہ خاتون ڈرامٹیک کلب	گریز کشمیر
۱۲۷	گلشن ادب	پانپورہ کشمیر
۱۲۸	سنگھم تھیٹر	سرینگر
۱۲۹	کمل تھیٹر	سرینگر
۱۳۰	کلا کیندر	سرینگر
۱۳۱	سنگرمالی تھیٹر	سرینگر
۱۳۲	کشمیر کلچرل آرگنائزیشن	سرینگر
۱۳۳	پنجابی ساہتیہ سبھا	سرینگر
۱۳۴	کوثر کونسل آف ریشرچ	سرینگر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۱۳۵	آزاد کلچرل فورم	چاڈورہ کشمیر
۱۳۶	کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	چاڈورہ کشمیر
۱۳۷	گلشن ڈرامٹیک فورم	چرار شریف کشمیر
۱۳۸	نیشنل بانڈ تھیٹر	واہتھورہ کشمیر
۱۳۹	اقبال میموریل یوتھ کلب	سوگام کشمیر
۱۴۰	مقبول تھیٹر	کرالہ واری کشمیر
۱۴۱	کشمیر بھانڈ تھیٹر	حاجی گنڈ کشمیر
۱۴۲	رمالی ڈانس سینٹر	گوپال پورہ کشمیر
۱۴۳	انجمن صوفیانہ کلام	واہتھورہ کشمیر
۱۴۴	نورانی کلچرل فورم	دریہِ گام کشمیر
۱۴۵	مہجور کلچرل فورم	خان صاحب کشمیر
۱۴۶	شاہین کلچرل فرنٹ	بدرن کشمیر
۱۴۷	نیو کشمیر کنٹریشن یوتھ کلب	بدرن کشمیر
۱۴۸	بزم ادب	بٹہ پورہ ماگام کشمیر
۱۴۹	گُلمرگ بکہ تھیٹر	پلہالن کشمیر
۱۵۰	ارنہ مال تھیٹر	پلہالن کشمیر
۱۵۱	فوک مال تھیٹر باباریشی	لال پورہ کشمیر
۱۵۲	کلچرل فورم	کریری پٹن کشمیر
۱۵۳	دائرہ ادب	دلنہ کشمیر
۱۵۴	جے۔کے۔پنجابی سبھا	بارہ مولہ کشمیر
۱۵۵	پہاڑی کلچرل فورم	چندن واڑی کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ کشمیر
۱۵۶	کلچرل ٹرسٹ	کپواڑہ کشمیر
۱۵۷	شاہ ولی لکہ رنگ	درگمولہ کشمیر
۱۵۸	وُلرتھیٹر	بُمے کشمیر
۱۵۹	بُمے لکہ تھیٹر	بُمے کشمیر
۱۶۰	مجلس انسأ	سوپور کشمیر
۱۶۱	انجمن گوجری شعروادب	بانڈی پورہ کشمیر
۱۶۲	وُلرکلچرل فورم	تادی ہل کشمیر
۱۶۳	وہاب ڈرامٹیک کلب	حاجن کشمیر
۱۶۴	ادبی مرکز کمراز	سوپور کشمیر
۱۶۵	حلقہ ادب	حاجن کشمیر
۱۶۶	مانسپل ڈرامٹیک کلب	صفاپورہ کشمیر
۱۶۷	گیگل کلچرل آرگنائزیشن	لیہہ
۱۶۸	تمدل سوسائٹی آیوسابو	لیہہ
۱۶۹	لداخ فورم	لیہہ
۱۷۰	لمدن سوشل ویلفیر سوسائٹی	لیہہ
۱۷۱	گلشن ادب پہاڑی	کشمیر
۱۷۲	پہاڑی کلچرل فورم	کشمیر
۱۷۳	مجلس ادب	کشمیر
۱۷۴	گوجری فردوس ڈرامٹیک کلب	پونچھ
۱۷۵	گوجری مجلس ادب	پونچھ
۱۷۶	گوجری مجلس ادب	پونچھ

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۱۷۷	انجمن گوجری سار وادب	راجوری
۱۷۸	پہاڑی ترقی ادب (انجمن)	راجوری
۱۸۹	پہاڑی سنگیت کلب	کشمیر
۱۸۰	انجمن ترقی گوجری ادب	کشمیر
۱۸۱	یُو واہندی لیکھک سنگھ	لداخ
۱۸۲	آل جے اینڈ کے یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن	کشمیر
۱۸۳	سرسوتی سنگیت کلامندر	جموں
۱۸۴	ڈوگری ریسرچ انسٹی چیوٹ	جموں
۱۸۵	ہندی ساہتیہ منڈل	جموں
۱۸۶	بھارتیہ ودیا بھون	جموں
۱۸۷	پنجابی لیکھک سبھا	جموں
۱۸۸	کلچرل فورم	لیہہ لداخ
۱۸۹	تمدل سوسائٹی	لیہہ لداخ
۱۹۰	گیسکول کلچرل آرگنائزیشن	لیہہ
۱۹۱	صوفیانہ انجمن	کشمیر
۱۹۲	کشمیر بھگت تھیٹر	کشمیر
۱۹۳	کأشر محفل	کشمیر
۱۹۴	وساکھ ناگ کأشر بزم ادب	کشمیر
۱۹۵	مرزا کلچرل آرٹ سنٹر	کشمیر
۱۹۶	شہناز کلب	راجوری
۱۹۷	حمد تھیٹر	کشمیر

نمبرشمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۱۹۸	دھاملی ڈانس سنٹر	سری نگر کشمیر
۱۹۹	نیشنل بھانڈ تھیٹر	کشمیر
۲۰۰	کشمیر بھانڈ تھیٹر	چاڈورہ کشمیر
۲۰۱	مقبول تھیٹر	کشمیر
۲۰۲	آزاد کلچرل فورم	کشمیر
۲۰۳	نیو کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	کشمیر
۲۰۴	نیو کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	کشمیر
۲۰۵	نورانی کلچرل فورم	کشمیر
۲۰۶	لوکہ پأ تھر سنٹر	لداخ
۲۰۷	کشمیر گلشن ادب	کشمیر
۲۰۸	پنجاب ی ساہتیہ ادب	جموں
۲۰۹	کشمیر کلچرل آرگنائزیشن	جموں
۲۱۰	کمل تھیٹر	جموں
۲۱۱	دائرۂ ادب	جموں
۲۱۲	قُرہن کلچرل فورم	پونچھ
۲۱۳	گلمرگ لوکہ تھیٹر	کشمیر
۲۱۴	ارنہ مال لوکہ تھیٹر	کشمیر
۲۱۵	محبوب کلچرل سوسائٹی	کشمیر
۲۱۶	پنجابی ساہتیہ سبھا	بارہ مولہ کشمیر
۲۱۷	حصارِ ادب	بارہ مولہ کشمیر
۲۱۸	کلچرل ٹرسٹ	کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۲۱۹	شاہ ولی لوکہ رنگ	کاندربل کشمیر
۲۲۰	مجلس انسائ	کشمیر
۲۲۱	ادبی مرکز کمراز	سری نگر
۲۲۲	وولر تھیٹر	بانڈی پورہ
۲۲۳	بُمے لوکہ تھیٹر	جموں
۲۲۴	وولر کلچرل فورم	جموں
۲۲۵	مہاویر یوتھ کلا کیندر	جموں
۲۲۶	رام کلا کیندر	جموں
۲۲۷	رام لیلا کلب	جموں
۲۲۸	بندرلتا ساہتیہ منڈل	کشمیر
۲۲۹	سری رُگناتھ رام لیلا ڈرامٹیک کلب	جموں
۲۳۰	شنکر ڈرامٹیک کلب	راجوری
۲۳۱	کائ شر مرکز بہروت	بہروہ راجوری
۲۳۲	مجلس ادب بہروت	راجوری
۲۳۳	پنجابی ساہتیہ سبھا	راجوری
۲۳۴	کلچرل فورم راجوری	راجوری
۲۳۵	کرشن چندر میموریل (بزم ادب سرن کوٹ)	راجوری
۲۳۶	کرشن چندر میموریل کلب	پونچھ
۲۳۷	پنجابی ساہتیہ سبھا	پونچھ
۲۳۸	دادا پھالکے کلچرل اینڈ ڈرامٹیک کلب	جموں
۲۳۹	ڈوگری سنستھا	جموں

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۲۴۰	بہورنگی	جموں
۲۴۱	دُرگا سنگیت اکادمی	جموں
۲۴۲	کاروانِ ادب	کشمیر
۲۴۳	مانسپل ڈرامٹیک کلب	کشمیر
۲۴۴	حلقہ ادب	حاجن کشمیر
۲۴۵	وہاب ڈرامٹیک کلب	حاجن کشمیر
۲۴۶	بزم ادب	کشمیر
۲۴۷	نیو کشمیر کنسٹرکشن یوتھ کلب	کشمیر
۲۴۸	شاہین کلچرل فرنٹ	کشمیر
۲۴۹	رنگین ڈرامٹیک کلب	کشمیر
۲۵۰	گلستان ادب	پاپورہ کشمیر
۲۵۱	یوسمرگ فوک تھیٹر	کشمیر
۲۵۲	گلشن تھیٹر	کشمیر
۲۵۳	کوثر تھیٹر	کشمیر
۲۵۴	کشمیر وجے	کشمیر
۲۵۵	یوتھ گلشن ڈرامیٹک کلب	کشمیر
۲۵۶	نیشنل گلشن ڈرامیٹک کلب	کشمیر
۲۵۷	دُرگا سنگیت اکادمی پکاڈانگا	جموں
۲۵۸	ڈوگری سنستھا پکاڈانگا	جموں
۲۵۹	ہندی ساہتیہ منڈل پکاڈانگا	جموں
۲۶۰	بہورنگی ڈوگری سنستھا	جموں

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۲۶۱	رگوناتھ رام لیلا اینڈ ڈرامیٹک کلب	رام کوٹ جموں
۲۶۲	شنکر ڈرامیٹک کلب سکول ویارا کوٹ	راجوری
۲۶۳	بھارتیہ وِدیا بھون گلاب بھون	جموں
۲۶۴	سرسوتی سنگیت کلا مندر	جموں
۲۶۵	یووا ہندی لیکھک سنگ	جموں
۲۶۶	جموں کلا مندر	جموں
۲۶۷	پنجابی ساہتیہ سبھا	راجوری
۲۶۸	کلچرل فورم	راجوری
۲۶۹	کاشر مرکز بھروتی	راجوری
۲۷۰	مجلس ادب بھروتی	راجوری
۲۷۱	پنجابی ساہتیہ سبھا	پونچھ
۲۷۲	کرشن چندر میموریل کلب	پونچھ
۲۷۳	ڈوگری ریسرچ انسٹی چیوٹ رگوناتھ مندر	جموں
۲۷۴	آل جے اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن	جموں
۲۷۵	دادا پھالکے کلچرل اینڈ ڈرامیٹک کلب گاندھی نگر	جموں
۲۷۶	پنجابی لیکھک سبھا	جموں
۲۷۷	مہاویر یوتھ کلا کیندرا گرکی	جموں
۲۷۸	رام کلا مندر	اودھم پور
۲۷۹	رام لیلا کلب وشنامی اکھارہ رام نگر	جموں
۲۸۰	بزم ادب	بھدروہ
۲۸۱	پنجابی ساہتیہ سبھا	سرینگر

نمبرشمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۲۸۲	کشمیر کونسل آف ریسرچ	سرینگر
۲۸۳	کمل تھیٹر	سرینگر
۲۸۴	پراگاش ڈرامیٹک کلب	سرینگر
۲۸۵	کشمیر کلچرل آرگنائزیشن	سرینگر
۲۸۶	سنگرمال تھیٹر	سرینگر
۲۸۷	آزاد کلچرل فورم	چاڈورہ بڈگام
۲۸۸	کشمیر یوتھ کلچرل فرنٹ	بڈگام
۲۸۹	نیشنل بانڈھ تھیٹر واتھورہ	بڈگام
۲۹۰	حمد تھیٹر نوپورہ	بڈگام
۲۹۱	صوفیانہ کلام احمد بڈشاہ	چاڈورہ
۲۹۲	مقبول تھیٹر	کرالہ واری
۲۹۳	دھملی ڈانس تھیٹر	گوپال پورہ چاڈورہ
۲۹۴	کشمیر بانڈھ تھیٹر ہانجی گنڈ واتھورہ	کشمیر
۲۹۵	مہجور کلچرل فورم	خان صاحب
۲۹۶	نورانی کلچرل فورم	درائی گام
۲۹۷	نیوکشمیر کنسٹرکشن یوتھ کلب	بدرن بیروہ
۲۹۸	شاہین کلچرل فرنٹ	بھدرواہ
۲۹۹	گلمرگ لوکہ تھیٹر	پلہالن
۳۰۰	بزم ادب	بٹہ پورہ ماگام
۳۰۱	ارنہ مال تھیٹر	پلہالن
۳۰۲	کرہن کلچرل فورم	کریری پٹن

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۳۰۳	جموں اینڈ کشمیر پنجابی ساہتیہ سبھا	بارہ مولہ
۳۰۴	دائرائے ادب	دلنہ بارہ مولہ
۳۰۵	کلچرل ٹرسٹ	کپواڑہ
۳۰۶	وولر تھیٹر	بُمے زینگر کشمیر
۳۰۷	شاہ ولی لوک رنگ تھیٹر	درگمولہ کشمیر
۳۰۸	بُمے لوک تھیٹر	بُمے کشمیر
۳۰۹	مجلس انسأ	سوپور
۳۱۰	ادبی مرکز	کمراز سوپور
۳۱۱	لیٹریری فورم	بانڈی پورہ
۳۱۲	وولر تھیٹر	نادی ہل
۳۱۳	وہاب ڈرامیٹک کلب	حاجن
۳۱۴	حلقہ ادب	حاجن سوناواری
۳۱۵	مانسپل ڈرامیٹک	صفاپورہ
۳۱۶	کاروانِ ادب	ڈب گاندربل
۳۱۷	پنجابی لکھاری سبھا	ترال
۳۱۸	گلشن تھیٹر	بال پورہ مٹوپیان
۳۱۹	کوثر تھیٹر	تکیہ امام صاحب
۳۲۰	گلستان ادب	ماپور
۳۲۱	کأشر محفل	یاری پورہ
۳۲۲	ویسا کھ ناگ کاشر بزم ادب	دیوسر چوگام
۳۲۳	مرزا کلچرل اینڈ آرٹ سنٹر	شاہ آباد ڈورو

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۳۲۴	کنول تھیٹر	اننت ناگ
۳۲۵	شہباز کلچرل فورم	اننت ناگ
۳۲۶	کشمیر بھگت تھیٹر	اننت ناگ
۳۲۷	عزیز فوک تھیٹر موری پورہ اری ہامہ	اننت ناگ
۳۲۸	نیشنل گلشن ڈرامیٹک کلب ضوفا ملی	اننت ناگ
۳۲۹	یوتھ گلشن ڈرامیٹک کلب ضوفا ملی	اننت ناگ
۳۳۰	کشمیر وجے تھیٹر سنگم	اننت ناگ
۳۳۱	مرزا ادبی سنگم	بیجبہاڑہ
۳۳۲	انجمن ترقی پہاڑی ادب	پونچھ
۳۳۳	پہاڑی سنگیت کلب	دارا ناگہ بل سرینگر
۳۳۴	انجمن گوجری شعر و ادب	پہالی بلو پلوامہ
۳۳۵	انجمن گوجری شعر و ادب	بانڈی پورہ
۳۳۶	لداخ کلچرل فورم	لیہہ
۳۳۷	تمدل سوسائٹی آیو	لیہہ لداخ
۳۳۸	گیسکول کلچرل آرگنائزیشن ہو	لیہہ لداخ
۳۳۹	لمدن سوشل ولفیر	لیہہ لداخ
۳۴۰	دُرگا سنگیت اکادمی	جموں
۳۴۱	ڈوگری سنستھا	جموں
۳۴۲	بہورنگی	جموں
۳۴۳	جے اینڈ کے یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن	جموں
۳۴۴	رگوناتھ رام لیلا اینڈ ڈرامیٹک کلب	رام کوٹ کھٹوعہ

نمبرشمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۳۴۵	شنکر ڈرامیٹک کلب	مکھول پنچی رام کوٹ
۳۴۶	بھارتیہ ودیا بھون گلاب بھون	جموں
۳۴۷	سرسوتی سنگیت کلا مندر	جموں
۳۴۸	یوا ہندی لیکھک سنگ دھکی سراجن	جموں
۳۴۹	وقاس ٹیورنگ ٹروپ	جموں
۳۵۰	ڈوگری ریسرچ انسٹی	جموں
۳۵۱	پنجابی ساہتی سبھا	راجوری
۳۵۲	مجلس ادب	بہروت راجوری
۳۵۳	کائشر مرکز	بہروت راجوری
۳۵۴	کرشن چندر میموریل بزم ادب	سرنکوٹ پونچھ
۳۵۵	کرشن چندر میموریل کلب	پونچھ
۳۵۶	پنجابی ساہت سبھا مین بازار	پونچھ
۳۵۷	دادا پھالکے ڈرامیٹک اینڈ کلچرل کلب	گاندھی نگر جموں
۳۵۸	پنجابی لیکھک سبھا	جموں
۳۵۹	مہاویر یوتھ کلا مندر ادھم پور	جموں
۳۶۰	رام کلا مندر اودھم پور	جموں
۳۶۱	بندرالتا ساہتیہ منڈل	رام نگر اودھم پور
۳۶۲	رام لیلا کلب وشنای اکھارہ رام نگر	جموں
۳۶۳	اقبال بزم ادب بھدروہ	جموں
۳۶۴	انجمن ترقی گوجری ادب	سرنکوٹ پونچھ
۳۶۵	انجمن ترقی گوجری ادب	چندک پونچھ

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۳۶۶	اردو کائ شر بزم ادب عیشمقام	اننت ناگ
۳۶۷	مراز ادبی سنگم	بیجبہاڑہ کشمیر
۳۶۸	کشمیر بھگت تھیٹر کن گام	کشمیر
۳۶۹	لال باب دمالی ڈانس سینٹر	بڈگام کشمیر
۳۷۰	رفیہ آبادی ادبی مرکز	بارہ مولہ کشمیر
۳۷۱	کشمیر بگھت تھیٹر	اننت ناگ کشمیر
۳۷۲	جموں کشمیر اسلامی ریسرچ سینٹر	سری نگر
۳۷۳	پہاڑی کلچرل فورم	اوڑی بارہ مولہ کشمیر
۳۷۴	منی شاہ فو لک تھیٹر	بڈگام کشمیر
۳۷۵	پمپوش ڈرامیٹک کلب	بڈگام کشمیر
۳۷۶	گوجری مجلس ادب	ترال کشمیر
۳۷۷	سخی صوفیانہ تھیٹر	بڈگام کشمیر
۳۷۸	کروہن کلچرل فورم	بارہ مولہ کشمیر
۳۸۹	بلبل فو لک تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۳۸۰	بابا ریشی فو لک تھیٹر	ٹنگمرگ کشمیر
۳۸۱	دمالی ڈانس سینٹر	بڈگام کشمیر
۳۸۲	نیلم کلچرل سوسائٹی	سری نگر
۳۸۳	فو لک روم ریشی تھیٹر	پلوامہ کشمیر
۳۸۴	شاردا فوک تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۳۸۵	گلشن کلچرل فورم	ماگام کشمیر
۳۸۶	دمالی ڈانس سینٹر	کلگم کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۳۸۷	کرمانی بھگت تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۳۸۸	اے۔آر۔آزاد میموریل فاؤنڈیشن	پلوامہ کشمیر
۳۸۹	بہارِ ادب تلگام	بارہ مولہ کشمیر
۳۹۰	روشن آرٹ سینٹر	ٹنگمرگ کشمیر
۳۹۱	کشمیر کلچرل سوسائٹی	سری نگر
۳۹۲	انجمن صوفیانہ کلام	چاڈورہ کشمیر
۳۹۳	میراج کلچرل سنگم	شوپیاں کشمیر
۳۹۴	بومائی لوک تھیٹر	سوپورہ کشمیر
۳۹۵	کرم بلند فوک تھیٹر	چاڈورہ کشمیر
۳۹۶	ارنی مل تھیٹر	پٹن کشمیر
۳۹۷	دمالی کلب	کلگام کشمیر
۳۹۸	ایکتا171	جواہر نگر سری نگر
۳۹۹	ادبی مرکز کمراز بانڈی پورہ	بانڈی پورہ کشمیر
۴۰۰	حلقہ ادب سوناواری	بانڈی پورہ کشمیر
۴۰۱	وہاب ڈرامیٹک کلب	بانڈی پورہ کشمیر
۴۰۲	نیشنل بین تھیٹر	چاڑورہ کشمیر
۴۰۳	منصور ڈرامیٹک کلب	راج باغ سری نگر
۴۰۴	انجمنِ گوجری شعر وادب	بانڈی پورہ کشمیر
۴۰۵	کاروانِ ادب	گاندربل
۴۰۶	بھارتیہ کلا منچ	سری نگر
۴۰۷	شاہ ولی لوکارنگ	کپوارہ کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۴۰۸	کامل فوک تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۴۰۹	گلستانِ بھگت تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۴۱۰	مرزا ادبی سنگم	بجبہاڑہ کشمیر
۴۱۱	سلطان بھگت تھیٹر	کلگام کشمیر
۴۱۲	کلچرل ٹرسٹ	کپوارہ کشمیر
۴۱۳	حیات تھگت تھیٹر	بڈگام کشمیر
۴۱۴	سید جعفر ڈرامیٹک کلب	اننت ناگ کشمیر
۴۱۵	آزاد کلچرل سوسائٹی	شوپیاں کشمیر
۴۱۶	کشمیر گلوکار سوسائٹی	سری نگر
۴۱۷	شاہ ہمدان دمالی ڈانس سینٹر	بڈگام کشمیر
۴۱۸	بابا نصیب الدین غازی دملا سینٹر	اننت ناگ کشمیر
۴۱۹	شکورہ شاہ دمالی ڈانس سینٹر	بڈگام کشمیر
۴۲۰	نیو کشمیر کنسٹرکشن یوتھ کلب	ماگام کشمیر
۴۲۱	کشور داستان تھیٹر	بڈگام کشمیر
۴۲۲	ہشاہ تھیٹر	بڈگام کشمیر
۴۲۳	بومالی بانڈ تھیٹر	سوپور کشمیر
۴۲۴	حسینا فوک پرفارمنگ سینٹر	گاندربل کشمیر
۴۲۵	فیروز کلچرل فورم	بڈگام کشمیر
۴۲۶	مقبول تھیٹر	چاڈورہ کشمیر
۴۲۷	کشمیر اریٹرس فورم	بارہ مولہ کشمیر
۴۲۸	یوتھ کلب	ماگام کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۴۲۹	دلکش فوک تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۴۳۰	آزاد ڈرامیٹک کلچرل کلب	گاندربل کشمیر
۴۳۱	ایم۔ایس کلچرل ایجوکیشن اینڈ ماحولیاتی آرگنائزیشن	بڈگام کشمیر
۴۳۲	ہیومن ویلفیر آرگنائزیشن	سری نگر
۴۳۳	المدار لوک پاتھر	بڈگام کشمیر
۴۳۴	انقلابی تھیٹر	بڈگام کشمیر
۴۳۵	المدار بھگت تھیٹر	اننت ناگ کشمیر
۴۳۶	لوک پاتھر سینٹر	بڈگام کشمیر
۴۳۷	عزیز فوک بھگت تھیٹر	اننت ناگ کشمیر
۴۳۸	کرٹین کالس تھیٹر	سری نگر
۴۳۹	وُلر تھیٹر زینگیر	سوپور کشمیر
۴۴۰	جموں کشمیر پنجابی ساہت سبا	سری نگر
۴۴۱	ویلی فوک تھیٹر	چاڈورہ کشمیر
۴۴۲	گلمرگ لوک تھیٹر	بارہ مولہ کشمیر
۴۴۳	دی یونائیٹڈ ڈرامیٹک کلب	بانڈی پورہ کشمیر
۴۴۴	مانسبل فوک تھیٹر	پٹن بارہ مولہ کشمیر
۴۴۵	قاضی کشمیر تھیٹر	سوپور کشمیر
۴۴۶	کٹریشی تھیٹر	پٹن بارہ مولہ کشمیر
۴۴۷	سنوبر تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۴۴۸	نونہال بھگت تھیٹر	کپوارہ کشمیر
۴۴۹	کشمیر یوتھ کلچرل فرنڈ	چاڈورہ کشمیر

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۴۵۰	کشمیر بھنڈ تھیٹر	بڑگام کشمیر
۴۵۱	یوس مرگ فوک تھیٹر	پلوامہ کشمیر
۴۵۲	مالک بارشاہ لوک تھیٹر	ٹنگمرگ کشمیر
۴۵۳	مجلس انساء جموں اینڈ کشمیر	سوپور کشمیر
۴۵۴	شاہ رشید ڈرامیٹک کلب	اننت ناگ کشمیر
۴۵۵	دیوسر بھگت تھیٹر	کلگام کشمیر
۴۵۶	کشمیر کلا منچ	سری نگر کشمیر
۴۵۷	انڈین تھیٹر الائنس	سری نگر
۴۵۸	اکٹرس کریٹیو تھیٹر	سری نگر کشمیر
۴۵۹	کالی داس تھیٹر	سری نگر
۴۶۰	مان سرور، سوشیو کلچرل ویلفیر آرگنائزیشن	اُدھمپور
۴۶۱	کشمیر ڈرامیٹک کلب	جموں
۴۶۲	نٹ رنگ	جموں
۴۶۳	نٹراج ناٹیہ کُنج کلچرل سوسائٹی	جموں
۴۶۴	پنجابی ساہتک سبھا	جموں
۴۶۵	مائکل جانسن کلچرل انسٹیچوٹ	جموں
۴۶۶	ایم۔ڈی۔سور سادنہ سنگیت کیندر	جموں
۴۶۷	گرین رائے فاؤنڈیشن	جموں
۴۶۸	کشمیری بھاشا ایوم سرم سکتی پرتیشٹھان	جموں
۴۶۹	نروانہ اکیڈمی	جموں
۴۷۰	سرسواتی سنگیت کلا مندر	جموں

نمبر شمار	ادبی اور تمدنی تنظیم	ساکنہ
۴۷۱	بال کلا منچ	جموں
۴۷۲	سورانجلی سنگیت ودیالہ	جموں
۴۷۳	عقاب یوتھ کلب	راجوری
۴۷۴	پیر پنچال کلچرل ایجوکیشنل، سوسیل، انوار منٹل اینڈ اسپورٹس آرگنائزیشن	جموں
۴۷۵	پہاڑی ہرٹیج سینٹر	پونچھ
۴۷۶	یونیسن کلچرل ٹروپ	جموں
۴۷۷	ٹیلنٹ کلب	جموں
۴۷۸	ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اقبال کلچرل کلب	راجوری
۴۷۹	انٹرنیشنل اسپورٹس اینڈ پہاڑی کلچرل کلب	راجوری

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز جن ادبی تنظیموں کو مالی امداد کرتی ہے۔اس کے لیے پہلے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے اور پھر یہ لوگ رقم کا تخمینہ لگانے کے بعد اس تنظیم کو مالی معاونت کرتے ہیں۔ یہ کمیٹی یہ دیکھتی ہے کہ کیا یہ انجمن ادب اور فن پر کام کرتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ادب اور فن کے فروغ کے لیے تنظیموں کو مالی معاونت کی جاتی ہے پھر یہ کہ کیا یہ تنظیم سرکاری طور پر منظور شدہ ہے اگر ہے تو اس کا ادبی دائرہ کتنا وسیع ہے ان تمام باتوں پر غور وفکر کے بعد کسی بھی تنظیم کی مالی معاونت کی جاتی ہے۔ یہ مالی معاونت کم سے کم تین ہزار اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار تک ہے۔

نامساعد حالات کے شکار ادیبوں کی معاونت:

۱۹۷۱ء سے اکیڈمی اُن لوگوں کے حق میں مالی معاونت منظور کرتی رہی ہے جنھوں نے ادب، فن اور دیگر شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور نامساعد حالات کے شکار ہیں۔ ایسے شعرا اور ادیبوں وغیرہ کے لواحقین کو بھی یہ مالی امداد دی جاتی ہے۔ جن کے لیے آمدنی کے دیگر وسائل نہ ہوں۔ ابتدائی طور پر اس منصوبے کو اکیڈمی نے اس بنیاد پر ہاتھ میں لیا تھا تاکہ کل خرچے کا ۵۰ فیصد مرکزی حکومت برداشت کرے

ساز کی لے تیز کرو   خبرنامہ   انٹرنیٹ   جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

گی۔مگر منصوبہ واپس لینے کے بعد مرکزی حکومت نے اس ضمن میں کوئی مالی امداد فراہم نہیں کی مگر اکیڈمی اپنے طور پر اس سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے اور آئین میں درج اغراض ومقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے برابر ادیبوں اور فنکاروں کو مالی امداد دینا اس کے پروگرام میں شامل ہے۔اس پروگرام کو اکیڈمی کی باقاعدہ سرگرمی کے طور پر اکیڈمی کے ارباب اختیار کی منظوری حاصل ہے بقولِ اسداللہ وانی:

> ''۱۹۷۱ء میں اکیڈمی نے ان ادیبوں کو وظائف دینے کا فیصلہ کیا جن کی مالی حالت ابتر تھی۔اس اسکیم میں حکومت ہند نے بھی پچاس فیصد تعاون دینے کی حامی بھری تھی،مگر بعد میں حکومت ہند کا اشتراک حاصل نہ رہا،لیکن اکیڈمی مسلسل ایسے ادیبوں اور فنکاروں کی مدد کرتی رہی جن کی مالی حالت خراب تھی یا جن کے مرنے کے بعد ان کے لواحقین مالی پریشانیوں میں گرفتار ہوگئے یا جو جسمانی طور پر معذور ہیں''۔ [۱۰]

کلچرل اکیڈمی کی طرف سے پہلے پہل یہ رقم ماہانہ ۲۵ اور ۷۵ روپے کے درمیان تھی۔آہستہ آہستہ تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور امدادی رقم کو بھی بڑھا کر ۵۰ اور ۱۵۰ روپے کے درمیان ماہانہ کر دیا گیا۔یہ ۷۲۔۱۹۷۱ء کی بات ہے اس کے بعد بجٹ کے حساب سے رقم کو بھی بڑھایا گیا اور اس میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے۔لیکن کچھ ادیبوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ یہ رقم بھی جاذبِ نظر لوگوں کو دی جاتی ہے۔رقم الحروف نے کچھ ادیبوں سے ملاقات کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔بہرکیف یہ انفرادی امداد آج بھی دی جاتی ہے پہلے چند لوگوں کو دی جاتی تھی اور پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کا حلقہ بھی بڑھ گیا۔بقول رمیش مہتا:

''ابتداء میں صرف پندرہ ایسے فنکاروں اور ادیبوں کو یہ امداد دی جاتی تھی جنھیں اس کی اشد ضرورت تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا''۔ [۱۱]

ان مصنفین کی جن کو انفرادی طور پر ماہانہ وظائف دیے جاتے تھے ذیل میں درج ہیں یہ فہرست صرف ۲۰ سال کی ہے یعنی ۱۹۷۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کی ہے۔

---

[۱۰] محمد اسداللہ وانی،ساز کی لے تیز کرو،ص ۱۱۔۱۲

[۱۱] رمیش مہتا،ساز کی لے تیز کرو،ص ۲۵۶

نمبر شمار	مصنف، مصنفہ، بیوہ	ساکنہ
۱	جناب شمس الدین تمکین	پلوامہ کشمیر
۲	جناب محمد شعبان شیخ	سرینگر
۳	جناب بشیر احمد بشیرؔ	جموں
۴	جناب حافظ محمد نایکو	ہندوارہ کشمیر
۵	جناب فتح علی سرورؔی کسانہ	جموں
۶	جناب محمد افضل مخدومی	سرینگر
۷	جناب غلام نبی شاہ ظہور	پلوامہ کشمیر
۸	جناب سائیس محمد ساقی	پونچھ جموں
۹	جناب برکت علی باگری	جموں
۱۰	جناب محمد حسین مراتی	جموں
۱۱	جناب مولوی عبدالغنی نثار ولد عبدالحکیم	بارہ مولہ کشمیر
۱۲	جناب محمد منور شاہ	اننت ناگ کشمیر
۱۳	جناب محمد عبداللہ بمکھار	اننت ناگ کشمیر
۱۴	جناب علامہ انوری صابری	دہلی
۱۵	جناب عبدالکریم کمار	بانڈی پورہ کشمیر
۱۶	جناب اختر رضوی	جالندھر
۱۷	شری نرسنگھ سہائے شوق	جموں
۱۸	شری جگن ناتھ چارلی	جموں
۱۹	شری بسنت رام بسنت	جموں
۲۰	شری روپ چند سہا	اُدھم پور
۲۱	شری واسدیو ریتہہ	سوپور

نمبرشمار	مصنف،مصنفہ،بیوہ	ساکنہ
۲۲	شری ہیم راج پنچھی (مالا دیوی پنچھی)	کھٹوعہ
۲۳	شری گیان چندناز	کھٹوعہ
۲۴	شری برکت رام پہاڑی	جموں
۲۵	شری کشن سمیل پوری	جموں
۲۶	شری مانندالمستؔ	جموں
۲۷	شری وِجے سُمنؔ	جموں
۲۸	شری اوتارکرشن رازدان	سرینگر
۲۹	شری کیدارناتھ مشرا	سانبہ
۳۰	شری لیلاوتی رینہ	جموں
۳۱	شری عزیزبٹ	سرینگر
۳۲	شری درشن سنگھ اکالی ولدشری لیشن سنگھ	پونچھ جموں
۳۳	شریمتی مایادیوی مشرا (ذوجہ کِدارمشرا)	پونچھ جموں
۳۴	شری کملادیوی	اودھم پور
۳۵	مرحوم غلام نبی عارض کی بیوہ	رانگرچاڑورہ
۳۶	شری ثناواللہ اندرابی کے لواحقین	کریری پٹن
۳۷	شری نریندرکھجوریہ کی بیوہ	جموں
۳۸	شری تنہاانصاری کی بیوہ شریمتی امینہ خاتون	دلنہ بارہ مولہ
۳۹	شری چرن سنگھ کی بیوہ پشپادیوی	جموں
۴۰	جناب اسدگنائی کی بیوہ محترمہ منل بی بی	سرینگر
۴۱	جناب نظاالدین کی بیوہ محترمہ فاطمہ بیگم	سرینگر
۴۲	جناب زارؔکی بیوہ محترمہ لیلاوتی رینہ	جموں

نمبر شمار	مصنف، مصنفہ، بیوہ	ساکنہ
۴۳	شری پی۔بی۔ساٹھے کی بیوہ شریمتی رتناولی ساٹھے	جموں
۴۴	جناب خاموش کریری کی بیوہ محترمہ سروا بیگم	کریر
۴۵	جناب اکبر علی انصاری کی بیوہ محترمہ فیرہ بیگم	دلنہ
۴۶	شری شنکر داس کی بیوہ شریمتی سدھارانی	جموں
۴۷	جناب عشرت کشتواڑی کی بیوہ محترمہ مہتاب عشرت	کشتواڑہ
۴۸	شری پرمانند المستؔ کی بیوہ شریمتی رام دائی	جموں
۴۹	جناب غلام نبی ظہور کی بیوہ محترمہ فاطمہ بانو	سرینگر
۵۰	محترمہ سپن مالا	جموں
۵۱	میرالدین ڈولی	ڈوڑہ
۵۲	مولوی عبدالقیوم رازؔ	پلوامہ

انفرادی مالی معاونت میں جن لوگوں نے استفادہ کیا ہے ان میں غیر ریاستی اُردو شعرا نے بھی مالی معاونت حاصل کی ہے اُن میں سرفہرست جناب اختر رضوانی (جالندھر) اور غلام انور صابری (دہلی) ہیں۔ انفرادی طور پر بھی جن لوگوں کو مالی معاونت کی جاتی ہے۔اس کے لیے بھی اُس درخواست پر غور وفکر کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے جو کسی ادیب نے دی ہو۔اس کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کیا یہ شخص ادبی امداد کے قابل ہے یا نہیں۔

اکیڈمی کی جانب سے جو امداد دی جاتی ہے یہ کم سے کم ۶۰۰ روپۓ مہینے کے حساب سے ہے۔کبھی یہ رقم چھ مہینوں اور کبھی سال کے بعد ملتی ہے۔

1. خطاطی وخوش نویسی:

کلچرل اکادمی کی جملہ اردو خدمات میں تدریسی کام کاج، خوشنویسی، فن خطاطی یا کتابت کا درس جو اکیڈمی طلباء وطالبات کو دیتی ہے۔ وہ قابل ستائش اور قابل قدر ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم خطاطی کی روایت اور اکیڈمی کا تذکرہ کریں گے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ خطاطی سے کیا مراد ہے (خوشنویسی، کتابت مختصر یہ کہ ان سب کی بنیاد اصل میں خطاطی ہی ہے باقی سب اس فن کے بدلتے نام ہیں)

خط: لفظ خط ''عربی زبان کا لفظ ہے اور اسی سے خطاطی نکلا ہے جس کے معنی ''انداز تحریر'' کے ہیں۔ خطاطی کے بہت سے طرز رائج رہے ہیں جن میں خط نسخ، خط نستعلیق، خط گلزار، خط ماہی، خط ناخن، خط ابری، خط انجم، خط شکستہ، خط درمیانہ، خط رقاع، خط کوفی، خط قرام اور خط بنگلہ نما وغیرہ ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ہی ایسے خط ہیں جو عام طور سے رائج رہے ہیں۔ خط نسخ، خط نستعلیق اور خط شکستہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

خط نسخ: عربی خط کا نام ہے جو عربی کا قدیم طرز تحریر مانا جاتا ہے۔

خط نستعلیق: وہ ایرانی خط ہے جو خط نسخ اور نستعلیق سے ملا کر تحریر کیا جاتا ہے۔

آج کل اردو کے لیے خط نستعلیق ہی رائج ہے۔

خط شکستہ: ایک قسم کا خط جو گھسیٹ کر لکھا جاتا ہے۔

یہ تینوں خط اردو میں رائج رہے ہیں ریاست کے خطاطوں نے ان تمام خطوط کا استعمال کیا ہے اور بیشتر آج بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کشمیر کے ایک ممتاز خطاط میاں شریف نے بھی فن خطاطی پر ایک شاندار تصنیف تحریر کی ہے جس کا نام ''ید بیضا'' ہے۔ جس کا ذکر مولوی محمد ابراہیم نے بھی کیا ہے۔ اس کتاب میں خطاطی کے خوبصورت جوہر دکھائے گئے ہیں۔ بقول مولوی محمد ابراہیم خطاطی کو ''سفیر خیال'' کہا گیا ہے۔ تاریخ کشمیر کی ورق گردانی اگر کی جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فن خطاطی کوئی نئی بات نہیں ہے۔

> ''کشمیر میں مغل دور ۹۹۲ھ (۱۵۸۶ء) میں چکوں پر اکبری افواج کی فتوحات[1]
> کے بعد شروع ہوا۔ جلال الدین محمد اکبر کے فتح کشمیر کے وقت کشمیر میں زبان
> فارسی اور فن نقاشی وخطاطی نہ صرف عروج پر تھے بلکہ خود سلاطین چک بھی ان

---

[1] ساز کی لے تیز کرو، کلچرل اکیڈمی، خطبہ استقبالیہ

میں غیر معمولی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ کشمیر کے آخری چک بادشاہ یوسف شاہ چک کے متعلق روایت ہے کہ وہ نہ صرف ایک اچھا موسیقار اور فارسی دان تھا بلکہ بقول بابا داور خاکیؒ خطاطی اور نقاشی سے بھی غیر معمولی رکھتا تھا۔ جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفیؒ کشمیری المعروف بہ حضرت ایشان صاحبؒ جن کا بیشتر وقت کشمیر کے سلاطین چک کے دوران بسر افن خوش نویسی میں مولانا رضی کے شاگرد تھے''۔ ۲؎

یہاں یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں خطاطی کی روایت بہت پہلے سے رہی ہے۔ مختلف ادوار میں یہ فن پروان چڑھا اور بعض دفعہ ناانصافی کا بھی شکار ہوا۔ بقول محمد یوسف ٹینگ ''کشمیر فن خوش نویسی کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور اس نے محمد حسین کشمیری اور محمد مراد شیریں قلم جیسے خوشنویس پیدا کیے۔ جو اکبر بادشاہ اور شاہ جہاں کے درباری خطاط تھے''۔ ۳؎ لیکن باضابطہ طور پر فن کی حیثیت سے خطاطی کی شروعات صحافت میں نمایاں طور سے ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جموں وکشمیر کی صحافت شدید مشکلات کی شکار رہی ہے۔ ریاست میں اُردو صحافت کا باقاعدہ آغاز ۱۹۲۴ء میں اردو اخبار ''رنبیر'' سے ہوا ہے۔ لیکن ریاست کا پہلا اخبار جو کہ سرکاری تھا۔ ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اگر پہلا اخبار متذکرہ سن میں شائع ہوا ہے تو اُردو خطاطی کی شروعات اِس سے پہلے ہوئی ہوگی اگر خطاط موجود نہ ہوتے تو شاید اردو اخبار کے اجراء کے سلسلے میں کافی دقتیں پیش آتیں۔ البتہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اخبارات کے رواج کے ساتھ خطاطی کے فروغ کے وسائل روشن ہو گئے۔

''جنت ارض کشمیر میں جہاں قدرت نے اپنی رعنائیوں اور دلفریبیوں کو سمیٹ سمیٹ کر جمع کر رکھا ہے۔ یہاں علم وعرفان کی چشمہ شیرین ابلنے کے ساتھ ساتھ خطاطی اور خوش نویسی کا فیضان عام تھا۔ کوئی لکھا پڑھا گھر ایسا نہ تھا۔ جہاں ''کریما اور نام حق'' کے درجہ میں ماہر مشتاق خطاط ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عملی خاندانوں میں خطاطی کے لیے ریاض تو لابدی تھا''۔ ۳؎

۲؎ مغل دور کے کشمیری خطاط، مولوی محمد ابراہیم، شیرازہ مغل اور کشمیر نمبر، ص ۲۳۲

۳؎ خطاطی کا عروج وزوال، پیر محمد افضل مخدومی، شیرازہ، انتخاب نمبر، ہمارا ادب، ص ۲۹۹

فن خطاطی کی مقبولیت کا اندازہ ہم اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ اس کی طرف توجہ کرتے تھے۔حکومتوں کے ساتھ اس فن کی وابستگی نے اگرچہ کامیابی کے امکانات پیدا کیے دوسری طرف ان حکومتوں کے زوال کے ساتھ خطاطوں پر مشکل وقت آ پڑتا اور خطاطی بھی زوال کی شکار ہوتی پھر بھی اس فن کا خاتمہ۔اس بات میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ کشمیر نے اس فن کی آبیاری میں نمایاں رول ادا کیا ہے اور اس فن کو اُس وقت چار چاند لگے جب کلچرل اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا اور اس فن کو فروغ دینے کے وسیلے اور زیادہ روشن ہو گئے۔اس بارے میں موتی لال ساقی لکھتے ہیں:

''ملک کے دیگر حصوں کی طرح ہماری ریاست میں بھی خطاطی اور خطاطوں کے بارے میں کتابوں کا فقدان ہے کلچرل اکادمی کے دو دلآویز مرقعوں شریں قلم اول اور شیریں قلم دویم کے سوا اس ضمن میں کوئی کام نہیں ہوا۔شرین قلم کے دیباچے میں محمد یوسف ٹینگ نے کشمیری خطاطی کی پرانی روایات اور خطاطوں کی زندگی اور فن کے بارے میں انہوں نے چپ سادھ لی ہے'' ۔[۴]

خطاطی:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ ۱۸۹۲ء میں خطاطی کا آغاز ہوا تھا اور اس کے جوں جوں وقت گزرتا گیا لوگوں نے اس فن لطیف کو مستقل طور پر اپنایا اور اس فن کو باضابطہ بحیثیت ہنر اپناتے رہے یہ فن اب روزگار کے لیے ایک اہم وسیلہ بن گیا تھا۔بحیثیت ہنر، یہاں کے خطاطوں نے اپنے فن کو ہر عہد کے تقاضوں کے بموجب اس میں وسعت پیدا کی۔جموں وکشمیر میں فن خطاطی کو زوال سے بچانے کے لیے اکیڈمی نے سخت گیر پالیسی اپنائی۔خطاطی کے تاریخی نمونوں کو محفوظ کیا اور اس سلسلے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔جو حسب روایت برقرار ہے تاکہ یہ فن زندہ رہ سکے۔نیز اس فن کی طرف طلباء وطالبات کو راغب کیا گیا۔خطاطی کی تدریس کے سلسلے میں اکیڈمی کا یہ تجربہ اہم ترین تصور کیا جاتا ہے۔اکیڈمی نے اپنے قیام سے ہی اس فن کی طرف توجہ کیا۔ابتداء میں چند طلباء اور طالبات ہی اس تخلیقی کام کو سیکھنے کی غرض سے اکادمی میں درج ہوئے تھے بعد میں طلبہ کی کمی کے پیش نظر یہ کورس بند کرنے پڑے۔لیکن ۱۹۷۴ء سے خطاطی کی تدریس کا پروگرام برابر جاری ہے۔

---

[۴] کشمیر میں اردو کتابت، موتی لال ساقی، بازیافت سلور جوبلی نمبر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی، ص ۸۸

طلباء وطالبات برابر داخلہ لے رہے ہیں اور اس میں پیشہ ورانہ تربیت حاصل کر رہے ہیں۔

''کشمیر میں خوش نویس کے فن کو ترقی دینے کے سلسلے میں کلچرل اکیڈمی نے اپنے قیام سے ہی عہد ساز کام کیا ہے۔ ابتداء میں خوشنویسی کی جو تعلیم گاہ کلچرل اکیڈمی نے قائم کی تھی اس کے سربراہ کشمیر کے مشہور خطاط پیر حسام الدین وفائی تھے ان کی نگرانی میں دس طلباء فارغ التحصیل ہوئے جن میں سے آج چند کشمیر کے اچھے خاصے خطاطوں میں شمار ہوتے ہیں''۔[۵]

پیر حسام الدین وفائی کے بعد پیر محمد افضل خدوی پرنسپل کے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ آج محمد صدیق تعلیم گاہ خوش نویسی کے پرنسپل ہیں۔ ان کے علاوہ ولی محمد میر، پنڈت کاشی ناتھ، اکیڈمی کے شعبہ خوش نویسی سے وابستہ رہے اور یہاں کے ملازم بھی رہے۔ جن خوشنویسوں نے یہاں کام کیا ہے ان میں فاضل کشمیری، غلام حسن، مرحوم غلام نبی مہاجن اور حسام الدین ترکوی، شوکت احمد عباس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ محمد یوسف مسکینؔ موجودہ دور میں اچھے خطاط مانے جاتے ہیں اور انہوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے اس فن میں استادانہ مہارت حاصل کی ہے اور خطاطی کے اسرار و رموز کی اچھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

''ملک کے مختلف زبانوں میں خطاطی کے فن کو فروغ دینے اور رسم الخط کے درمیان تال میل پیدا کرنے کے لئے نئی دہلی میں ایک بین الاقوامی ورکشاپ منعقد کیا گیا جن میں مختلف زبانوں کے نامور خطاطوں کے علاوہ کئی بیرونی ممالک کے خطاطوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ ورکشاپ میں کشمیری کو بھی شامل کیا گیا۔ کشمیر کے ماہر خطاط محمد یوسف مسکینؔ نے ورکشاپ میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا جسے دیکھنے والوں اور منتظمین نے بے حد سراہا۔ ورکشاپ سبھی تسلیم شدہ زبانوں، بنگلہ، اڑیسہ، کنڑ، اردو، پنجابی، کشمیری، ہندی، سندھی، تامل، گجراتی، تلگو خطاطوں کے علاوہ فرانس، اٹلی، ترکی، انگلینڈ اور جاپان کے

۵۔ جموں وکشمیر میں اردو کتابت، موتی لال ساقی، ص، ۹۶، بازیافت، سلور جوبلی نمبر

ماہر خطاطوں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ ورکشاپ کا اہتمام، اندرا گاندھی کلچر سنٹر برائے آرٹ نے کیا تھا اور ۳۰ نومبر ۸۸ء کو شروع ہو کر ۴ دسمبر ۸۸ء کو اختتام پذیر ہوا''۔ ۶

فن خطاطی کے ایسے ماہر اب بھی اکادمی میں موجود ہیں جو اپنی حیثیت منوا چکے ہیں اور اب نئی پود کے لیے درس کا کام انجام دے رہے ہیں۔ جو طلباء و طالبات فن خطاطی سیکھ رہے ہیں انہوں نے کم از کم اردو بحیثیت ایک مضمون پڑھا ہوتا ہے' اسی صورت میں انہیں اکادمی خوش نویسی کے شعبہ میں داخلہ دیتی ہے اردو کے لیے یہ ایک اچھی اور خوش آئند بات ہے کیونکہ جو طلبہ و طالبات خطاطی سیکھنا چاہتے ہوں ان کے لیے اُردو لازمی مضمون قرار دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جو یہاں جموں و کشمیر میں مواصلاتی ذرائع ہیں ان کے لیے اردو ایک لازمی زبان ہے۔ مثلاً رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مختلف شعبہ جات جن میں کشمیر یونیورسٹی کا شعبہ اردو، لسانیات اور پبلک ریلیشنز سیکٹر شعبہ قابل ذکر ہیں جہاں پر خوش نویسوں کی کافی ضرورت ہوتی ہے۔

''اُردو خطاطی کے فن کو فروغ دینے کے لیے اکادمی کا شعبہ خوش نویسی اہم خدمات انجام دے رہا ہے اور اس مٹتے ہوئے فن کو زندہ رکھنے کے لیے قابل ستائش کوشش ہو رہی ہے۔ اس تین سالہ تربیتی کورس میں خوش نویسی کا فن سکھایا جاتا ہے۔ اس شعبے نے کئی اچھے خوش نویس پیدا کئے ہیں جو مختلف اخباروں اور اداروں کے ساتھ منسلک ہو گئے ہیں اس طرح سے نہ صرف ایک بڑی کمی دور ہو رہی ہے بلکہ ایسے لوگوں کے روزگار کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ خطاطی کے شعبے میں تربیت پانے والوں کو اکادمی ۱۲۵ روپئے ماہوار وظیفہ بھی دیتی ہے۔ ابھی چند سال پہلے اکادمی نے ملک بھر میں خطاطی کا پہلا کل ہند مقابلہ انعامی سری نگر میں منعقد کیا تھا۔'' ۷

اکیڈمی طلباء کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس فن کو مزید وسعت دینے کی غرض سے طلباء کی فلاح و بہبود کے لیے وظیفہ بھی دیتی ہے۔ اس بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اکادمی اُردو فن خطاطی کو کس قدر

---

۶ خبر نامہ ''اکادمی'' جلد ۱۲ اگست ۱۹۸۹ء، شمارہ ۲، کلچرل اکادمی، سرینگر

۷ اردو کی ترویج میں اکادمی کا حصہ، برج پریمی، ساز کی لے تیز کرو، ''زبان و ادب نمبر''ص، ۹۰

تقویت پہنچا رہی ہے اس فن کو فروغ دینے اور محفوظ کرنے کے لیے کس قدر مخلص ہے۔ اُردو کا دائرہ خطاطی کافی وسیع ہے اردو خطاط اخبار، ٹیلی ویژن، تعلیمی شعبوں کے علاوہ گھر میں رہ کر بھی بخوبی اپنا کام انجام دے سکتا ہے۔ اردو خطاط کے لیے ساری دنیا میں ایسے اردو مراکز ہیں جہاں وہ کام کرسکتا ہے جس طرح بھی جہاں بھی اردو خطاط کام کرے اس میں اردو کے فائدے کی ہی بات ہے اس لحاظ سے اس کا میدان کافی وسیع وعریض ہے۔

اردو خطاطی کی آموزش اور ستائش کی یہ کوشش اپنی نوعیت کی انوکھی خدمات ہیں اس کے لیے اردو کا جاننا لازمی ہے جن لوگوں نے خطاطی کا فن سیکھ لیا وہ مختلف جگہوں پر روزگار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اس فن نے ان کے لیے ایک عظیم اور ایک مقدس ہنر کا کام بھی کیا اور یہ لوگ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی آسانی کے ساتھ پال پوس سکتے ہیں۔ اور اپنی زندگی بڑی خوش وخرم طریقے سے گذار سکتے ہیں اکادمی نے اس تاریخ ساز کام کے ذریعہ نہ صرف اس فن کو نئی زندگی عطا کی ہے بلکہ اس فن کے ماہرین کے لیے مالی مشکل کو بھی بہت حد تک دور کر دیا۔ ایک اردو کا طالب علم اس فن میں تربیت پانے کے بعد اس سے بہت سارے فائدے اُٹھا سکتا ہے اردو کی تدریس کے سلسلے میں اہم ترین تجربہ اکادمی نے فن خطاطی میں کیا ہے۔ اس فن کی وجہ سے ایک خوش نویس کسی بھی شعبے میں ملازمت حاصل کرسکتا ہے اب بھی اردو خطاطی کا ہی دور دورہ ہے۔ فن خطاطی کے اس شعبے کے زیر سایہ جو مزید گراں مایہ کام اکیڈمی نے انجام دیا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل تحریر سے ہوسکتا ہے:

> ’’اکادمی کا کام خطاطی اور خوش نویسی کے سلسلے میں کل ہند مقابلوں اور تعلیم گاہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ وادی کی مسجدوں، خانقاہوں، زیارتوں، یہاں کے قبرستانوں، قدیم نسخوں کے نمونوں، سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں موجود اور کندہ خوشنویسی کے نمونوں اور نوادرات کا سروے کرنے اور سراغ لگانے کے لیے راقم کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ سروے رپورٹ پیش کرنے پر ان تمام نمونوں کی تصویریں اٹھانے اور ان کا عکس کپڑے پر اتارنے کے لئے ایک پارٹی کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ کئی ہفتوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد اکیڈمی کے ان اراکین

نے مسجدوں، میناروں، خانقاہوں، زیارتوں اور قبرستانوں پر کندہ ان نمونوں کے فوٹو کھینچے اور کپڑوں پر عکس بھی اٹھائے۔ صاحب ذوق حضرات کے ذاتی کتب خانوں میں خوشنویسی کے نمونوں کی تصویریں بھی اٹھائی گئیں۔ اس طرح سے اکیڈمی کے پاس خوش نویسی کا بہت ہی اہم اور نادر ذخیرہ اکٹھا ہوگیا ہے۔ یہ ذخیرہ شاردا، سنسکرت، عربی، فارسی اور اردو کا ہے''۔[۸]

اکیڈمی کا خطاطی کا شعبہ نہ صرف اردو والوں کو بلکہ اردو سے باہر کے لوگوں کے لیے بھی آمدنی کا ذریعہ بن گیا ہے۔ قبرستانوں میں جو کتبے نصب کیے جاتے ہیں ان تصاویر پر تحریر کندہ کرنا خطاطوں کا ہی کام ہے۔ آستانوں اور زیارت گاہوں پر جو کام ہوا یا ہو رہا ہے۔ وہاں بھی اس فن سے وابستہ افراد کام کر سکتے ہیں اور ذریعہ معاش اور وسیلہ ان کے لیے خطاطی کے ذریعے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ قالینوں اور پیپر ماشی اور پینٹنز پر جو اشعار بنے اور لکھے جاتے ہیں اس میں بھی کاتبوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ غرض فن خوش نویسی روزگار کا بہت بڑا وسیلہ ہے۔ یہاں کے ماہرین خطاطوں نے اُردو خطاطی کو اپنے خون جگر سے سینچا اور اس فن کو مزید پھیلانے میں مدد دی۔ یہ دور کشمیر کے علاوہ برصغیر کے لیے بھی اہم ہے کیونکہ اردو نستعلیق اب کمپیوٹر کے ذریعہ بھی تحریر کیا جاتا ہے یعنی اب اس سائنسی دور میں خطاطوں کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے جو کام آج تک ایک خوش نویس انجام دے رہا ہے اب کمپیوٹر بالکل آسانی سے اور بہت ہی کم وقت میں انجام دیتا ہے اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے اب خطاطی کے لیے بہت ہی کٹھن دور آن پڑا ہے۔ اگر فن خطاطی کو زندہ رکھنا ہے تو اس سلسلے میں موجودہ دور میں مبارزطلبی ہوگی ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ بقول محمد یوسف ٹینگ:

''کشمیر میں خطاطی کی یہ بیش بہا روایت اگر چہ ناگزیر عوامل کی بنا پر خزان رسیدہ ہوگئی ہے۔ لیکن وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی توجہ سے اس شاخ گلاب میں شادابی کے آثار رونما ہونے لگے ہیں انہوں نے آثار شریف کی تعمیر جدید میں خطاطی کے فانوس روشن کیے۔ مدینۃ العلوم میں خطاطی کی تربیت کا انتظام کیا اور کلچرل میں تربیت گاہ خطاطی کی سرپرستی فرمائی۔ زیر نظر مرقع کشمیریوں کے اس فن

---

[۸] کلچر اکیڈمی کی اردو خدمات، محمد اسد اللہ وانی، ساز کی لے تیز کرو، ص ۱۰۷

شریف میں اکتسابات کی سند بھی پیش کرتا ہے اور اس کے روشن مستقبل کی
بشارت بھی دیتا ہے۔ امید ہے کہ شاخ نبات اس سرزمین لاوگل سے پھر نمود
اور رنگ کی لطافت اور حلاوت حاصل کر سکے گی''۔ ۹

متذکرہ تحریر شیرین قلم سے ماخوذ ہے جو کہ خطاطی کے میدان میں تاریخی دستاویز ہے فن خطاطی پر یہاں کے قلم کاروں نے بہت کم قلم آزمائی کی ہے۔ لیکن محمد یوسف ٹینگ نے نگران کی حیثیت سے یہ تاریخ ساز کام کیا ہے۔ شیرین قلم کے تربیت کار محمد احمد اندرابی، موتی لال ساقی اور محمد احسن احسنؔ ہیں۔ بقول محمد یوسف ٹینگ:

''عظیم خوشنویسوں کے یہ القاب کتنے بولتے ہوئے تبصرے ہیں اور فن خطاطی
کی کتنی جہتوں کا سراغ دیتے ہیں''۔ ۱۰

شیرین قلم دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں جلدوں کی چھپائی اور جملہ مواد بہت ہی دلکش ہے۔ واقعی فن خطاطی کے لازوال نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں کلچرل اکادمی اس کام کے لیے داد تحسین کے قابل ہے۔ ۱۹۵۸ء کے بعد فن خطاطی اکادمی کے زیر سایہ کافی فروغ پا گئی۔ خطاطی کے میدان میں یہ دور سنہری حروف سے رقم ہوگا۔ اس دور میں طلباء کو زیادہ تر اردو نستعلیق میں درس دیا جاتا ہے۔ کلچرل اکادمی کے علاوہ کئی ایک خطاط ایسے ہیں جو گمنامی کی حالت میں ہیں۔ اگر چہ وہ اس فن کی سرپرستی نہیں کرتے لیکن اپنے گھروں میں رہ کر کام کرتے ہیں۔ بہر حال اردو کے لیے یہ ایک نیک فال ہے خطاطی کے اہل علم آج بھی خطاطی کی وسعت کے لیے کوشاں ہیں۔

اردو کمپیوٹر چونکہ خطاطی کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے اردو کو عصری تقاضوں کے مطابق آگے جانا ہے۔ آج کل کتابوں کی اشاعت اور رسائل کی اشاعت کے پیش نظر جدید ٹکنالوجی سے استفادہ ضروری ہے ایسی صورت حال کے نتیجے میں ہم اردو کمپیوٹر کے شانہ بہ شانہ اردو خطاطی کو بھی چلا سکتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں خوشنویسی کے شعبے میں مزید وسعت کی ضرورت ہے تب ہی یہ فن جدید ضروریات کے مطابق آگے بڑھے گا۔ اور اس میدان میں نئے نئے تجربات کی ضرورت ہے یہ ایک صورت ہے جو یہ فن زوال سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اردو زبان کے لیے معاون ثابت ہوگا۔ خطاطی کی تدریس کے لیے اس مقصد کو ملحوظ نظر رکھ کر دیکھا جائے کہ

---

۹ شیرین قلم'' کلچرل اکیڈمی، محمد یوسف ٹینگ جلد اول
۱۰ شیرین قلم کلچرل اکیڈمی، محمد یوسف ٹینگ، جلد اول پیش تحریر

اردو ایک زندہ زبان بن جائے اور جدید تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ مشینی اور کمپیوٹر دور کے مدِ نظر اُردو خطاطی کو زیادہ سے زیادہ عام فہم اور تکنیکی بنانے کی اشد ضرورت ہے۔

اردو خطاطی کو فن کی حیثیت سے ترقی دینا اور اسے پروان چڑھانے کے لیے کو جو کردار ادا کرنا ہے وہ ایک مثالی ہونا چاہیے ایک یہ کہ کمپیوٹر کے اس دور میں خطاطی زندہ رہ سکے۔ خطاطی فن کی حیثیت سے روزگار کا وسیلہ بنا رہے اگر ایسا نہیں کیا گیا تو موجودہ دور میں لوگ اس فن کی طرف راغب نہیں ہوں گے اس فن کا یہ بھی مقصد ہونا چاہئے کہ اردو زبان و ادب کو زیادہ سے زیادہ فروغ ملے۔ اس فن کے لیے نئی راہیں تلاش کی جائیں اور سائنٹفک بنیادوں پر توجہ دی جائے۔ خطاطی کے ترقیاتی پہلوؤں پر زور دیا جائے اور مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے ساتھ اس کی توسیع کی جائے۔

اردو میں کام کرنے والے حضرات فن خطاطی سے بہت ہی مفید ہوئے۔ اردو خطاطی ان کے لیے بحثیت ہنر، روزگار کا بھی وسیلہ بنی اور اردو خدمات میں بھی ایک اہم کام انجام دیا گیا۔ کلچرل اکادمی نے ۱۹۷۷ء میں فن خطاطی میں زیر تربیت سترہ طلباء و طالبات میں سولہ کو پہلی جماعت کے طور پر فارغ التحصیل قرار دیا اس طرح کلچرل اکادمی اردو خدمات میں زیر اہتمام تعلیم گاہ خوش نویسی میں اپنی کارکردگی کا لوہا منوا کے ہی رہی۔ جہاں تک اس تربیت کا تعلق ہے تو ان طلباء و طالبات کو تین سال تک مسلسل تربیت دی گئی اس کے بعد ریاست کے باہر سے خطاطی میں ماہر افراد سے امتحانی پرچے مرتب کرائے گئے اور بعد میں پرچوں کی مارکنگ بھی ریاست سے باہر ہی کروائی گئی۔ وہ اس لیے کہ خطاطی کو مزید مستحکم کیا جائے اور یہاں کی روایت کو برقرار رکھا جائے اور حوصلہ افزاء کام خوشنویسی میں وجود میں آئے۔ ساتھ ہی اردو زبان و ادب کا نام روشن ہو۔

اکیڈمی کی اردو خدمات میں خوش نویسی نے بھی بہترین رول ادا کیا ہے۔ اردو خوش نویسی کے شاہ پاروں کا جب بھی کوئی مقابلہ ہوا کرتا ہے تو یہاں کے خطاطوں کی شاندار روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بڑے بڑے انعامات اور اعزازات حاصل کرتے ہیں۔ ساہتیہ اکیڈمی نے بھی جب یہاں کے خطاطوں کا کام دیکھا تو انھوں نے بھی ان ماہرین فن کی خدمات حاصل کر لیں اور ان سے استفادہ کیا۔ یہاں کے خطاطوں نے اس میدان میں شاندار اور تاریخی رول نبھایا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا ماضی میں شاندار کردار رہا ہے مگر حال میں ہمارے خطاط بہت مشکل حالات میں جستجو کر رہے ہیں اور کمپیوٹر دور میں ابھی تک اس فن کو زندہ رکھا ہے۔

مستقبل میں بھی امید ہے کہ ہمارے صاحب ذوق خوش نویس اپنی اونچی روایت کو برقرار رکھیں گے اور اردو خدمات میں اپنا ہاتھ بٹائیں گے۔ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب لوگ کہتے تھے کہ اردو ٹائپنگ کا زمانہ ہے اردو خطاطی باقی نہیں رہے گی لیکن خطاطوں نے اس دور میں بھی اس فن کو جلا بخشی اور بغیر کسی خوف کے اس فن کو اپنایا اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔ اکیڈمی نے اردو خطاطی میں نہ صرف طلباء بلکہ طالبات کی بھی تربیت کی۔ فارغ التحصیل طالبات کو بعض دفعہ اکادمی کی خدمات کے لیے بھی منتخب کیا گیا:

> ''پہلی خاتون خوشنویس کا اکادمی میں تقرر یہ بات کافی حوصلہ بخش ہے کہ ریاست میں خوش نویسی کے فن میں نئے سرے سے زندگی کے آثار پیدا ہونا شروع ہوگئے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی اب فن شریف میں دلچسپی لے رہی ہیں اکادمی کا تعلیم گاہ خوشنویسی کے تین سالہ تربیتی کورس سے فارغ التحصیل ہونے والوں میں سیدہ نعیمہ بانو بھی شامل ہیں۔ جن کا پچھلے دنوں اکادمی میں بحیثیت خوش نویس تقرر ہوا''۔ [۱۱]

آج بھی اکیڈمی کے کتابت اسکول میں طلباء کی بہ نسبت طالبات کی زیادہ تعداد ہے جو کہ اردو خطاطی کے لیے ایک نیک شگون ہے اردو خطاطی کو وسعت دینے کی غرض سے اردو بورڈ نے ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک اکادمی کی خوش نویسی بننے میں اچھی کارکردگی کے نتیجے میں ۱۰۰۴۹۷ روپے بطور سبسیڈی کے دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو بیورو سالانہ خوش نویسی کے لئے ۴۴ ہزار روپیہ گرانٹ دیا ہے۔ اکیڈمی نے اس فن کو مزید وسعت دینے کے لیے زیر تربیت طلباء اور طالبات میں مقابلے منعقد کیے اور ان میں انعامات کے علاوہ اسناد بھی تقسیم کیں۔ جن طلبہ نے انعامات حاصل کیے ہیں ان میں لکھنو کے شری محمد احمد، کشمیر کے محمد یوسف مسکین، ایک ہزار روپے فی کس، جب کہ بمبئ کے محمد قاسم فیضی اور دہلی کے محمد عتیق صدیقی کو بالترتیب سات سو روپئے دیئے گئے:

---

[۱۱] خبر نامہ ''اکادمی'' جنوری ۱۹۷۸ء کلچرل اکادمی، ص ۱۵

جموں وکشمیر اکیڈمی نے آرٹ ایوارڈ سے جن لوگوں کو نوازا ہے ان کے اسماء گرامی بالترتیب درج ذیل ہیں:

سال 1966 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب رتن پریمود
2 جناب تریلوک کاؤل
3 جناب پی این کچرو
4 جناب ایم کے بھٹ
5 جناب ایس کے کاؤ
6 جناب بھوشن کاؤل
7 جناب اجیت کاؤل
8 جناب شجاع سلطان
9 جناب آر ایم سرکار

سال 1974 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب تریلوک کاؤل
2 جناب بنسی پریمو
3 جناب اے آر جان
4 جناب بی کے سلطان

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ جیان کور

استوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب بشیر احمد شورا
2 جناب کیول کرشن

سال 1975 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بھوشن کاؤل
2 جناب ایم اے محبوب
3 جناب غور حسن

کیملن ایوارڈ

1 جناب اشوک مہرا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شبیر مرزا
2 جناب وجے صرف

سال 1976 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب صادق محمد
2 جناب اے کے رائنا
3 جناب آے آر جان
4 جناب غیور حسن
5 جناب وی آر کھجوریا

کیملن ایوارڈ

1 جناب شجاع سلطان

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ شائقہ موحی
2 جناب وجۓ کول
3 جناب آفتاب احمد
4 مس چندرلتا سادھنا
5 جناب منظور احمد راتھر

سال 1977 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بھوشن کول
2 مس نسرین شہزادی
3 جناب اے آر جان
4 مس گووندکور

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ فرخانہ موحی

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب آراین سنگھ
2 جناب کرشنجی کاؤ
3 جناب نریش کول

سال 1978 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب اے آر جان
2 جناب وجۓ گپتا
3 جناب شبیر مرزا
4 جناب راجندر ٹکو

کیملن ایوارڈ

1 جناب بھوشن کول

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 مس نسیم شورا	2 جناب کیلاش ناتھ
3 جناب برج موہن	4 جناب نیاز احمد میر

سال1980 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بشیر شورا	2 محترمہ نسرین شہزادی
3 جناب اشوک مہرا	4 جناب بھوشن کیسر

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ اپدیش کور

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب راکیش کول	2 محترمہ نسیم شورا
3 جناب نیرج اپمنیو	4 جناب راجیشور سنگھ
5 محترمہ فاتیہ شہزادی	

سال1981 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب گوکل ڈیمی	2 جناب نوشاد نثار
3 جناب اعجاز ملک	4 جناب مشتاق احمد خان
5 جناب سورج کھجوریا	6 جناب امرک سنگھ نامدھاری

کیملن ایوارڈ

1 جناب آفتاب احمد

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ آشا کول	2 محترمہ تنوجا مجو
3 محترمہ نسیم شورا	

سال 1982 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1	جناب بھوشن کیسر	2	محترمہ فاتیہ شہزادی
3	جناب روی دھار	4	جناب بی کے سلطان

کیمل ایوارڈ

1 جناب مقصود حسین

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1	جناب سشیل کمار بھولا	2	محترمہ پنچ شیل کول
3	محترمہ فہمیدہ علی		

سال 1983 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1	محترمہ نسرین شہزادی	2	محترمہ پنچ شیل کول
3	محترمہ شائقہ موحی	4	جناب سشیل کمار بھولا

کیملن ایوارڈ

1 جناب ونود ملہوترا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1	جناب شفیع چمن	2	جناب ایس سی کار
3	محترمہ رمنی رائنا	4	محترمہ نگہت نسرین

سال 1984 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1	جناب راجیشور ٹھاکر	2	محترمہ پنچ شیل کول
3	محترمہ نسرین شہزادی	4	جناب برج موہن شرما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1	جناب شفیع چمن	2	محترمہ پرنسی بھٹ
3	جناب اشوک کمار کول		

کیملن ایوارڈ

1 جناب گیان چند دھمن

براڈوے ایوارڈ

1 جناب کندن کمار 2 جناب شبیر مرزا

سال 1985 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب شبیر مرزا 2 جناب بی.جی حسن

3 جناب گیان چند دھمن 4 جناب آفتاب احمد

کیملن ایوارڈ

1 جناب کمل نین بھن

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ایم اے محبوب 2 جناب برج شرما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب نیرج شرما 2 محترمہ پرنسی بھٹ

سال 1986 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب ایم اے محبوب 2 جناب شفیع چمن

3 محترمہ نسرین محسن 4 جناب ہمایوں قیصر

کیملن ایوارڈ

1 جناب بشیر شورا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب رندھیر سنگھ پٹھانیا 2 جناب میر امتیاز

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ پرنسی بھٹ 2 محترمہ ہروبندر کور

سال 1987 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بشیر شورا — 2 جناب کندن کمار

3 جناب کمال نین بھن — 4 محترمہ شرمیلا اوستھی

کیملن ایوارڈ

1 جناب اندر سلیمی

براڈوے ایوارڈ

1 جناب اشوک مہتا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب سنجے سراف — 2 جناب ستپال شرما

سال 1988 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب کمال نین بھن — 2 جناب شبیر حسین سنتوش

3 جناب شمیم فاروقی — 4 جناب اعجاز ملک

کیملن ایوارڈ

1 جناب ٹی ایس بترا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب امرک سنگھ — 2 محترمہ ساحل میر

سال 1989 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب ظہور زرگر — 2 محترمہ نسرین محسن

3 جناب ستپال شرما — 4 جناب راجندر کمار

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب آشوتوش سپرو — 2 جناب مسعود نقشبندی

کیملن ایوارڈ

1 جناب ایم اے محبوب

براڈوے ایوارڈ

1 جناب نجم الحسن کاظمی 2 جناب این ڈی سنگھ جوال

سال 1990 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب وجئے سراف مینا گھے 2 جناب ظہور زرگر

3 جناب ٹی ایس بترا 4 جناب جے پی سنگھ

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب سریش کمار شرما 2 محترمہ سجاتا مگوترا

کیملن ایوارڈ

1 جناب اشوک مہرا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب سبھاش آنند 2 جناب گنیش کمار شرما

سال 1991 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب مسعود نقشبندی 2 جناب ہرش وردھن

3 جناب مدن ورما 4 جناب بی آر بلدھوترا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شیرین جان 2 ریچا مہاجن

کیملن ایوارڈ

1 جناب راکیش کے کول

براڈوے ایوارڈ

1 جناب بھوشن کیسر 2 جناب وویک جمول

سال 94-1993 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب رویندر جمول 2 جناب ہرچرن سنگھ

3 محترمہ تنو جا مجو 4 جناب ہرش وردھن

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب نوشاد غیور　　2 محترمہ آرتی بھسو

کیملن ایوارڈ

1 جناب ٹی سرنگ وانگڈو

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ملند کمار　　2 جناب بی ایل پروانا

سال 1995 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب غلام مصطفیٰ　　2 جناب کمل نین بھن

3 جناب بھوشن کیسر　　4 جناب سورج کھجوریا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب عاشق حسین　　2 جناب جسبیر ورک

کیملن ایوارڈ

1 جناب منو گپتا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب نوشاد غیور　　2 جناب راجیش ہنڈو

سرٹیفکٹ میرٹ

1 کے ایم رچا کوہلی　　2 جناب روہت ورما

3 جناب ونئے کھجوریا

سال 1997 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب جگدیش سیٹھی　　2 جناب محمد اسلم نقشبندی

3 جناب ہرش وردھن　　4 جناب رمیش چندرورما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب واقر احمد لون — 2 جناب دیپک کیسر

کیملن ایوارڈ

1 کنور شکتی سنگھ

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ارون ڈوگرا — 2 جناب چندر پرکاش

سرٹیفکٹ میرٹ (آرٹسٹ)

1 جناب ککل سکھجیت سنگھ — 2 جناب سبھاش آنند

3 محترمہ ربینہ — 4 جناب ایم اکرم خان

سرٹیفکٹ میرٹ (اسٹوڈنس)

1 جناب طارق احمد وانی — 2 جناب بشارت حمید شاہ

3 جناب راجو — 4 ملن شرما

5 جناب برج پال آنند

سال 1998 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب جگپال سنگھ — 2 جناب ششی کمار

3 جناب سمن گپتا — 4 جناب آفتاب احمد

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب چندر پرکاش — 2 جناب اجے شرما

کیملن ایوارڈ

1 جناب مسعود تبش نقشبندی

براڈوے ایوارڈ

1 محترمہ شوکت نظیر — 2 جناب اختر رسول

سرٹیفکٹ میرٹ (آرٹسٹ)

1 جناب سکھجیت 2 جناب راجیش ہنڈو

سرٹیفکٹ میرٹ (اسٹوڈنس)

1 جناب انیل بھٹ 2 محترمہ مسرت محبوب

سال 2001 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب غلام مصطفیٰ 2 جناب برجپال آنند

3 جناب بھوشن کیسر 4 جناب راکیش کمار

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ سنندھارانی کھجوریا 2 جناب راجیش آنند

3 محترمہ رجنی بالا چب

سال 2002 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب روندر جموال 2 جناب ویر منشی

3 جناب ارشد صالح

کیملن ایوارڈ

1 جناب شفیع چمن

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محمد اشرف منشی 2 محترمہ سنندا کھجوریا

3 جناب جوگیندر پال 4 محترمہ سمن چب

براڈوے ایوارڈ

1 محمد اقبال 2 جناب ہردے کانت سندل

آج تک اکیڈمی کو خطاطی کے جو عمدہ اور خاص نمونے دستیاب ہوئے ہیں ارکان اکادمی نے ان کو آرٹ گیلری میں محفوظ رکھا ہے۔ان نمونوں کی تعداد چھ سو سے زائد ہے جو اکیڈمی کے پاس موجود ہیں۔اس طرح اردو کتابت سے جہاں اردو کو فروغ ملا۔وہیں کتابت سیکھنے والوں کے لیے روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوئے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ طلبہ وطالبات دلچسپی کے ساتھ کتابت سیکھ رہے ہیں۔

2. اردو ٹائپ ومختصر نویسی:

اردو ٹائپ ومختصر نویسی کا جو تربیتی کورس اکادمی نے شروع کیا تھا وہ اردو میں ایک اچھی پیش رفت تھی اور اس سے اردو والوں کے لیے بہت حد تک آسانی بھی پیدا ہوگئی تھی۔اردو کے سلسلے کی دوسری خدمات کی طرح اردو ٹائپ اور مختصر نویسی کے سلسلے میں اکادمی کی کوششیں قابل تعریف تھیں اور اکادمی نے اپنے محدود مالی وسائل کے پیش نظر شعبے میں اچھی خاصی کارکردگی کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔1914ء میں سلور جوبلی سیمنار کی روداد پیش کی گئی تو اس میں یہ بات کہی گئی کہ:

> ''اس کلاس کا قیام مارچ ۱۹۸۲ء میں عمل میں لایا گیا اور دس طلباء وطالبات کے لیے اردو ٹائپ اور مختصر نویسی میں تربیت دینے کے انتظامات کئے گئے۔لیکن صرف آٹھ طلباء وطالبات کی درخواستیں داخلے کے لئے منظور کی گئیں۔کلاس کا آغاز یکم اپریل ۱۹۸۲ء ہوا اور اس فن میں دلی کے ایک ماہر جناب نجم الاسلام صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔تربیت کے دوران امیدواروں کو ۱۰۰ روپیہ ماہانہ (فی کس) بطور وظیفہ دیا جاتا رہا''۔[۱۲]

جب پہلی بار اردو ٹائپ ومختصر نویسی کا قیام عمل میں آیا تو اردو والوں کے ساتھ ہی دوسرے ادبی حلقوں میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ کلچرل اکیڈمی کا یہ اقدام سب کے لیے بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ایسا لگا کہ اکادمی جدید تقاضوں کے رو سے ہی اردو کی ترقی میں کوشاں ہے اور ریاست کے اردو ادب اور زبان سے وابستہ حلقے کی ایک دیرینہ خواہش بھی پوری ہوگی جو کہ وہ بہت پہلے سے کرتے آئے تھے کہ اردو کے لیے جو چیزیں لازمی ہیں انھیں اردو کی خدمات کے لیے میسر رکھنا چاہئے۔اگر چہ دوسری ریاستوں میں اردو ٹائپ

---

[۱۲] ساز کی لے تیز کرو، زبان وادب نمبر،ص ۳۴۵

اور مختصر نویسی کا اہتمام کیا جا چکا ہے تو ریاستی کلچرل اکادمی اس صورت حال کے پیش نظر کوئی پہل کیوں نہیں کرتی۔ خیر وہ دن بھی آئے اور اردو ٹائپ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ بقولِ اسداللہ وانی:

> ''تعلیم گاہ خوش نویسی کے ساتھ ہی ٹیگور حال میں اکیڈمی نے چند برس پہلے اردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سکھانے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہے جسے اردو ترقی بورڈ کا مالی اشتراک بھی حاصل ہے اس فن کو سیکھنے والے طلباء کو ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے اردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کو کافی مقبولیت ہو رہی ہے۔'' ۱۳۱

اردو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ جس کے لیے اردو حلقے کافی زور دے رہے تھے کا قیام عمل میں آنا تھا کہ یہ مقبولیت کا باعث بنا اور طلباء و طالبات اس میں حصہ لینے آئے وہ اس ہنر سے فائدہ کی غرض سے آئے تاکہ مستقبل میں یہ فن ان کے لیے روزگار کا وسیلہ بن جائے اور اس میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ اردو کا بھی فروغ ہوگا اردو فن و ادب سے وابستہ لوگوں کی یہ مانگ ہمیشہ رہی ہے کہ کشمیر میں اردو کتابوں، رسائل اور مواد کی چھپائی وغیرہ کی سہولتیں بہم ہوں۔ اکیڈمی کی ان کوششوں سے ماہرین فن کو بھی بلوایا۔ اُردو کے ساتھ منسلک لوگ بھی بخوبی اس سے مستفید ہوئے وہ یہ بھی چاہتے ہیں آگے چل کر اس فن کو دوسرے لوگوں میں بھی منتقل کیا جائے۔ لیکن آج اس فن پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ فن زوال کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ٹائپنگ انسٹی ٹیوٹ اور اردو شارٹ ہینڈ

سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں جہاں کتابت جیسا فن زوال پذیر ہو رہا ہے وہیں انگریزی اور ہندی کے ساتھ ساتھ اردو ٹائپنگ کی سہولیت کا ہونا کافی اہمیت کا حامل ہے اردو ٹائپنگ کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر اکیڈمی نے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ٹیگور ہال سرینگر میں ایک اردو ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ انسٹی ٹیوٹ کی شروعات کی۔ اس ادارے میں تربیت حاصل کرنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو فی کس ایک سو روپیہ ماہانہ وظیفہ شروع ہوا تھا جو اب 1500 سے تجاویز کر گیا ہے اور کامیاب ہونے والے امیدواروں کو ڈپلوما کی سند دی جاتی ہے ابھی تک اس انسٹی ٹیوٹ سے کافی طالب علم تربیت حاصل کر چکے ہیں اس انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں رمیش مہتا لکھتے ہیں:

---

۱۳۱ اسداللہ وانی، ساز کی لے تیز کرو، جلد اول، ص ۱۰۸ ۔ یہ رقم 1500 سے 2100 تک دی جاتی ہے

''انسٹی ٹیوٹ میں فی الحال دس غیر سرکاری اور پانچ سرکاری امیدواروں کو تربیت دینے کا انتظام ہے دکھ کی بات یہ ہے کہ ابھی تک جنرل ڈپارٹمنٹ اور ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ نے اکادمی کے بار بار اصرار پر بھی سرکاری ملازموں کے کوٹے میں بھی بھرتی کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا ہے۔ اور اس طرح سے ریاستی سرکار نے ان ملازمین کو ان سہولیات سے محروم ہی رکھا ہے جو اس میں مہارت حاصل کر کے نہ صرف اپنے دفتروں میں اردو ٹائپ رائٹنگ کا کام کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے بلکہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس ضروری فن کی طرف راغب کر سکیں گے''۔ ۱۴

جو طلباء و طالبات اور دوسرے لوگ اکادمی کے شعبہ اردو ٹائپ و مختصر نویسی سے تربیت حاصل کر گئے۔ انہیں مختلف شعبوں میں روزگار میسر ہوا۔ مثلاً شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی، شعبہ جمالیات، کشمیر یونیورسٹی، شعبہ فارسی، عربی، یہاں تک کہ یونیورسٹی کے ایڈمنسٹریٹیو محکمہ میں بھی اردو ٹائپ کے ماہر اس وقت کام کر رہے ہیں یونیورسٹی سے باہر زندگی کے دیگر شعبوں، اخبارات، رسائل، جرائد میں بھی اس فن کے ماہر اب برسر روزگار ہیں اور اپنی مالی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو اردو ٹائپ و مختصر نویسی میں ماہر فن کاروں کے لیے روزگار کا کوئی مسئلہ نہیں ہے محکمہ اطلاعات، محکمہ مال، پولیس ڈپارٹمنٹ اور دوسرے اداروں میں ایسے تربیت یافتہ طلبہ و طالبات نوکریاں حاصل کرتے ہیں اور اس فن کو دوسروں تک منتقل بھی کرتے ہیں۔

''یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ریاستی حکومت کی طرف سے بھی آئی ٹی آئی میں اردو ٹائپ کی تربیت دی جارہی ہے اس لئے حکومت کی ہدایات کے تحت آئندہ اس فن میں دلچسپی رکھنے والے طلباء و طالبات کو اسی ادارے میں داخلہ دیا جائے گا تا کہ اس فن میں تکرار تربیت سے بچا جا سکے اور جب تک فارغ التحصیل طلباء کو روزگار نہیں ملتا اس وقت تک مزید امیدواروں کیلئے الجھن پیدا نہ کی جائے''۔ ۱۵

---

۱۴ اکادمی کے پچیس سال، خدمات کا ایک اور رخ، رمیش مہتا، ساز کی لے تیز کرو، جلد اول، ص ۲۵۳۔۲۵۲

۱۵ اردو ٹائپ و مختصر نویسی، کلچرل اکادمی، ساز کی لے تیز کرو، جلد اول، ص ۳۴۵

اس عبارت سے یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ارکان اکیڈمی کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ حکومت کے ہاتھ روکے، ان سے کہے کہ اس شعبہ کو یہاں ہی جاری رہنا چاہیئے۔ کلچرل اکادمی اگر چہ ایک خود مختار ادارہ ہے پھر بھی یہ بلواسطہ یا بلاواسطہ حکومت کے اختیار میں ہے حکومت وقت جب چاہے تبدیلی پیدا کرسکتی ہے یہ حکومت کے بعض فیصلوں سے زیر تربیت طلبا واساتذہ کو تکلیف سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس قسم کے اقدامات سے بسا اوقات زبانوں سے وابستہ افراد کو کافی کوفت سے بھی گزرنا پڑتا ہے مگر بالآخر اس قسم کے فیصلے قبول کرنا ہی پڑتے ہیں۔

اردو ٹائپنگ کا اب زیادہ رواج نہیں رہا ہے آج کل تو لوگ زیادہ تر خطاطوں کی خدمات ہی حاصل کرتے ہیں یا پھر براہ راست کمپیوٹر چھپائی کرواتے ہیں۔ اور اب نئی ایجادات ہورہی ہیں لوگ جدید تکنالوجی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اردو ٹائپنگ کا کام اب چند گنے چنے لوگ ہی کرتے ہیں۔ زمانے نے کروٹ لی لوگ زیادہ تر معاش کی دوڑ دھوپ میں لگے ہیں۔ اب لوگ وہی ہنر سیکھنا پسند کرتے ہیں جس میں ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور محنت بھی کم کرنا پڑے۔

اس کے برعکس جب ہم برصغیر ہندو پاک پر نظر دوڑاتے ہیں خصوصاً پاکستان میں اردو ٹائپنگ کا کافی رواج ہے اردو زبان وادب سے وابستہ حلقے اس طرح کی چھپائی بے حد پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر اردو والے اسی ٹائپنگ سے اپنا روزگار بھی کماتے ہیں۔ وہاں کے مصنف حضرات اس چھپائی کو پسند کرتے ہیں جس کی مثال جمیل جالبی صاحب کی تصنیف سے دی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اردو ٹائپنگ کا پاکستان میں کافی رواج رہا ہے اور اب بھی جاری وساری ہے۔ آج تک پاکستان میں کافی تعداد میں کتابیں ٹائپ میں شائع ہوئیں اور وہاں بیشتر ادیبوں اور ناشروں نے اردو ٹائپنگ اور مختصر نویسی کی طرف کافی دھیان دیا۔ اس کے برعکس ہندوستان میں اس کا رواج بہت ہی کم ہے اور ہندی ٹائپنگ کی طرف زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔

اُردو ٹائپنگ کے لیے ایک طالب علم کو اردو زبان کی اچھی خاصی جانکاری ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہاں لفظ کی بناوٹ سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے لفظ کی بناوٹ پوری طرح معلوم ہونی چاہیئے تاکہ ٹائپ کرتے وقت ایک طالب علم یا سیکھنے والے کو دقت پیش نہ آئے۔ جب تک طالب علم اردو کی اچھی جانکاری نہ رکھتا ہو ظاہر ہے کہ اس فن کو سیکھنے کے لیے اسے اردو زبان کو سیکھنا ہوگا اور اردو زبان کو سیکھنے کے لیے اردو کا حلقہ بھی وسیع ہونا چاہیے پھر سیکھنے والوں میں روز افزوں اضافہ ہی ہوگا۔ اس لیے اگر اُردو ٹائپنگ کو اکادمی کے ساتھ

وابستہ کیا گیا ہوتا تو شاید نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں تاخیر کا عمل بہت حد تک کم ہوسکتا ہے۔ جموں وکشمیر میں بہت سارے ادبی ادارے، اخبارات اور رسائل وغیرہ اور ادبی مراکز موجود ہیں جن کو اردو ٹائپنگ کی ضرورت ہے۔ لیکن اب انہیں مناسب ماحول اور ماہرین کی عدم دستیابی کا احساس ہوتا ہے تو وہ اس بارے میں سوچنے کے بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اس طرح یہ چیزیں اردو ٹائپنگ کے لیے عدم تحفظ کا باعث بنی رہیں اس سے اردو کو بھی نقصان ہوا اور پیشہ ورانہ مہارت حاصل کرنے کے لیے طلباء وطالبات اس فن کی طرف راغب نہیں ہو رہے ہیں۔

3. انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس:

جہاں تک انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس کا تعلق ہے یہ ادارہ کلچرل اکیڈمی میں ہے اس ادارے کے لیے مالی وسائل اکیڈمی ہی فراہم کرتی ہے یہ ہیں وہ باتیں جو ارباب اکیڈمی کی اختیار میں ہیں باقی کا کام انسٹی ٹیوٹ کے منتظمین خود انجام دیتے ہیں یہ ادارہ جو ہر نگر سرینگر کشمیر میں واقع ہے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کو تلاش ہے اس ہونہار کی جو اپنے اندر جوہر قابل رکھتا ہو یہ ان لوگوں کے لیے ایک وسیلہ ہے جو اپنے اندر صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ ادارہ طلباء وطالبات کو مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ماہرین کے ذریعہ منظّم تربیت ورہنمائی حاصل کر سکیں یہ ادارہ ان طلباء وطالبات کو زندگی سنوارنے اور سجانے کے لیے نادر مواقع فراہم کرتا ہے جن کے اندر فائن آرٹس اور موسیقی کا رجحان ہو اور میٹرک پاس کیا ہو۔ یہ کشمیر کا واحد ادارہ ہے جو چند گنے چنے فنون کی ترقی وترویج کے لیے کام کرتا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے سے مندرجہ ذیل ہنر سکھائے جاتے ہیں:

موسیقی............صوفی، ستارنوازی، طبلہ نوازی

فائن آرٹس............مصوری، مجسمہ سازی، اپلائڈ آرٹس

وہ کورسز جن میں بی اے کی ڈگری دی جاتی ہے۔

میوزک............بی۔میوز

فائن آرٹس............بی۔ایف۔اے [۱۶]

---

[۱۶] ((CIRCULAR) انسٹیچیو آف میوزک اینڈ فائن آرٹس، No. IMF/FAKU 93-94

دسمبر ۱۹۷۹ء سے اِس ادارے نے بہت سے ایسے طلباء وطالبات کو پانچ سال کی مسلسل تربیت کے بعد ڈگریاں تفویض کی ہیں جو کشمیر یونیورسٹی سے بی اے کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہوئے تھے ان میں سے بیشتر رقص، موسیقی، مصوری اور دوسرے شعبوں میں اپنے فن کی حیثیت منوا چکے ہیں اس انسٹی ٹیوٹ کا کشمیر یونیورسٹی کے ساتھ باضابطہ الحاق ہے داخلے کے لیے کم سے کم میٹرک پاس ہونا لازمی ہے زیادہ تعلیم رکھنے والوں کے حق میں وہی رعایتیں دی جاتی ہیں۔ یہاں طلباء وطالبات کا ایک ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔ٹسٹ پاس کرنے کی صورت میں ان کو داخلہ ملتا ہے تدریسی ذریعہ کے لیے اردو انگریزی اور ہندی میں سے ایک زبان کا جاننا ضروری ہے جس کے لیے یہاں تربیت بھی دی جاتی ہے۔طلباء کو مفت تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ لائق اور باصلاحیت طلباء وطالبات کو وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے گجر اور بکروال طلباء وطالبات کو ماہانہ دوسو روپے جبکہ ڈگری کورسز کے لئے ۲۵۰ روپئے ماہانہ وظیفہ دیے جاتے ہیں۔اس رقم کو اب بڑھا کر 1500 سے دوہزار تک کردیا گیا ہے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کے پہلے پرنسپل ڈاکٹر وسنت راؤ راجو پادائی تھے۔(ڈاکٹر وسنت راؤ راجو پادائی ہندوستان کے ایک جانے مانے موسیقار اور موسیقی کے استاد، اصول اور دستور موسیقی پر انہوں نے بہت ساری تصانیف تحریر کی ہیں۔ گیت یا دھن جاننے والے غیر معمولی قابلیت کے مالک۔ ڈاکٹر اکیڈمی آف انڈین میوزک بمبئی کے بانی رکن تھے اور یہاں پرنسپل بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں انہوں نے کشمیر انسٹی ٹیوٹ میں یہ عہدہ سنبھالا۔جموں وکشمیر کے موجودہ موسیقاروں، مصوروں، مجسمہ سازوں ودیگر ماہرین کی انہوں نے جان فشانی سے تربیت کی ہے اور اپنے فن کی عظمت سے ہمیشہ جانے جائیں گے۔ ۱۷

جنہوں نے ۱۹۶۸ء میں پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تھا۔ ڈاکٹر وسنت رائے راجو یارائی نے یہاں رہ کر مختلف فنون کے لیے بہت ہی احسن کام کیا ہے۔ان کے بعد پرنسپل کے فرائض کشمیر کے جانے مانے فنکار جناب غیور حسن نے انجام دیئے جن کو اپنے فن کی بدولت جموں وکشمیر میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور فنی حلقوں میں ان کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔اپنے خوبصورت فن کی وجہ سے ان کا نام بین الاقوامی سطح پر بھی لیا جاتا ہے۔

---

۱۷ کلاشری، انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس، اپریل ۱۹۷۱ء

''انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس، مارچ ۱۹۶۵ء میں اس ادارے کا قیام اکادمی کی طرف سے فنون لطیفہ کوفروغ دینے اوراسکی ترقی وترویج دینے کی سمت میں ایک اہم اقدام تھا اس ادارے کی ابتداء کیجول (CAUSAL) بنیادوں پر چلنے والی کلاسوں سے ہوئی تھی۔لیکن جب یہ محسوس ہوا کہ اس سے مقصد حل نہیں ہوسکتا تو سنجیدگی سے غور وخوص کے بعد ا۔۱۹۷۰ء میں با قاعدہ ڈگری کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا یہ فیصلہ اکادمی کے افسران کے پختہ شعور کا ایک اور واضح ثبوت ہے اس ادارے کے قیام کے بعد جموں کے عوام میں موسیقی کی جانب رغبت میں یقینی طور پر اضافہ ہوا ہے۔۱۹۷۲ء میں انسٹی چیوٹ کو جموں یونیورسٹی کے ساتھ ملحق کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس پر اس سے اگلے برس یعنی ۱۹۷۳ء میں عملدرآمد ہوا''۔۱۸؎

۱۹۵۸ء کے بعد ہی ارباب اکادمی کو یہ خیال آیا کہ زبان وادب کے ساتھ ہی فنون لطیفہ کو بھی فروغ ملنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کی قیام آوری ممکن ہوسکی۔اس ادرے کی وجہ سے جموں وکشمیر کے مختلف فن کاروں نے بہت نام کمایا اور اپنے فن کو مزید استحکام بخشا کیونکہ موسیقی مجسمہ سازی جیسی ہنرمندی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق آدمی کے دل اور ذہنی سکون سے ہوتا ہے۱۹۷۳ء میں کشمیر میں اس ادارے کو کشمیر یونیورسٹی سے ملحق کروادیا گیا۔

آرٹسٹ کیمپ:

آرٹسٹ اور فنکار اپنے فن کو مختلف صورتوں میں ترقی دیتے رہتے ہیں اور جموں وکشمیر کے فن کار بھی اس سلسلے میں کبھی بھی پیچھے نہیں رہے اور روایتی انداز میں اپنے فن کوفروغ دیتے رہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فن کار ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مانے جاتے ہیں۔جن میں غلام رسول سنتوش، بنسی پارمو، ایم کے رینہ، موہن لال ایمہ، بقال، شیخ عبدالعزیز جو اپنے فن کو کافی آگے لے گئے ہیں۔ یہاں کے بعض آرٹسٹ بڑی فن کے ساتھ تصویریں تخلیق کرنے میں مصروف رہے ہیں۔کلچرل اکیڈیمی بھی بڑی قدردانی کے ساتھ آرٹسٹ

۱۸؎ جموں میں فن موسیقی اور کلچرل اکادمی، نرمل ونود، ساز کی لے تیز کرو، فنونہ لطیفہ نمبر، ص۱۸۹۔۱۸۸

کیمپوں کا اہتمام کرتی ہے۔اوران آرٹسٹوں کوجدید تقاضوں سے روشناس کرانے کے سلسلے میں باہر کے ملکوں سے ماہرین کو بلا کر اس فن کومزید تقویت عطا کرتی ہے۔۱۹۶۲ء سے ان کیمپوں کا زور وشور کے ساتھ اہتمام جاری ہے بعد میں ان تخلیقات کو محفوظ کیا جاتا ہے اس اعتبار سے اکیڈمی نے فن کاروں کے فنون کی نمائش بھی کرتی رہتی ہے۔اس دوران ان آرٹسٹوں میں نمایاں کارکردگی کے لیے انعامات بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اب لوگوں کی بڑی تعداد اس فن کی طرف راغب ہوئی ہے ان میں سے بیشتر کا یہی وسیلۂ روزگار بھی ہے۔

ان آرٹسٹ کیمپوں میں مصوری، مجسمہ سازی، تصویر کشی کی نمائش بھر پور طریقے سے کی جاتی ہے۔ مصوری اور دوسرے فن کاروں کی کاوشوں کو سراہا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کے اُوپر تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تمام فنکار اور کاریگر مل بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے اس فن پر گفتگو کرتے ہیں کلچرل اکیڈمی ریاست سے باہر کے فن کاروں کو یہاں مدعو کرتی ہے اور یہاں کے فن کاروں کو باہر کی دنیا سے بھی متعارف کراتی ہے ساتھ میں ہر قسم کے فن کاروں جن میں مصوری مجسمہ سازی وغیرہ کے لیے مالی ضروریات اکادمی فراہم کرتی ہے۔ اس وجہ سے ان فنون کو نہ صرف فن کی حیثیت سے ہی فروغ دیا جاتا ہے بلکہ فنون زندگی کے دوسرے سامان بھی ان فنون سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس کی نئی جہتیں تب ہی سامنے آئیں جب اس سے وابستہ افراد نے خون پسینہ ایک کر کے لگن کے ساتھ کام کیا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ ترقی کی جانب بڑی شدومد سے رواں دواں نظر آتا ہے اور یہاں تدریس کا کام بھی جاری ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ کلچرل اکیڈمی نے اس انسٹی ٹیوٹ کے اہتمام سے بچوں کے لئے مصوری کے کیمپ منعقد کیے۔ مصوری کے مقابلوں کا اہتمام کیا گیا۔مختلف اسکولوں کے طلباء وطالبات نے ان مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات بھی حاصل کیے۔ یہی وجہ ہے کہ مصوری اب بچوں میں بھی کافی مقبولیت حاصل کرتی جارہی ہے بچوں کے لیے دوسرے لوگوں کے مقابلے بھی کرائے گئے جس سے کہ بچوں میں دلچسپی بڑھ گئی اور اگر کسی بچے کے اندر ایسی صلاحیت تھی تو وہ بھی دیکھنے کو ملی۔ ایسے بچوں کی صلاحیت اجاگر کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی تاکہ وہ اپنے فنکارانہ ذہن کا کھل کر استعمال کرسکیں ان آرٹ مقابلوں سے ان کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو پنپنے کا موقع فراہم ہوا۔

موسیقی:

موسیقی کی جانب انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس اپنے قیام سے ہی بھر پور دھیان دے رہا ہے۔اس کے لیے بھی تین طرح کے کورسز میں تدریس کا کام چل رہا ہے۔اس میں صوتی،طبلہ نوازی اور ستار نوازی میں تدریس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ماہرین کے ذریعہ طلباء وطالبات کی تربیت کا معقول انتظام ہے کلچرل اکیڈمی نے اس میں کافی پیش رفت کی اور یہاں کی صدیوں پرانی روایت کو برقرار رکھا ہے۔موسیقی کے فن کے دل کے ساتھ وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس فن کو پسند کرتے ہیں وہ اپنا سکون اس موسیقی میں محسوس کرتے ہیں اوراس فن کو معاش کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

> ''۱۹۶۲ءاور۱۹۶۳ء کے دوران سری نگر اور جموں میں دو اداروں کے قیام کا فیصلہ ہوا تھا۔اس اسکیم میں اس بات کو بھی رکھا گیا تھا کہ موسیقی اور فنون لطیفہ سے متعلق اداروں کو بھر پور انداز میں چلانے سے پہلے کم از کم مقامی ٹیلنٹ (TALENT) کوساری ریاست میں دریافت کیا جائے اس سوچ کی ڈگر پر چلنے کا نتیجہ تھا کہ ساری ریاست میں موسیقی کے مقابلے منظّم کئے گئے تا کہ مقامی ردعمل کا جائزہ لینا آسان ہوجائے سرینگر کے ٹیگور ہال میں اس قسم کا پہلا باضابطہ مقابلہ ۱۹۶۴ء میں منظّم کیا گیا اس میں شمولیت کرنے والوں کا ردعمل ہماری توقعات سے کہیں زیادہ حوصلہ افزا رہا۔اس سے ہمارا حوصلہ بڑھا اور ہم نے سری نگر اور جموں میں مختلف مدوں کے تحت موسیقی کے متعدد مقابلوں کا اہتمام کیا''۔[۱۹]

موسیقی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد کامیاب ہونے والے طلباء وطالبات میں اسناد تقسیم کی جاتی ہیں۔ دوران تربیت انہیں مالی امداد بھی دی جاتی ہے اور اکیڈمی مختلف اوقات میں مقابلوں کے دوران انعامات سے بھی نوازتی ہے ساتھ ہی نمایاں کارکردگی کے لیے......تقرائی میڈل بھی دیئے جاتے ہیں۔ان چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے موسیقی میں اعلیٰ تعلیم کرنے حاصل کرنے کے لیے طلباء وطالبات داخلہ لیتے ہیں۔

---

[۱۹] فنون لطیفہ نمبر،ساز کی لے تیز کرو،ص،۳۶۲،کلچرل اکادمی،(ادارہ

جموں وکشمیر میں موسیقی کے شعبے سے جُڑے سارے لوگوں نے نام پایا ہے اور ان کا نام فخر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔موسیقی کے ان اعلیٰ عہدوں نے اپنے اس فن کو دوسرے لوگوں کو بھی منتقل کیا۔جس سے یہ فن فروغ پا رہا ہے ان لوگوں میں تبت بقال، شیخ عبدالعزیز، علی محمد شیخ، شمیمہ دیو، کیلاش مہرہ، نبی شیخ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اکادمی اس فن کو مزید وسعت اور فروغ دینے کے لیےفن کاروں کی مالی اعانت بھی کرتی رہی ہے اور اس فن کو مقبول بنانے کے لیے موسیقی کے کیمپ منعقد کیے جاتے ہیں۔بچوں کے لیے بھی بعض کیمپ منعقد کیے گئے اس طرح سے ایسے بچوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔اکادمی جب کبھی بھی ان کیمپوں کا اہتمام کرتی ہے تو لوگ جوق در جوق ان کیمپوں میں حصہ لیتے ہیں اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اکیڈمی کی یہ بھی کوشش رہی ہے کہ یہاں کی موسیقی بیرون ممالک کے لوگوں میں بھی متعارف کرائی جائے۔جو کہ اس فن کو وسیع کرنے میں ایک اچھی پہل ہے اس قسم کے تبادلے ملک کی یکجہتی کے لیے سنگ بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی کشمیری دھنیں بین الاقوامی سطح پر بھی گونجتی سنائی دیتی ہیں یہ وہ اہم باتیں ہیں جس کی وجہ سے یہاں کی موسیقی کے لئے ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ان باتوں کے علاوہ موسیقی کے جو مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں ان سے اس فن کو مزید فروغ ملا ہے۔اور جب سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن منظر عام پر آئے تب سے لوگوں میں موسیقی کی طرف دلچسپی میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔نتیجہ صاف ہے کہ کثیر تعداد میں لوگ اس فن کو سیکھ رہے ہیں۔

مجموعی اعتبار سے جب ہم دیکھتے ہیں تو انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس سے اردو زبان کو کوئی نمایاں فائدہ نہیں پہنچا ہے۔راقم الحروف نے جب وہاں کے اعلیٰ حکام سے دریافت کیا تو انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ اردو تدریس کے ساتھ ہمارا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔البتہ ابتدائی تدریس میں ہم پی یو سی کا اردو کورس پڑھاتے ہیں وہ بھی محض اس لیے کہ طلباء وطالبات سوال جواب کے لیے اردو، انگریزی یا ہندی بحیثیت اختیاری مضمون استعمال کرسکیں۔ باقی رہی تدریس کی بات تو اس میں اردو کا تیسرا حصہ تو ہے ہی۔ ہمارے یہاں ہر طرح کے کورسز ہیں میوزک میں صوتی، طبلہ اور ستار جبکہ آرٹس میں مصوری، مجسمہ سازی اپلائڈ آرٹس ہیں۔اس طرح ہمارے یہاں تدریس کے ذریعہ جو بھی بات بیان کی جاتی ہے اس میں متذکرہ زبانوں کا استعمال ہوتا ہے۔ جو کورسز یہاں پڑھائے جاتے ہیں ان میں اردو، ہندی یا انگریزی ذریعہ تعلیم

ہوتی ہے۔اس لیے یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ یہاں صرف اردو کے لیے ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی جاتا ہے البتہ خالص اردو کا سلسلہ تدریس نہیں ہے۔ یہاں تو طلباء وطالبات عام فہم زبان کا استعمال کرتے ہیں اس میں آپ ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بولیں تو بات بن سکتی ہے۔اس لیے کہ ضروری نہیں ہے کہ آپ صحیح اردو بولیں اور تلفظ بھی درست ہو۔انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ایک رسالہ ''کلاشری'' شائع ہوتا ہے۔جس میں تین زبانوں میں مقالات شائع ہوتے ہیں وہ تین زبانیں اردو، ہندی اور انگریزی ہیں۔کبھی کبھی ایک آدھ مضمون کشمیری میں بھی شائع ہوتا ہے۔

صوفیانہ موسیقی کا جہاں تک تعلق ہے۔انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کرتا ہے۔انسٹی ٹیوٹ میں صرف موسیقی کی تدریس کا کام ہورہا ہے۔البتہ صوفیانہ موسیقی کے لیے کلچرل اکادمی نے بہت کام کیا ہے۔

''صوفیانہ موسیقی سے متعلق اکادمی کی خدمات کا جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ اس فن شریف کو بچانے کے لیے اس نے کوئی دقیقہ فردگذشت نہیں کیا۔اس موسیقی کے کچھ بڑے کنسرٹ بھی منعقد کئے جن میں راج بھون سرینگر کا کنسرٹ بھی شامل ہے۔اکادمی نے اس موسیقی کو بچانے کے لئے کئی سال تک ایک تربیت گاہ چلائی جس سے بہت سے طلباء اور طالبات تربیت یافتہ ہوکر نکلے صوفیانہ موسیقی کی محفلیں شہر کے دیوان خانوں میں آراستہ کی گئیں وہاں ماحول خالص روایتی ہوتا ہے۔قہوہ کی بھینی بھینی خوشبو کے دور چلتے ہیں قالین کے فرش پر بیٹھے ہوئے فن نواز داد دیتے ہیں استاد رمضان جو استاد محمد عبداللہ تبت بقال اور استاد غلام محمد قالین باف کی ریکارڈنگ محفوظ کی گئی۔صوفیانہ موسیقی کی پہلی مرتبہ مقام بندی کرکے ''کاشُر سرگرم'' کے نام سے شائع کی گئی ہے جس کے مصنف شیخ عبدالعزیز ہیں اس کے علاوہ صوفیانہ موسیقی کے متعلق کئی کتابیں اکادمی کی مالی امداد سے شائع ہوچکی ہیں اور صوفیانہ موسیقی کی ترویج کرنے والے اداروں کو اکادمی باضابطہ امداد دے رہی ہے''۔[۲۰]

۲۰۔ فنون لطیفہ نمبر ''ساز کی لے تیز کرو''، محمد یوسف ٹینگ، ص۲۳۔۲۴

چونکہ کلچرل اکیڈمی نے اس فن کو بچانے کے لیے بہت سارے اقدامات کیےاورطلبا کے لیے تربیت گاہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ابتداء میں استاد محمد عبداللہ تبت بقال اور استاد غلام محمد قالین باف کی زیرنگرانی ایک امتحان کا انعقاد ہوا اور طلباء نے یہ امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اس فن میں طلباء کی مقبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مشاہرے میں اضافہ کیا گیا اور آئندہ داخلے کے لیے طلباء اور طالبات سے درخواستیں طلب کر لی گئیں اور کچھ برسوں تک یہ تربیت گاہ چلتی رہی۔ چونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا طلباء میں دلچسپی کم ہوتی گئی اور داخلے کے لئے درخواست موصول نہ ہوئیں جس کی وجہ سے یہ تربیت گاہ اکیڈمی کو بند کرنا پڑی شاید اس لئے کہ اس میں روزگار کے مواقع زیادہ میسر نہیں تھے۔

اکیڈمی کی یہ ریت رہی ہے کہ بیرونی ممالک سے مہمانوں کو مدعو کیا جاتا ہے اس سلسلے میں ایران سے جو مہمان یہاں آئے انہوں نے اکیڈمی کی صوفیانہ موسیقی کے بارے میں اقدامات کو سراہا تھا کہ اس طرح کا کام ہم بھی اس فن کے لیے نہیں کر سکے۔ ایران میں تو یہ فن زوال پذیر ہوا ہے۔ کلچرل اکیڈمی اس فن کو پھیلانے میں اپنی طرف سے پیش پیش رہی۔ اس سلسلے میں ''صدابندی'' کا بھی انتظام کیا گیا لیکن پھر بھی اس فن کو زوال سے نہیں بچا سکی۔ ارباب اکیڈمی نے جب محسوس کیا کہ صوفیانہ موسیقی واقعی زوال پذیر ے ہوتی ہے تو انہوں نے اس فن کو بچانے کے لیے نئے اقدامات کیے۔

> ''صوفیانہ موسیقی کی ترویج کے لیے تربیتی مرکز کا قیام کلچرل اکادمی کی نگرانی میں کام کرے گا۔
>
> سری نگر: صوفیانہ موسیقی کی اعلیٰ تربیت دینے کے لئے سری نگر میں غلام محمد قالین باف کی سرپرستی میں تربیتی مرکز چالو ہو گیا ہے اس طرح سے قیمتی تہذیبی ورثے کے احیائے نو کے لئے اقدامات کو عملی روپ دیا گیا ہے گورو پرم پرا کے طرز پر چلائے جانے والے اس مرکز کے لئے سنگیت ناٹک اکادمی مالی وسائل فراہم کر رہی ہے اور ریاستی اکادمی سنٹر کو کامیابی سے چلانے کے لیے نگران کے فرائض انجام دے گی۔

ابتدائی مرحلے پر تربیت کا انتظام تین سال کے لئے کیا گیا ہے اوراس میں تین لڑکوں کو داخلہ دیا گیا ہے''۔[21]

کلچرل اکادمی صوفیانہ موسیقی کو وسعت دینے میں کسی طرح پیچھے نہیں رہی ہے۔صوفیانہ موسیقی کے بارے میں ''سرگم'' نام کی تصنیف جو تین جلدوں پر مشتمل ہے شائع کی گئی۔اس کے مصنف استاد شیخ عبدالعزیز ہیں۔صوفیانہ موسیقی سے وابستہ افراد کو انعامات سے نوازا گیا اور بعض خلعت فاخری سے بھی نوازے جا چکے ہیں۔کلچرل اکادمی نے صوفیانہ موسیقی کی روایت کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی۔جس کی وجہ سے اس فن کے لیے پھر سے نئی راہیں ہموار ہو رہی ہیں اور بہت سے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔اکیڈمی کے صوفیانہ موسیقی کی تدریس بند کرنے کی ایک خاص وجہ رہی ہے۔بقول محمد یوسف ٹینگ :

''صوفیانہ موسیقی کیوں بند کرنا پڑی ہم نے اس درسگاہ کو اس وقت تک چالو رکھا جب تک وہاں صرف ایک طالب علم بھی آتا رہا۔ چونکہ بعد میں طلباء اور طالبات نے اس درسگاہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی' اس لئے ہمیں مجبوراً اسے بند کرنا پڑا صوفیانہ کلاس میں داخلہ پانے والے طلباء کو ۱۵۰ روپئے ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔صوفیانہ موسیقی کے تئیں طلباء اور طالبات کی بے رخی کی وجہ شاید یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسکی تہذیبی فضا آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے اور صوفیانہ موسیقی دوسرے علوم کے مقابلے میں لوگوں کو کچھ نہیں دے سکتی''۔[22]

اگر چہ اکیڈمی نے صوفیانہ موسیقی کے لیے تربیت دینا بند کر دیا لیکن وہ دوسری صورتیں تلاش کر رہی ہیں تا کہ یہ فن زندہ رہ سکے۔جیسے کہ کوئی سمینار ہوتا ہے جو کی اس ٹاپک سے میل کھائے تو اس سمینار کے بعد ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں صوفیانہ موسیقی سنائی جاتی ہے اگر چہ نئی پود صوفیانہ موسیقی نہیں سنتی ہے مگر ضعیف العمر تمام لوگ اس وقت بھی بہت زیادہ صوفیانہ موسیقی کے دلدادہ ہیں۔

---

[21] خبرنامہ،اکادمی،کلچرل اکادمی،ص۲۸،۱۹۸۹ء

[22] فنون لطیفہ نمبر ''ساز کی لے تیز کرو''محمد یوسف ٹینگ،ص۱۷۲

باب۔ پنجم

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سے شائع ہونے والے رسائل اوران کا ادبی مقام

ذیلی ابواب:

1. اُردو ماہنامہ ''شیرازہ'' کے ادبی مقام کا تعین قدر
2. سالنامہ ''ہمارا ادب'' کے ادبی مقام کا تعین قدر
3. خبرنامہ ''اکادمی''، ''ثقافت'' کے ادبی مقام کا تعین قدر

1. اُردو ماہنامہ ''شیرازہ'' کے ادبی مقام کا تعین قدر:

اردو میں ادبی رسائل کا ارتقاء:

ہماری ادبی تاریخ کئی سو برسوں پر محیط ہے۔کئی قسم کی تاریخی آزمائشوں سے گزرنے کے باوجود ادبی روایت کے تسلسل میں کہیں تعطل نہیں ہوا اور ادبی تاریخ کی ثروتمندی بہرطور پر قائم ودائم رہی ۔ یہ اردو کی طویل تاریخ اور اس کی لسانی وادبی روایت کے طویل سلسلے کا نتیجہ ہے کہ مجموعی طور پر اردو کے تخلیقی ادب کا سرمایہ دوسری ایسی کئی زبانوں کے مقابلے میں وسیع ،متنوع اور ضخیم ہے جنہیں سرکار کی غیر معمولی سرپرستی بھی حاصل ہے۔

جہاں تک ادبی رسائل کا تعلق ہے اردو میں علمی وادبی رسائل اُس دور میں نکلے جب اردو کا پہلا اخبار جاری ہوا۔تھوڑے سے زمانے کے فرق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں علمی وادبی صحافت اور اخبار نویسی کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں باضابطہ اخبار نویسی کی ابتداء انیسویں صدی کے اوائل میں ہوئی ۔اس زمانے میں اخبار نویسی کا وہ تصور موجود نہیں تھا جو انیسویں صدی کے اواخر میں روزناموں کے اجراء کے بعد پیدا ہوا۔اس زمانے میں ترسیل ورسائل کے ذرائع ترقی یافتہ نہیں تھے۔ایک شہر سے دوسرے شہر تک ڈاک کے پہنچنے میں دنوں،ہفتوں اور مہینوں لگ جاتے تھے۔چنانچہ اس وقت کے اخباروں میں شائع ہونے والی خبریں کئی ہفتے پرانی ہوتی تھیں۔جن سے تعلق رکھنے والے اکثر واقعات پارینہ بن چکے ہوتے تھے۔

اردو میں ادبی رسائل کا آغاز ''رسالہ خیر خواہ ہند'' کے ذریعے ۱۸۳۶ء میں ہوا اور اردو صحافت کا آغاز ''جام جہاں نما'' کے ذریعے ۱۸۲۲ء میں ہوا۔لیکن پھر بھی انیسویں صدی کے اخبارات میں فارسی کا غلبہ لوگوں کے دلوں میں قائم تھا جو اردو صحافت کے ارتقاء میں رکاوٹ بنا رہا لیکن فورٹ ولیم کالج کی تصانیف اور اردو نثر عوام میں مقبولیت حاصل کرنے لگیں۔۱۸۳۵ء میں فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے ختم کر کے اردو کو سرکاری زبان بنا دیا گیا جس کی وجہ سے اردو کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اردو تعلیم وتدریس کی زبان بن گئی۔ دفتروں اور عدالتوں میں اردو سے کام لیا جانے لگا اور اردو اخبارات ورسائل کی تعداد میں تیزی سے اضافہ

ہوا۔ اردو میں ادبی رسائل شروع شروع میں سہ روزہ یا ہفت روزہ کی شکل میں شائع ہوتے تھے۔ ان میں الگ سے اداریہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کسی خاص خبر کے ساتھ دو تین سطروں کا تبصرہ ہوا کرتا تھا کیوں کہ اس وقت خبریں بھی انگریزی اخبارات سے یا دیسی ریاستوں کے اخبارات سے لی جاتی تھیں۔ اس طرح اخبارات و رسائل شائع ہوا کرتے تھے اور اشاعت کی تعداد بھی کم ہوا کرتی تھی کیونکہ وافر مقدار میں سرمایہ نہ ہونے کے سبب اور سرکولیشن میں بھی دشواری پیش آتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آمدنی نہ ہونے کا اندیشہ لگا رہتا تھا اس وسیع تناظر میں اردو کے ادبی رسائل کا مکمل احاطہ اور تعین قدر مختصر تحریر میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ صرف یہ ممکن ہے کہ اس کا ایک تنقیدی جائزہ لیا جا سکتا ہے جس کے لیے سب سے پہلے اخبارات و رسائل کے ابتدائی مراحل کا تذکرہ ضروری ہے۔

۱) رسائل کی قدیم روایت میں اس وقت توسیع اور تجدید ہوئی جب برطانوی اقتدار کے قائم ہو جانے پر تعلیم و تہذیب کی سطحوں پر اور علمی حلقوں میں مغربی علوم و فنون کے ساتھ دلچسپی بڑھنے لگی اور ہندوستان کے اہل فکر و نظر نے اپنے سماج اور افراد کی اصلاح کے لیے کتابوں اور رسالوں کی اشاعت کے ادارے بھی قائم کیے اور تحریکیں بھی چلائیں ان میں سر سید احمد خاں کا ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' پیش پیش تھا جو بیک وقت علمی و ادبی اور مذہبی و معاشرتی مضامین شائع کرتا تھا۔ اس کے بہت دوررس اثرات پورے برصغیر کی فضا پر مرتب ہوئے۔

۲) اشعار کے گلدستے کا رواج بڑھنے لگا۔ یہ گویا شاعری کی ادبی صحافت کی سرگرمی تھی جو مسلم الثبوت اساتذہ سے زیادہ ادب و شعر کے میدان میں ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کی ترجمانی اور حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ اس کے بعد دوسری اصنافِ ادب کی عکاسی کی نوبت بھی آئی اور نظم و نثر کے ملے جلے رسالوں کو فروغ ملا۔ ان دو بنیادی مرحلوں کے بعد افسانوی اور مزاحیہ ادبیات کو فروغ ملا جن میں تاریخی، سیاسی اور معاشرتی دلچسپیاں نمایاں تھیں۔ پرانی تہذیب کی مرقع نگاری اور نئی تہذیب پر تنقید کی جاتی تھی۔ منشی سجاد حسین کا ''اودھ پنچ'' اور مولانا عبدالحلیم شررؔ کا ''دلگداز'' اس رجحان کے نمائندے تھے۔ اس پس منظر میں بیسویں صدی کی ادبی صحافت کا آغاز ہوا اس دور زریں میں صدی کی پہلی چوتھائی سے

برصغیر کی آزادی اور تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک جو متعدد رسائل ملک کے مختلف علاقوں سے شائع ہوئے۔ ان میں چند نمایاں ترین صحیفے تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا معیار کسی دوسری زبان کے اعلیٰ رسالوں سے کم نہیں تھا۔ جب کہ ان کی کارگزاریوں کے سلسلے میں یہ وضاحت کافی ہے کہ عصر حاضر کے جتنے بڑے علما، ادبا، شعرا اور محققین و ناقدین اردو زبان میں پیدا ہوئے اور ملک کی تہذیبی ترقی کے لیے انھوں نے یادگار خدمات انجام دیں ان ہی رسائل کے توسط سے افق ادب پر نمودار ہوئے۔ اس زرخیز دور کے بیشتر اہم ترین رسالے بیک وقت علمی و ادبی اور تہذیبی و سیاسی تھے خواہ ان میں شائع ہونے والی تحریروں کا موضوع کچھ بھی ہو ان کا اسلوب اعلیٰ پائے کی ادبیت پر مشتمل تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو کی بہترین نثر اور نظم دونوں اسی دور کے رسائل میں شائع ہوئیں۔ دراصل یہ رسائل بعض تحریکات اور ان کے اداروں کے ترجمان تھے۔ ان مدیروں اور مضمون نگاروں میں اپنی تہذیب، اپنے عقائد وافکار اور اپنے اقدار و اخلاق کی تبلیغ کا جوش تھا۔ وہ اصلاحی وانقلابی جذبات وتصورات رکھتے تھے۔ ان کا ایک عظیم نصب العین تھا۔ انھیں اپنی زبان اور اس کے قواعد ومحاورات اور استعارات و کنایات پر قدرت تھی۔ ان کا ذوق بہت اعلیٰ اور شعور بہت پختہ تھا اور اپنے کاموں میں دیدہ ور اور ہنر مند تھے۔ اس دور کے اردو رسالوں میں بالعموم مخلوط مواد ہوتا تھا اور وہ سماج کے مختلف حلقوں کی متنوع دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ مذہبی، معاشرتی اور سیاسی رسائل میں بھی ادب کے گوشے ہوتے تھے۔ جس کے لیے صفحات مختص کیے جاتے تھے اور ادبا کے ساتھ ساتھ علما بھی ان صفحات میں لکھتے تھے۔ ہر قسم کے موضوعات و مباحث بالعموم علمی و ادبی نوعیت کے نمونے ہوتے تھے۔ علم وادب کی اس چاشنی نے اردو صحافت کو رنگا رنگ اور دلکش بنا دیا تھا۔ اعلیٰ پائے کے جو رسائل اس کیفیت کے حامل تھے وہ آج بھی نہ صرف ایک تاریخی اہمیت بلکہ ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے مندرجات سے منتخب کیے جانے والے مضامین کے مجموعے کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور مصنفین شہرت دوام پا چکے ہیں۔ یہ اردو صحافت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے جس پر فخر کیا جا سکتا ہے اور اس سے نہ صرف ادب بلکہ معاشرے کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔

اُردو ادب میں چند نمایاں اخبار و رسائل:

☆ دہلی اخبار (دہلی) یہ اخبار ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا جب کہ صدیقی اس کا سن اجراء ۱۸۳۷ء بتاتے ہیں۔ یہ دہلی کا پہلا اور اردو کا دوسرا اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر تھے۔ اس میں روزمرہ کے حالات و واقعات، ملکی اور سیاسی خبروں کے علاوہ ادبی خبریں اور علمی مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ بعض خبروں کے ساتھ ان پر ایڈیٹر کا تبصرہ بھی ہوتا تھا۔ ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، ظفرؔ اور دوسرے شعرا کی غزلیں بھی چھپتی تھیں۔

☆ سید الاخبار (دہلی) یہ سرسید احمد خان کے بھائی محمد خان کا اخبار تھا جسے انھوں نے ۱۸۳۷ء میں جاری کیا تھا۔ اس میں دیگر موضوعات کے علاوہ قانون سے متعلق مضامین خصوصی طور پر شائع کیے جاتے تھے۔ اس پرچے میں سرسید کے ابتدائی مضامین شائع ہوئے تھے۔

☆ صادق الاخبار (دہلی) یہ اخبار ۱۸۴۴ء میں جاری ہوا۔ ابتداء میں اس کی زبان فارسی تھی مگر دو سال بعد اردو کر دی گئی۔ اس میں دہلی کا دربار، ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی خبروں کے علاوہ انگریزی میں شائع مضامین کے ترجمے بھی ہوتے تھے۔

☆ قرآن السعدین (دہلی) یہ مصور اخبار تھا جو ۱۸۴۵ء میں جاری ہوا۔ اس میں سائنسی ادبی اور سیاسی مضامین شائع کیے جاتے تھے۔

☆ فوائد الشائقین (دہلی) یہ ۱۸۴۶ء میں جاری ہوا۔ اس میں سوال و جواب کی صورت میں انگریزی قوانین کی وضاحت کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ برطانوی عدالتوں کے اہم فیصلوں کے ترجمے بھی شائع کیے جاتے تھے۔

☆ اسعد الاخبار (آگرہ) ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا۔ اس میں اسلامی اور تاریخی مضامین ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں بزرگانِ دین کے متعلق مضامین بھی ہوتے تھے۔ چوں کہ اس میں خبروں کا تناسب بہت کم ہوتا تھا اس لیے عتیق احمد صدیقی اس کو رسالہ قرار دیتے ہیں۔

☆ معیار شعرا (آگرہ) ۱۸۴۸ء میں جاری ہوا۔ یہ اردو کا پہلا ہفت وار اخبار تھا جو صرف شاعری کے لیے مخصوص تھا۔ آگے چل کر اس کی نوعیت کے رسالوں کو گلدستہ سے موسوم کیا جانے لگا لیکن معیار شعرا

محض گلدستہ نہیں تھا۔ اس میں علم عروض وقافیہ کے بارے میں مضامین اور ہم عصر شعرا کے تذکرے چھاپے جاتے تھے۔

☆ گل رعنا (دہلی) ماہنامہ ۱۸۴۵ء میں جاری ہوا۔ اس کو مولوی کریم الدین نے دہلی سے جاری کیا تھا۔ اس کی نوعیت گلدستہ کی تھی۔ مولوی کریم الدین مہینہ پندرہ روز میں ایک بار مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اس مشاعرے میں جو کلام سنائے جاتے تھے وہ انھیں گل رعنا میں شائع کرتے تھے۔ گل رعنا اردو میں شائع ہونے والا پہلا گلدستہ ہے۔

☆ محبّ ہند (دہلی) ماسٹر رام چندر نے ستمبر ۱۸۴۷ء میں یہ ماہنامہ دہلی سے جاری کیا۔ پہلے انھوں نے اس کا نام خیر خواہ ہند رکھا تھا لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ اس نام کا رسالہ مرزا پور میں شائع ہوتا ہے تو انھوں نے نومبر ۱۸۴۷ء سے اس کا نام بدل کر ''محبّ ہند'' رکھ دیا۔

☆ رسالہ مراۃ العلوم ۱۸۴۹ء میں ہربنس لال کی ادارت میں بنارس سے جاری ہوا۔ اس میں جدید تاریخ اور زراعت کے انگریزی طریقوں سے متعلق مضامین ہوتے تھے۔

☆ نور علی نور (سیالکوٹ) ابتدا میں ہفت وار اخبار تھا جو ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کے بند ہو جانے کے بعد منشی دیوان چند نے ۱۸۵۶ء میں اسی نام سے ایک علمی وادبی ماہ نامہ سیالکوٹ سے جاری کیا۔ اس کے مشمولات کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اسی زمانے میں دہلی، لکھنو، آگرہ، لاہور، سیالکوٹ اور ملتان وغیرہ سے بھی رسالے نکلتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے اردو کے کچھ رسالے واخبارات ضرور ایسے تھے جو ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے نسلی امتیاز اور حکمراں طبقے کی تہذیبی قدروں پر بھی اعلانیہ چوٹے لگاتے رہتے تھے۔ کلکتہ کے ایک فارسی ہفت وار رسالہ ''سلطان الاخبار'' کا لب ولہجہ تو انگریزوں کے خلاف بہت ہی سخت تھا۔ جب ہندوستان کی فضا میں بے اطمینانی پھیلنے لگی تو کئی ایک اردو رسالے واخبارات نے بھی ایسے مضامین وخبریں دینے کا ایسا انداز اختیار کیا جس سے بے اطمینانی کو ہوا ملتی تھی۔

☆ سہ ماہی رسالہ نیا ادب کو مالکان ''اشاعت گھر'' حیدر آباد غوث محی الدین اور چندر سین جیسوال نے ماہ جنوری ۱۹۴۴ء میں حیدر آباد دکن سے جاری کیا۔ اس کے مدیر اعلیٰ قاضی عبد الغفار تھے۔ یہ رسالہ ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اور ایک شمارے کی قیمت پانچ آنے تھی۔

☆ یہاں پر میں ریاست جموں وکشمیر کے رسائل اور اخبارات کا تذکرہ کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔ ریاست جموں کشمیر میں اردو صحافت کا آغاز دراصل گذشتہ صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی کے دوران ایک لازم ردِعمل کے طور پر اس وقت ہوا جب ہندوستان کے بہت بڑے ثقافتی مرکز یعنی لاہور سے کئی روزنامے اردو داں دنیا میں اپنی دھاک جما رہے تھے اور ان کے تشہیری عمل میں کشمیر میں شخصی راج کے خلاف عوامی تحریک کی مقبولیت کی حمایت کرنا ایک بنیادی مقصد تھا۔

کشمیر کے اہل دانش و بنیش اور کشمیری عوام کے باشعور نمائندوں نے اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ جہاں پنجاب کے اخبارات ان کے جذبات کی ترجمانی کرنے لگے تھے وہاں مقامی طور پر کوئی اخبار یا جریدہ موجود نہیں تھا جو ان محسوسات کے اظہار کی صدائے بازگشت بن سکتا۔

بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق اہل کشمیر کے باشعور نمائندوں کی کوششیں اُس وقت رنگ لائیں جب ریاست جموں کشمیر میں اردو صحافت کا آغاز ہندوستان کی اردو صحافت کے ۱۰۲ سال بعد ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جموں کشمیر کے جاگیردارانہ نظام میں ایک مطلق العنان فرد ریاست کی قضا وقدر کا مالک تھا کسی کو بولنے یا سننے کی آزادی نہیں تھی۔ کشمیریوں کی آواز کو پوری طرح دبایا گیا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی دل کی دھڑکنوں کو کسی ذریعہ سے دنیا تک پہنچانا جہاں ایک جرم تھا وہاں اپنے بارے میں دوسروں کی ہمدردی کے چند بول سننا بھی قابل تعزیر تھا۔ اس سرزمین کے رہنے والے نہ بول سکتے تھے اور نہ سن سکتے تھے۔ اس پابندی نے کشمیریوں کی روح کو بےچین اور بےقرار بنا دیا تھا۔ ان کی حالت اقبالؔ کے شعر کی طرح تھی:ـ

یہ دستور زباں بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زبان میری

کافی وقت تک مطلق العنان حکمران کشمیریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے رہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر بھی شخصی حکمران اپنی روش بدلنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کشمیر سے باہر تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان نوجوان جب کشمیر واپس آتے تھے تو انھیں باہر کی دنیا اور یہاں کی دنیا میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا تھا۔ یہ فرق دیکھ کر ان میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنی محرومیوں اور مجبوریوں کا ان پر گہرا اثر ہوتا تھا۔ انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ اس ظلم وستم اور ناانصافی کے خلاف یہ نوجوان آواز بلند

کرنا چاہتے تھے لیکن کسی میں یہ اتنا دم نہیں تھا کہ وہ مطلق العنانیت کو للکارتا۔ کشمیری نوجوان اپنی بے چین روحوں کو تسکین دینے کے لیے اظہار کے ذرائع تلاش کرنا چاہتے تھے۔ وہ دبے کچلے جذبات کا بھرپور اظہار کرنا چاہتے تھے۔ نوجوانوں کی خواہش کو کافی وقت تک دبایا گیا لیکن آخرکار انتظار کی طویل راتوں کا اختتام ہوا اور ڈوگرہ حکمرانوں نے وقت کے تقاضوں کو محسوس کر کے عوام کو کسی حد تک مطمئن کرنے کی غرض سے پریس کو محدود آزادی دینے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

جموں وکشمیر میں اردو صحافت کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ یہاں صحافت کا باقاعدہ آغاز چوں کہ لالہ ملک راج صراف کے اخبار ''رنبیر'' سے ۱۹۲۶ء میں ہوا۔ ''رنبیر'' کا پہلا پرچہ ۲۰/جون ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے سرورق پر یہ اشعار درج ہوتے تھے ۔

مل جل کر ہم ترانے جب وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اُس چمن کے گائیں
اظہار حال ملکی خاص اس کا مدعا ہے
رنبیر نام کا یہ جام جہاں نما ہے [1]

اس کے چند برسوں بعد اردو کا پہلا رسالہ شائع ہوا۔ اس رسالے کا نام ''پریم'' تھا۔ یہ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوان نرگس داس نرگس نے نکالا۔ اس کے بعد ماہوار چاند، رتن، کنول وغیرہ نکلنے شروع ہوئے۔

آج جموں وکشمیر میں اردو صحافت نے ہوش ربا ترقی کی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں سات اخبارات نکلتے تھے جن میں دو روزنامے اور پانچ ہفتہ وار تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ترمیم شدہ قانون برائے پریس اور اندراج کتب (Press and Registration of Books Act) کے اطلاق کے بعد یہاں اخبارات کے سروے کا کام ۱۹۹۶ء میں شروع ہوا۔ Registration News Paper of India کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۶ء میں جموں وکشمیر سے شائع ہونے والے اردو اخبارات کی کل تعداد ۵۵ تھی جن میں نو (۹) روزنامے، دو (۲) سہ روزے، اڑتیس (۳۸) ہفت روزہ، پانچ (۵) پندرہ روزے اور ایک (۱) ماہنامہ شامل تھا۔ اور ان کی کل تعداد اشاعت ۵۴۰۰۰ تھی ۔ ۱۹۹۷ء میں اس کی کل تعداد ۲۲۰ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۶۶ء کے

---

[1] جموں وکشمیر میں اردو صحافت، صوفی محی الدین، ص ۱۷۰

مقابلے میں اس میں چار گنا اضافہ ہوا جن میں چوون (۵۴) روزنامے، تین (۳) سہ روزہ، ایک سو پینتس (۱۳۵) ہفت روزے، تیرہ (۱۳) پندرہ روزے، دس (۱۰) ماہنامے، دو (۲) سہ ماہی، ایک (۱) ششماہی اور ایک سالانہ شامل تھا۔ ان کی کل تعداد اشاعت ۲۰۴۱۳۶ تھی اور اس میں ۱۹۶۶ء کے مقابلے میں ۳.۷۸ گنا اضافہ ہوا تھا۔ ریاست میں کل اخبارات میں اردو صحافت کا تناسب ۷۲ فیصد سے زیادہ ہے اور رسائل بھی کثیر تعداد میں ہے۔ ریاست جموں کشمیر واحد ریاست ہے جہاں اردو صحافت اپنی عددی طاقت کے لحاظ سے باقی تمام زبانوں کی صحافت پر غالب ہے۔

چنانچہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ تنقیدی و تحقیقی شعور کو مزید فروغ پانے کے مواقع انھیں ادبی رسائل اور اخبارات کے ذریعے حاصل ہوئے۔ تقسیم ہند نے اردو زبان پر بہت ہی غلط اثر ڈالا۔ اردو زبان بالخصوص اس کی تعلیم میں منقسم ہندوستان ایک سوالیہ نشان بن گئی۔ اس فضا میں اردو بولنے والے سماج نے ہمت سے کام لیا اقتدار کی اعلیٰ سطح پر ابوالکلام آزاد جیسے قائد، عالم، ادیب، صحافی اور اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیت نے اردو کے علمی و ادبی اداروں کے نہ صرف زندہ رہنے میں مددد کی بلکہ پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ چنانچہ اردو ادب باقی اور آہستہ آہستہ اس نے بڑی حد تک اپنے آپ کو سنبھال لیا لیکن بدلتے ہوئے سیاسی، معاشی حالات کے سبب طباعت واشاعت کی جدید سہولتیں پہلے سے زیادہ ہیں اور کاروبار کے وسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اردو کی جدید ادبی صحافت کی اس عام روش سے صرف وہ رسالے کسی حد تک محفوظ ہیں جو پہلے سے ایک علمی و قار و توازن کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کا مقصد بہتر تخلیق و تحقیق اور تنقید کے نمونے پیش کرنا ہے۔ کئی نئے رسالے بھی اپنے خاص مدیروں کی لیاقت و دیانت کے سبب ادبی و تہذیبی خدمات انجام دے رہے ہیں اور بہتر صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ جدید سہولتوں اور کاروباری موقعوں کی کثرت کے باعث ظاہری آب و تاب کے ساتھ بے شمار ادبی رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اکادمیوں وغیرہ کی شکل میں سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی بھی سرگرمیاں سامنے آ رہی ہیں۔ آزادی کے بعد ۶۴ سال کی اردو میں ادبی رسائل کسی نہ کسی جہت سے نمایاں ہوئے ہیں۔ آزادی کے بعد اردو زبان و ادب اپنی جنم بھومی ہندوستان میں بڑے نامساعد حالات سے دو چار رہی اور علمی زندگی سے اسے خارج کر دینے کی منصوبہ بند کوششیں کی گئیں اور سرکاری درسگاہوں میں اس کی تعلیم کا نظم بھی ختم کر دینے کی سازش کی گئی بالخصوص شمالی ہندوستان میں جو

اردو کا گھر تھا اس صورت حال کے منفی اثرات سے چشم پوشی نامناسب ہوگی لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید سچائی ہے کہ اس زبان کو فنا کردینے کی تمام تر کوششیں بڑی حد تک ناکام رہی ہیں۔ کسی زبان کو مذہب سے جوڑنا مذموم ذہنی رویہ ہے۔ یہاں ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب یہاں کے سرکاری دفتروں کا کام کاج اردو زبان میں ہوتا تھا۔ بہرکیف اردو دشمنوں کی ناکامی کا بڑا سبب اس زبان کی عوامی مقبولیت ہے اور اسے عام بنانے میں ادب وصحافت کا اہم حصہ رہا ہے۔ اردو ہندوستان کی سیکولرازم اور گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ مگر آج یہ اپنے ہی گھر میں اجنبی ہوتی جا رہی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اردو زبان کو مادری زبان کا درجہ کاغذوں پر تو دے رہے ہیں مگر ہمارے گھروں اور ہمارے دلوں میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

چوں کہ سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں ترقی کے باوصف دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ لہٰذا اردو دنیا کا تصور بھی لامحدود ہوتا جا رہا ہے۔ اس اردو دنیا سے مراد وہ دنیا ہے جہاں باضابطہ اردو رسائل و مجلّات اور اخبارات پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں الیکٹرانک میڈیا کا بہت اہم رول ہے۔ اردو میں ادبی رسائل کی دنیا بھی لامحدود ہے۔ ذرائع ابلاغ اور مواصلات کے شعبوں میں رونما ہونے والے زبردست انقلاب اور عالمگیریت کے تصور کی روز افزوں عمل آوری کو اردو ادبی مسائل سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے تاکہ طلباء وطالبات کے لیے روزگار کے امکانات میں اضافہ ہو اور علم وادب کی بھی آبیاری ہو۔

رسائل تحقیق کے ابلاغ کا خاص وسیلہ اور دانش وری کی ترسیل کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ رسائل کی ابتدائی تاریخ سترہویں صدی تک پہنچتی ہے۔ یہ وہ دور ہے جب سائنسی سرگرمیاں منظّم شکل میں شروع ہو چکی تھیں۔ شروع شروع میں رسائل تازہ ترین کتابوں کی اطلاع بہم پہنچانے کے لیے استعمال کیے گئے۔ لیکن آج یہ جملہ سائنسی سرگرمیوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اب بھی ان کا غالب رجحان تحقیق کے نتائج کو تفصیل کے ساتھ مشتہر کرنے کی جانب ہی ہے۔ تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ رسائل ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

موجودہ عہد میں رسائل کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ ان میں کچھ رسائل عام اہل ذوق حضرات شائع کرتے ہیں کچھ رسائل سرکار کی سرپرستی میں بھی نکلتے ہیں اور بہت بڑی تعداد علمی اور ادبی اداروں سے شائع ہونے والے رسائل کی ہے۔ علمی وادبی اداروں میں جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی بھی ایک ادارہ ہے۔

ریاست میں اس ادارے کا قیام ۱۹۵۸ء میں عمل میں آیا اور اس وقت اردو زبان ریاست میں رابطے اور سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر کے کئی مراحل سے گزر چکی تھی۔ کئی انجمنیں اور ادبی مراکز قائم ہو چکے تھے۔ تعلیمی اداروں میں اس کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ جموں وکشمیر اور لداخ تینوں علاقوں میں رابطے کی زبان کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے فروغ حاصل کر رہی تھی اور ریاست کے اُس وقت کے ادیب وشاعر اپنی مادری زبان کے بجائے اردو زبان کو اپنی تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ ایسے وقت میں کلچرل اکیڈمی کے قیام نے اردو زبان وادب کے فروغ کو مزید استحکام عطا کیا۔ ادبی سرگرمیوں کے لیے ایسی فضاء استوار کی جس نے اردو زبان وادب کو وادی میں پھیلایا۔

جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، یہ ایک ایسا ثقافتی ادارہ ہے جو تین محاذوں پر کام کر رہا ہے۔ گویہ ریاست میں تین اکائیوں (جموں، کشمیر، لداخ) میں زبان وادب، سنگیت، ناٹک اور مصوری وغیرہ کی ترقی وترویج کے سلسلے میں پچھلی پانچ دہائیوں سے اپنا کام بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔

اس ادارے نے اپنے قیام کے ۵۰ برسوں کے دوران نہ صرف بہت سے مصنفین کی کتابیں شائع کیں بلکہ علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ ریاست کے اردو ادیبوں اور ان کی نگارشات کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے انہیں اردو داں طبقے تک پہنچانے کی غرض سے اردو میں تین منفرد رسالے ''شیرازہ'' ہمارا ادب اور خبر نامہ ''اکادمی'' اور آج کل خبر نامہ ''ثقافت'' شائع کیے۔

(۱) اردو ماہنامہ ''شیرازہ''

ریاست جموں وکشمیر اردو کی آخری پناہ گاہ ہے اور یہ پناہ گاہ جن ستونوں پر قائم ہے ان میں ''جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز'' کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۵۸ء میں اپنے قیام کے بعد سے ہی ریاست کی علمی، ادبی اور ثقافتی انفرادیت وتشخص کے تحفظ واستحکام اور تعمیر وارتقاء کے حوالے سے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اور دے رہی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے ''شیرازہ'' انہیں کارناموں کی آئینہ دار ہے۔

دراصل ریاست مختلف تہذیبوں، زبانوں اور مذاہب کا ایک نادر روزگار مرقع ہے جس کی ہر لکیر زاویہ اور نقطہ سے ریاست کے تینوں خطوں جموں، کشمیر اور لداخ کی سماجی، ثقافتی اور لسانی تکثیریت کی کرنیں پھوٹتی

ہیں اوران لکیروں، زاویوں اورنقطوں کے درمیان سے مختلف طبقوں کے ذہن وضمیر، جذبہ واحساس اورفکرو دانش کی لہریں جب مخصوص لسانی،فنی اور جمالیاتی سانچوں میں ڈھلتی ہیں تو اردو اور ہندی، کشمیری اورڈوگری، پہاڑی اور گوجری، لداخی اور پنجابی وغیرہ زبانوں کے حوالے سے علم وادب کے کئی کئی چراغ روشن ہو اُٹھتے ہیں۔ ’’شیرازہ‘‘ ان چراغوں کی روشنی میں بصیرتوں کی شیرازہ بندی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

’’شیرازہ‘‘ نام کی وجہ تسمیہ:

’’شیرازہ‘‘ لغت میں اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے کتاب کے اوراق کو باندھا یا بسایا جاتا ہے۔ اس رسالے نے اپنے نام کے مصداق ریاست میں اردو زبان کے ذریعہ ریاست کی تاریخ، ثقافت اور تہذیب کو ایک لڑی میں پرویا ہے۔ لفظ ’’شیرازہ‘‘ کا مفہوم مرزا غالبؔ کے اس شعر سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے بقول غالبؔ ؎

به نظم ونثر مولانا ظهوری زنده ام غالبؔ
رگِ جاں کرده ام شیرازه اوراقِ کتابش را

اس رسالے کا نام اس وقت کے سیکریٹری جواد علی زیدیؔ نے تجویز کیا تھا جب یہ رسالہ پہلی بار ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ پچاس سال کے اشاعتی سفر میں ’’شیرازہ اردو‘‘ کے معمول کے شماروں کے علاوہ متعدد خصوصی شمارے بھی منظر عام پر آتے رہے جنہیں علم دوست احباب نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا ہے۔

جنوری ۱۹۶۲ء سے لے کر مارچ ۱۹۷۶ء تک ’’شیرازہ اردو‘‘ دو ماہی شائع ہوتا رہا۔ مئی ۱۹۷۹ء سے ماہانہ کر دیا گیا۔ اس رسالے کی وقعت اور قدرت و قیمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی فائل میں ادبی، فنی، تاریخی، تہذیبی، سائنسی، مذہبی، ثقافتی وغیرہ موضوعات پر نہایت وقیع اور کارآمد مواد موجود ہے۔ اس رسالے کے نام اور لائحہ عمل کے بارے میں موجودہ مدیر اعلیٰ کہتے ہیں:

> ’’شیرازہ‘‘ فقط ایک رسالے کا نام ہی نہیں بلکہ یہ ایک تحریک ہے جس کو منصۂ شہود پر لانے کا سہرا عالم و فاضل، محسنِ اردو اکیڈمی کے ایک سابق سیکریٹری جناب علی جواز زیدیؔ کے سر ہے۔ انھوں نے ہی اس رسالے کا نام تجویز کیا تھا اور اس کی ابتدائی مجلسِ مشاورت میں وقت کے سرکردہ عالم اور اصحابِ نظر

صاحبزادہ حسن شاہ، پروفیسر رام ناتھ شاستری، پروفیسر نیلامبر دیو شرما، جیالال کول اور پروفیسر عبدالقادر سروری شامل تھے''۔ ۲؎

اس بات کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے کہ محمد یوسف ٹینگ کو اُس وقت کے وزیر اعظم اور صدرِ اکیڈمی بخشی غلام محمد نے ''شیرازہ'' کی ادارت سنبھالنے کی غرض سے ریاستی محکمہ اطلاعات سے خاص طور پر طلب کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ کلچرا کیڈمی کی خوش قسمتی تھی کہ اسے محمد یوسف ٹینگ جیسی جامع الکمالات شخصیت نے اپنی بیش بہا خدمات سے نوازا۔ وزیر اعظم بخشی سے جواد علی زیدیؔ نے محمد یوسف ٹینگ کو کلچرا کیڈمی میں تعینات کرنے کے لیے درخواست کی تھی۔ اِس بات کی تصدیق خود محمد یوسف ٹینگ یوں کرتے ہیں:

''زیدیؔ صاحب کو اکیڈمی کا رسالہ نکالنے کا خیال آیا تو انھوں نے غلام محمد بخشی سے میرا ذکر کیا بخشی صاحب مجھ کو جانتے تھے اور مہربان بھی تھے''۔ ۳؎

۱۹۶۲ء میں شیرازہ اردو کا جب پہلا شمارہ منظر عام پر آیا تو اس رسالے کے بانی اور معروف اور مقتدر محقق علی جواد زیدیؔ جو اُس وقت کلچرل اکیڈمی کے سیکریٹری کے عہدے پر بھی فائز تھے نے اس رسالے کو جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کا ترجمان اور شناخت نامہ ''شیرازہ'' کے طور پر سب کے سامنے پیش کیا اور اس رسالے کے پہلے مدیر اعلیٰ خود زیدیؔ صاحب تھے اور مدیر محمد یوسف ٹینگ تھے۔

زیدیؔ اردو ادب کے ایک اچھے ادیب ہونے کے علاوہ انہیں جریدہ سازی کے گر بہت اچھی طرح سے جانتے تھے زیدیؔ کی اس عالمانہ بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد یوسف ٹینگ رقم طراز ہیں:

''زیدیؔ خود اردو کے ایک اچھے ادیب تھے۔ دوسرے یو۔ پی۔ سے آتے تھے اور انہیں جریدہ سازی کے گُر معلوم تھے۔ تیسرے وہ اکیڈمی کے سیکریٹری ہونے کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم کے تراج کل کی اصطلاح کے مطابق پرنسپل سیکریٹری تھے۔ غلام محمد بخشی ایک کارساز منتظم تھے لیکن اکیڈمی کے قرینوں، سلیقوں سے زیادہ واقف نہ تھے۔ زیدیؔ نے ان کا یہ پہلو بھرپور نبھایا اور

۲؎ شیرازہ اردو گولڈن جوبلی نمبر ص ۱۲۲

۳؎ شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر، ص ۱۸

اکیڈمی کو تنظیم کے راستے پر کھڑا کیا۔ اس کی ترجمانی کے لیے ایک ترجمان نکالنے کا خیال بھی انہیں کو آیا‘‘۔ [۴]

شیرازہ اردو نے جموں وکشمیر میں اردو ادب کی آبیاری کی روایات کو نہ صرف زندہ رکھا ہے بلکہ ان کے اردو زبان وادب کے فروغ میں بھی اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ’’شیرازہ‘‘ صحیح معنوں میں اردو زبان و ادب کی خدمت میں ایک نخلستان کی حیثیت رکھتا ہے اس نخلستان کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لیے اور صالح تحقیق اور ریاست کے ثقافتی ذخیرے کو دنیا ادب کے سامنے رکھنے کی غرض سے اس رسالے کا اجراعمل میں آیا۔ اس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں شیرازہ کے پہلے مدیر اس رسالے کی پہلی جلد کے اداریے میں حرفِ آغاز میں زیدیؔ یوں لکھتے ہیں:

’’کشمیر زمانہ قدیم سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کا اہم مرکز رہا ہے۔ ہماری کلاسکی زبان میں اردو ’’شیرازہ‘‘ کی اشاعت کا مقصد یہی ہے کہ صالح تحقیق وتفتیش کے لئے سہولت بہم کی جائے ہمارے ملک میں رسائل کی کمی نہیں ہے لیکن ہمیں اسے اس طرح کا ادبی رسالہ نہیں بنانا چاہیئے جس میں کچھ افسانے کچھ نظمیں اور دو ایک مقالے جمع کر کے ادارتی فریضے سے سبکدوشی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ ریاست کی تمام زبانوں اور علوم وفنون پر مغز مقالے اور تحقیقی مضامین یکجا کئے جائیں اور ریاست کے ثقافتی زخیروں کو ہندوستان بھر میں عام کیا جائے‘‘۔ [۵]

اس میں شک نہیں کہ یہ رسالہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ خالص ادبی، تحقیقی اور علمی مزاج کو قائم کرنے میں کامیاب رہا اور اس کی کامیابی کا سہرا محمد یوسف ٹینگ کے سر ہے جو زیدیؔ صاحب کی خواہش کے مطابق ماہنامہ ’’تعمیر‘‘ کی ادارت کو خیر باد کہہ کر ’’شیرازہ‘‘ کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے اور اولین شمارے سے برسوں تک اس کی ادارت میں مصروف رہے اور معاونین کے طور پر مختلف اوقات میں خصوصی طور پر محمد احمد اندرابی اور محمد اشرف ٹاک کے ساتھ کام کرتے رہے۔ مدیروں کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

---

۴ شیرازہ اردو گولڈن جوبلی نمبر، ص ۱۷

۵ شیرازہ جلد اول حرفِ آغاز، ص ۳

علوم وفنون ہوں یا ادب وثقافت شیرازہ بندی کا عمل سہل نہیں بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔ تحقیق وتنقید اور تردید وتصدیق سے لے کر ترمیم واضافہ تک کے مرحلوں سے گزر کر ہی علم وادب کی کوئی معتبر صورت وجود میں آتی ہے۔ گرچہ آج شیرازہ بیک وقت اردو، کشمیری، انگریزی، ہندی، پنجابی، ڈوگری، گوجری، بلتی، لداخی اور پہاڑی زبانوں میں شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اردو چونکہ سرکاری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ اس ریاست کی عوامی رابطے کی زبان بھی ہے۔ اس لیے ''شیرازہ'' اردو کو اپنی خاص اہمیت ہے ''شیرازہ'' کا پچاس سال سے لگاتار شائع ہوتے رہنا اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ تقسیم ملک کے بعد شاید ہی اردو کا کوئی رسالہ ایسا ہو پچاس برسوں سے لگاتار شائع ہو رہا ہو۔ وہ بھی ایک ایسے وقت میں جب کہ ''نقوش'' ''اوراق'' ''نگار'' اور ''ساقی'' سے قطع نظر ''سوغات'' ''کتاب'' اور ''شب خون'' جیسا ایک بھی رسالہ اردو میں شائع نہیں ہو رہا ہے۔ شیرازہ ایک بلند معیار سے اردو زبان وادب کی آبیاری کر رہا ہے ''شیرازہ'' میں اشاعت کی شرط صرف معیار ہے یہی وجہ ہے کہ ''شیرازہ'' میں کلاسکل، ترقی پسند اور جدیدت سے لے کر مابعد جدید تصورات تک کے حامی قلم کاروں کی تخلیقات جگہ پاتی ہیں۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''شیرازہ کا پہلا شمارہ ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آیا اور جب سے یہ ریاستی زبانوں میں ریاست کی رفتار وترقی اور فنونِ لطیفہ اور تہذیب وتاریخ کے بارے میں قیمتی مواد پیش کر رہا ہے نیز ریاست کی خاص کر اکادمی کی ثقافتی سرگرمیوں کی ترسیل بھی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کلاسکی ادب وثقافت کی اشاعت وفروغ کا اہم وسیلہ بن گیا ہے''۔ [۶]

''شیرازہ اُردو'' کے پچھلے شماروں کے مندرجات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے مختلف خطوں اور لسانی گروپوں کی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کو اُجاگر کرنے کی جانب خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مختلف مواقع پر اکیڈمی کے زیر اہتمام کل ہند سمینار منعقد کیے گئے ان میں دیگر موضوعات کے علاوہ ریاستی

---

[۶] کتاب سازی کی لے کو تیز کرو، سلور جوبلی سمینار، ص ۲۶۰۔۲۵۹

زبان وادب کے بارے میں نامور اہل قلم سے مقالے لکھوائے اور پھر ان مقالوں اور مضامین کو ''شیرازہ اردو'' میں شائع کر کے منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ ''شیرازہ اُردو'' میں ادب کے حوالے سے شائع چند مقالے درجہ ذیل ہیں:

نمبر شمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱	میرا تخلیقی سفر	حامدی کاشمیری	جلد۲۴،شمارہ،۳
۲	کچھ نئی شاعری کے بارے میں	خورشید سمیع	جلد۲۸،شمارہ،۱۰
۳	اردو شاعری میں نامہ و پیغام کا تذکرہ	خلیل انجم	جلد۲۰ شمارہ،۷۔۶
۴	قصہ حسن و دل مختلف زبانوں میں	نورالسعید اختر	جلد۸ شمارہ،۲
۵	جدید غزل	محمد اسعد بدایونی	جلد۷ ۳ شمارہ،۳۔۱
۶	اردو کی عشقیہ شاعری: ایک بازدید	حامدی کاشمیری	جلد۴۱ شمارہ،۱۰۔۹
۷	نعتیہ ادب	میر غلام رسول نازکی	جلد ا شمارہ،۱،۵،۶
۸	فارسی شاعری میں خودداری	منظر امام	جلد۲۹ شمارہ،۵۔۴
۹	اردو شاعری میں نئے تجربات	شارب ردولوی	جلد۲۰ شمارہ،۹۔۸
۱۰	عشق اپنے اشعار کی روشنی میں	رضی الدین احمد	جلد۳ شمارہ،۲
۱۱	بچوں کے ادب کا مسئلہ اور اس کا ممکنہ حل	خورشید نعمانی ردولوی	جلد۴۴ شمارہ،۲
۱۲	بچوں کا ادب	محبوب راہی	جلد۴۱ شمارہ،۳۔۱
۱۳	معاصر غزل: نئے تنقیدی تناظر میں	حامد کاشمیری	جلد۴۵ شمارہ،۷۔۴
۱۴	اردو شاعری میں ہیت کے تجربے	اسلم حنیف	جلد۲۶ شمارہ،۱۲
۱۵	اردو شاعری کی نئی جہتیں	پریمی رومانی	جلد۱۹ شمارہ،۹
۱۶	ایک ادبی سرقے کا سنسنی خیز انکشاف	محمد یوسف ٹینگ	جلد۷ شمارہ،۲
۱۷	محاکاتی شاعری	بدیع الزماں	جلد۹ شمارہ،۲
۱۸	نئی شاعری: نئے رجحانات	شکیل الرحمٰن	جلد شمارہ،۵۴

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱۹	تقسیم ہنداوراردوادب	نریش	جلد۴۱شمارہ۳،۔۱
۲۰	ایک نظراردو کے ماضی حال اور مستقبل پر	محبوب راہی	جلد۴۳شمارہ۵،۔۴
۲۱	ریاست میں اردوزبان وادب کا مستقبل	شمیم احمد شمیم	جلد۴۱شمارہ۴،۔۱
۲۲	ضلع پونچھ اورراجوری میں اردو	ایم۔این۔قریشی	جلد۳۲شمارہ۲۱،۔۷
۲۳	کشمیری تمدن اوراردو	محمد یوسف ٹینگ	جلد۲۲شمارہ۱۲،۔۱۱
۲۴	جموں وکشمیر میں ہندی کی ترویج	دھرم چند پرشانت	جلد۱شمارہ۳،
۲۵	کشمیر۔اردوکا ابھرتا مرکز	حامدی کاشمیری	جلد۱شمارہ۳،
۲۶	پونچھ میں اردو۔ایک جائزہ	خوشدیومینی	جلد۲۹شمارہ۲،
۲۷	جموں میں اردو۔مختصر جائزہ	بلدیوں پرشادشرما	جلد۲۷شمارہ۳،
۲۸	جموں وکشمیر میں آزادی کے بعداردوزبان	شمیم احمد شمیم	جلد۱۱شمارہ۶،
۲۹	اردوتنقید میں ریاستی ناقدین کا حصہ	مرزاعبدالحق نعیمی	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۰	ریاستی کلچرل اکادمی اوراردوزبان	ضیاءالدین	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۱	کشمیر میں اردوزبان کی شروعات	اقبال ناتھ	جلد۱۱شمارہ۴،
۳۲	جموں وکشمیر میں اردوادب کے تازہ رجحانات	اجیت کمار بخشی	جلد۱۷شمارہ۴،
۳۳	کشمیر کی علاقائی زبانیں اوراردو	موتی لال ساقی	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۴	راجستھان میں جدیداردوغزل	شاہد میر	جلد۲۳شمارہ۵،
۳۵	اردوزبان اورجموں وکشمیر	فداراجوری	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۶	کشمیر میں اردوادب	سیماصغیر	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۷	لداخ میں اردو(۱۹۴۷ءسے۱۹۹۷ءتک)	عبدالغنی شیخ	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۸	کشمیر میں اردو کے پچاس سال	غلام نبی ناظر	جلد۳۷شمارہ۸،۔۶
۳۹	قدیم اردوشاعری کا معاشرتی پس منظر	گوپی چندنارنگ	جلد۱شمارہ۵،

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۴۰	جدید شاعری میں اشاریت	سلیمان اطہر جاوید	جلد ۱۶ شمارہ ۱
۴۱	ادب اور زمانے کا تقاضا	ایم عالم	جلد ۳۴ شمارہ ۱۲-۱۱
۴۲	ادب کے سابقے	سلیم شہزاد	جلد ۳۱ شمارہ ۱۲-۱۰
۴۳	ادب میں روایت اور تجربہ	اسلوب احمد انصاری	جلد ۲ شمارہ ۴
۴۴	نئی نسل میں معنوی اصطلاح	ابراہیم اشک	جلد ۳۹ شمارہ ۹-۷
۴۵	قدیم اردو میں جنسیاتی ادب کا پہلا نقش	نو السعید اختر	جلد ۱۲ شمارہ ۶-۴
۴۶	موجودہ سماجی ساخت میں تخلیقی ادیب کا رول	رحمٰن راہی	جلد ۱۳ شمارہ ۶-۴
۴۷	جدید شاعری سے جدیدیت تک	وجیہہ الدین احمد	جلد ۱۲ شمارہ ۳
۴۸	اردو ادب اور عصری آگہی	مدن لال منچندا	جلد ۲۷ شمارہ ۵
۴۹	اردو شاعری کے نئے رجحانات	حامدی کاشمیری	جلد ۱۱ شمارہ ۶
۵۰	اردو نظم کی دریافت	سلیمان اطہر جاوید	جلد ۴۵ شمارہ ۷-۴
۵۱	عالمی معیار اور اردو	جگن ناتھ آزاد	جلد ۲۰ شمارہ ۹-۸
۵۲	اسلامی تصوف اور اردو شاعری	رحمٰن راہی	جلد ۲۷ شمارہ ۴
۵۳	عالمی معیار اور اردو شاعری	حامدی کاشمیری	جلد ۲۰ شمارہ ۹-۸
۵۴	ماریشیس میں اردو	صابر گورڈ	جلد ۴۲ شمارہ ۱۰
۵۵	اردو ادب پر ہندی کے اثرات	پریمی رومانی	جلد ۲۰ شمارہ ۱۲-۱۱
۵۶	آزادی کے بعد بنگال میں اردو	ایم۔اے۔نصر	جلد ۱۳ شمارہ ۳-۱
۵۷	اردو زبان کی نشو ونما	جگن ناتھ آزاد	جلد ۳۸ شمارہ ۳-۱
۵۸	اردو زبان کا حال اور مستقبل	قمر رئیس	جلد ۲۰ شمارہ ۹-۸
۵۹	جموں و کشمیر میں اردو زبان و ادب کے مسائل	سیف الدین سوز	جلد ۲۰ شمارہ ۹-۸
۶۰	صوبہ جموں میں اردو۔حال اور مستقبل	ظہور الدین	جلد ۲۰ شمارہ ۹-۸

حوالہ	مصنف	عنوان	نمبرشمارہ
جلد۲۰ شمارہ،۹۔۸	منظر اعظمی	جموں میں اردو۔حال اور مستقبل	۶۱
جلد۲۹ شمارہ،۷	نشاط انصاری	چراغِ راہ۔ایک جائزہ	۶۲
جلد۲۵ شمارہ،۱۱	تارا چرن رستوگی	نوائے ضبط اور چراغ معرفت پر نظرے خوش گذرے	۶۳
جلد۲۹ شمارہ،۲	پی۔این۔پشت	رشتہ گونگے سفر کا۔ایک جائزہ	۶۴
جلد۱۲ شمارہ،۶۔۴	شکیل الرحمٰن	گفتگو۔انداز نظر	۶۵
جلد۲۸ شمارہ،۹	نشاط انصاری	شناخت در شناخت	۶۶
جلد۲۸ شمارہ،۶	عظیم اقبال	کارگہہ شیشہ گری	۶۷
جلد۴۳ شمارہ،۳۔۱	جگن ناتھ آزاد	خیاباں پر ایک نظر	۶۸
جلد۳۹ شمارہ،۶۔۴	محمد شاہد پٹھان	چمن زار،ایک مطالعہ	۶۹
جلد۴ شمارہ،۱	سید امیر حسن عابدی	دیوانِ شاہ	۷۰
جلد۳ شمارہ،۶	شمیم حنفی	کائنات گُلِ نغمہ	۷۱
جلد۲۷ شمارہ،۸	تارا چرن رستوگی	گفتار و رفتارِ شعر عاقل	۷۲
جلد۴۳ شمارہ،۱۲	سید رسول پونپر	سش رنگ۔ایک جلوۂ صد رنگ	۷۳
جلد۱۲ شمارہ،۱۲	عشرت ظفر	کولرج کی شاعری میں چاند کا کردار	۷۴
جلد۴۵ شمارہ،۷۔۴	حامد کاشمیری	نظم کی اکتشافی قرآت	۷۵
جلد۲۱ شمارہ،۱۱	پریمی رومانی	کشمیر کی اردو شاعری۔علامتوں کا استعمال اور لسانی برتاؤ	۷۶
جلد۲۳ شمارہ،۱۲	پریمی رومانی	جدو جہد آزادی اور اردو نظمیں	۷۷
جلد۲۷ شمارہ،۷	انوار احمد	''جوگی''۔تخلیقی مراحل	۷۸
جلد۲۶ شمارہ،۲	محمد اسماعیل آزاد	نعتیہ شاعری اور غیر مسلم شعراء۔ایک جائزہ	۷۹
جلد۱۰ شمارہ،۵	نشاط انصاری	مشاعرہ اور اس کا تاریخی پس منظر	۸۰
جلد۳۵ شمارہ،۸۔۶	قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی	تخلیقی فکر۔حدود و امکانات	۸۱

نمبر شمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۸۲	تدوینِ متن	سیدہ جعفر	جلد۷ شمارہ۴
۸۳	رنگِ تغزل	سیما صغیر	جلد۳۹ شمارہ۹۔۷
۸۴	غزل کا عبوری دور۔ایک نظر میں	مولا بخش	جلد۴۴ شمارہ۲
۸۵	پنجابی ''وار'' میں شمس اور راج ولی کے کردار	امریک سنگھ	جلد۲۳ شمارہ۵
۸۶	نئی شاعری کو سمجھنے کے لئے	شکیل الرحمٰن	جلد۶ شمارہ۳۔۱
۸۷	دعویٰ سحر بیانی	قیصر سرست	جلد۴۲ شمارہ۳۔۲
۸۸	برجستہ اور کانچ کی دنیا۔ایک نظر میں	محمد یوسف ٹینگ	جلد۲۷ شمارہ۶
۸۹	جدید اردو شاعری کا فکری پسِ منظر	نذیر آزاد	جلد۳۰ شمارہ۷۔۴
۹۰	اندلس کی فطری شاعری میں منظر نگاری	ایس سیف الدین بیہقی	جلد۲۳ شمارہ۵
۹۱	آفاقی شاعری	محمد یوسف ٹینگ	جلد۲۳ شمارہ۷۔۶
۹۲	اردو کی پہلی تخلیق کار خاتون	رشیدۃ النساء	جلد۲۸ شمارہ۱۲۔۱۱
۹۳	اضاف ادب کا مسئلہ	سلیم شہزاد	جلد۴۰ شمارہ۱۱
۹۴	اردو شاعری اور غیر مسلم خواتین	تسنیم فاروقی	جلد۹ شمارہ۱
۹۵	اردو شاعری میں بہار کا رنگ	محمد اسد اللہ ونی	جلد۲۹ شمارہ۱۱۔۹
۹۶	لہولمس چنار۔رنگوں اور تصویروں کا البم	مسعود و منور	جلد۲۳ شمارہ۵
۹۷	ہزل گوئی لکھنو میں	احمد جمال پاشا	جلد۷ شمارہ۳
۹۸	ہماری اردو شاعری	علی عباس حسینی	جلد۷ شمارہ۳۔۲
۹۹	کشمیر کی اردو شاعری میں معاصر شعور	مجید مضمر	جلد۲۱ شمارہ۱۱
۱۰۰	شجر لفظوں کا	نشاط انصاری	جلد۲۴ شمارہ۷۔۶
۱۰۱	عرضِ معروض	کمال احمد صدیقی	جلد۲۹ شمارہ۱۱۔۹
۱۰۲	شعلۂ برق تپاں۔۔۔	منظر اعظم	جلد۲۶ شمارہ۱

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱۰۳	حرفِ نا گفتہ	نشاط انصاری	جلد۳۰شمارہ،۷۔۴
۱۰۴	قدیم رسائل میں کشمیر سے متعلق دلچسپ نظمیں	ظفر حیدری	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۱۰۵	کسک دھرتی کی۔ایک جائزہ	ارجن دیو مجبوؔر	جلد۲۹شمارہ،۳
۱۰۶	شاعری اور عکاسی حیات	ایم عالم	جلد۳۱شمارہ،۹۔۷
۱۰۷	الفاظ ومعنی کے عجوبے	محمد رضی الدین معظم	جلد۳۳شمارہ،۱۲۔۷
۱۰۸	ادب اور سماج۔عبدالاحد آزاد کی نظر میں	پی۔این۔پشپ	جلد۴۰شمارہ،۹۔۷
۱۰۹	معاصر شاعری اور ابلاغ کا مسئلہ	رحمٰن راہی	جلد۱۱شمارہ،۱
۱۱۰	جوش ملیح آبادی۔بحیثیت غزل گو	محی الدین حسن سہیل	جلد۸شمارہ،۴
۱۱۱	نوادرات شبلی	فیض الرحمٰن اعظمی	جلد۸شمارہ،۴
۱۱۲	ایک لڑکا (اختر الایمان)	آفاق احمد	جلد۵شمارہ،۴
۱۱۳	آزاد غزل کے ساتھ مخالفین کا رویہ	یوسف جمال	جلد۲۴شمارہ،۲
۱۱۴	اردو نظم کا تدریجی ارتقاء	زرینہ ثانی	جلد۹شمارہ،۲
۱۱۵	اردو شاعری میں تکنیک اور ہیئت کے تجربے	مظہر امام	جلد۲۱شمارہ،۳
۱۱۶	اردو غزل۔ایک جائزہ	وجیہہ الدین احمد	جلد۱۹شمارہ،۵
۱۱۷	دلی اور لکھنو سکولوں کی امتیازی خصوصیات	اقبال بلگرامی	جلد۱۰شمارہ،۶
۱۱۸	ریاض اور صنف رباعی	خلیل اللہ خان	جلد۳۳شمارہ،۲۱۔۷
۱۱۹	عروض نو کی ضرورت	خواب اکبرآبادی	جلد۳۹شمارہ،۹۔۷
۱۲۰	اردو غزل کا عصری مزاج	مشتاق مدنی	جلد۳۸شمارہ،۳۔۱
۱۲۱	غزل میں قافیہ کا عنصر	آفتاب عزمؔی	جلد۲۹شمارہ،۱۱۔۹
۱۲۲	آزاد غزل	شکیل الرحمٰن	جلد۲۶شمارہ،۱۰
۱۲۳	تنگنائے غزل سے پرے	سلیم شہزاد	جلد۲۷شمارہ،۱

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱۲۴	آتش۔دبستانِ لکھنو کا ایک ممتاز غزل گو	آفاق حسین صدیقی	جلد۲۳شمارہ۲،۱
۱۲۵	امام بخش صہبائی کی اردو شاعری	محمد ذاکر حسین ندوی	جلد۴۱شمارہ۳،۱
۱۲۶	امام بخش صہبائی کی فارسی شاعری	محمد ذاکر حسین ندوی	جلد۳۵شمارہ۱۰،۹
۱۲۷	انشاء کی تاریخی ولادت ووفات	عابد پشاوری (شیام لال کالرا)	جلد۱۴شمارہ۴،۱
۱۲۸	کلام اصغر۔ایک مطالعہ	شاکر پرشارتھی	۳۰ جلد شمارہ۳،۱
۱۲۹	اختر الایمان کی شاعری	پریمی رومانی	جلد۱۸شمارہ۶
۱۳۰	غزل کی تنقیداورالطاف حسین حالی	ابوالکلام قاسمی	جلد۴۱شمارہ۱۰،۹
۱۳۱	آنندنرائن ملا کی شاعری پراقبال کے اثرات	پریمی رومانی	جلد۴۱شمارہ۵،۴
۱۳۲	آل احمد سروراورجدیدیت	زینت اللہ جاوید	جلد۳۰شمارہ۱۲،۱۱
۱۳۳	آل احمد سرور کا ’’نا آشنا‘‘	محمد نورالاسلام نشتر	جلد۲۲شمارہ۶،۵
۱۳۴	اختر شیرانی کی نظمیں	حامدی کاشمیری	جلد۶شمارہ۴
۱۳۵	موجِ نقداورآزردہ	زبیرشاداب خان	جلد۴۴شمارہ۱۲
۱۳۶	اکبرالہ آبادی۔بعض نئے گوشے	اکبرحیدری	جلد۲۹شمارہ۱
۱۳۷	اکبرالہ آبادی اوران کا نقطہ نظر	عنوان چشتی	جلد۷شمارہ۶
۱۳۸	اکبرالہ آبادی اورجدیدمغربی تعلیم	ایم۔نسیم اعظمی	جلد۴۴شمارہ۱۲

واضح رہے کہ ریاستی کلچرل اکیڈمی کا فرضِ منصبی بھی یہی ہے کہ وہ آرٹ، کلچراورزبان وادب کے فروغ میں اپنا کرداراداکرتی رہے جوکبھی سنبھل کراورکبھی لڑکھڑاکر پوری ایمانداری کے ساتھ آج تک نبھارہی ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ’’شیرازہ اردو‘‘ نے علوم وفنون اورتہذیب وثقافت کے حوالے سے متعددنمبرات شائع کئے ہیں مثلاً ثقافت نمبر،کشمیری عجائبات نمبر،صوفیانہ موسیقی نمبر،جموں کشمیرولداخ نمبراورشاہ ہمدانی نمبر وغیرہ اوران نمبروں میں شامل تحقیقی وتنقیدی مضامین کو دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ ’’شیرازہ‘‘ کے قلم کاروں نے ریاست کی بلندیوں اورپستیوں کوعروج اورزوال کو،امکانات اورتسامحات کو ہرہرزاوے سے سمیٹاہے اور

سمیٹ کر پوری بصیرت کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ان مضامین کو پڑھنے سے کشمیر میں اردو ادب کا نقشہ سامنے آجاتا ہے چند مضامین کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱	کشمیر ظفر خان احسن کے اشعار کے آئینہ میں	محمد اسلم خان	جلد ۱۱ شمارہ ۴
۲	کشمیری افسانے کا سفر	ہردے کول بھارتی	جلد ۱۵ شمارہ ۶۔۳
۳	کشمیری شاعرات اور صوفیانہ موسیقی	نشاط انصاری	جلد ۳۶ شمارہ ۵۔۱
۴	اس عشرے کا کرب اور کشمیری غزل	شہباز راجوری	جلد ۳۷ شمارہ ۳۔۱
۵	کشمیر کی بعض ادبی صحبتیں	سید قیصر قلندر	جلد ۳۷ شمارہ ۸۔۶
۶	۱۹۴۷ء کے بعد کی چند یادگار ادبی محفلیں	نور شاہ	جلد ۳۷ شمارہ ۸۔۶
۷	اردو کے تیں ریاست کے ادبی اداروں کا رول	پریمی رومانی	جلد ۳۷ شمارہ ۸۔۶
۸	کشمیر اور پنجابی ادب	سیوا سنگھ	جلد ۲۰ شمارہ ۷۔۶
۹	کشمیری نثر کا اولین مجموعہ	شاہد بڈگامی	جلد ۸ شمارہ ۴
۱۰	کشمیری شاعری	میر غلام رسول نازکی	جلد ۱ شمارہ ۳
۱۱	کشمیری شاعری، دورِ جدید	رحمٰن راہی	جلد ۱ شمارہ ۳
۱۲	کشمیری زبان وادب کے چند مسائل	شمیم احمد شمیم	جلد ۱ شمارہ ۳
۱۳	کشمیر میں پنجابی محاورات اور کہاوتیں	سیو سنگھ	جلد ۴ شمارہ ۲
۱۴	کشمیری زبان اور یورپی محققین	سید رسول پونپر	جلد ۴۵ شمارہ ۲
۱۵	کشمیری زبان وادب میں اُردو قبول کا عمل	رحمٰن راہی	جلد ۴۵ شمارہ ۸
۱۶	محمود گامی کی فارسی نعتیں	ناجی منور	جلد ۱۳ شمارہ ۳۔۱
۱۷	کشمیری زبان پر فارسی زبان وادب کے اثرات	مرغوب نہالی	جلد ۱۳ شمارہ ۳۔۱
۱۸	کشمیری زبان میں بچوں کا ادب	علی محمد لون	جلد ۱ شمارہ ۵
۱۹	کشمیری شاعری میں موضوعاتی تبدیلیاں	نور محمد بٹ	جلد ۱ شمارہ ۴

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۲۰	صؔمد میر۔ایک تعارف	موتی لال ساقی	جلد۳ شمارہ۳،
۲۱	’’مہانے پرکاش‘‘ کشمیری ادب کی سب سے پرانی کتاب	اوتار کشن رہبر	جلد۳ شمارہ۲،
۲۲	صوبہ جموں سفرنامے کی روایت	ضیاءالدین	جلد۳۵ شمارہ۱۰،۔۹
۲۳	کشمیری صوفی شاعری اور حضرت سید علی ہمدانی ۔ وحدت الوجوداور وحدت المشہو د کے تناظر میں	غلام محمد شاد	جلد۳۵ شمارہ۳،۔۱
۲۴	محمود گامی۔صوت وصور کا صانع	شفیع شوق	جلد۳۳ شمارہ۱۲،۔۷
۲۵	جموں خطہ میں کشمیری نعت	شہباز راجوری	جلد۳۳ شمارہ۱۲،۔۷
۲۶	ڈوگری شاعری میں انسان دوستی کی روایت	نیلامبر دیوشرما	جلد۵ شمارہ۱،
۲۷	اردوادب میں کشمیر کی غلط تصویرکشی	غلام نبی خیال	جلد۳۴ شمارہ۱۱،۔۶
۲۸	دت کوی	گورس شنکر	جلد۱ شمارہ۲،
۲۹	چمن میں ہرطرف......	منظور احمد دایک	جلد۳۴ شمارہ۱۱،۔۶
۳۰	آزادکا شعور	شمیم احمد شمیم	جلد۴۰ شمارہ۹،۔۷
۳۱	دیپاچہ کشمیری زبان اورشاعری	محمد یوسف ٹینگ	جلد۴۰ شمارہ۹،۔۷
۳۲	کشمیری زبان اورشاعری۔تجزیاتی مطالعہ	غلام نبی خیال	جلد۴۰ شمارہ۹،۔۷
۳۳	تاریخ شعرائے کشمیر کا اولین نسخہ	موتی لال موتی۔ مترجم،ظفر مظفر	جلد۴۰ شمارہ۹،۔۷
۳۴	جموں وکشمیر میں پارسی تھیٹر	موتی لال کیمو	جلد۳۸ شمارہ۳،۔۱
۳۵	ایک گم نام شاعر۔غلام مصطفیٰ شاہ بخاری	موتی لال ساقی	جلد۴ شمارہ۳،
۳۶	کشمیری ڈراما	پران کشور	جلد۳ شمارہ۶،
۳۷	کشمیری شاعری میں طنزومزاح	پشکر بھان	جلد۳ شمارہ۶،
۳۸	قدیم سنسکرت کا کشمیری شاعر۔بلبن	گنگادت شاستری ونود	جلد۳ شمارہ۶،

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۳۹	کشمیری افسانہ۔ایک جائزہ	علی محمدلون	جلد۳شمارہ،۶
۴۰	بڈشاہی عہداورکشمیری ادب	اوتارکرشن رہبر	جلد۳شمارہ،۵
۴۱	گوجری زبان اورادب	وسیم اختر	جلد۳شمارہ،۵
۴۲	حسن شاہ اوراس کی تصانیف	محمدامین رفیقی	جلد۱۰شمارہ،۴
۴۳	حنس کاشاعرانہ مقام	رشیدنازکی	جلد۱۰شمارہ،۴
۴۴	کشمیری ادب۔ایک جائزہ ایک تبصرہ	اوتارکرشن رہبر	جلد۹شمارہ،۳
۴۵	کشمیرمیں فارسی کاعروج	طاہرہ قریشی	جلد۹شمارہ،۳
۴۶	ریاست میں پنجابی کاارتقا	سرجیت مہندرسنگھ	جلد۱شمارہ،۲
۴۷	ریاست میں سنسکرت ادب کاارتقا	اننت رام شاستری	جلد۱شمارہ،۲
۴۸	ڈوگری زبان میں ناول	چنچل شرما	جلد۵شمارہ،۳
۴۹	کشمیر۔فارسی تاریخ اورادب کی روشنی میں	صباحالدین عبدالرحمٰن	جلد۲شمارہ،۱
۵۰	پرتاپ میگزین کے کشمیری حصہ پرایک ناقدانہ نظر	ابورشیدکاشمیری	جلد۲۳شمارہ،۱۱۔۸
۵۱	کشمیری افسانہ:ایک مطالعہ	برج پریمی	جلد۲۴شمارہ،۱۲
۵۲	ڈوگری ناول۔ایک جائزہ	ارجن دیومجبور	جلد۲۵شمارہ،۱۱
۵۳	رسا۔آتشِ رفتہ کے سُراغ میں	محمدیوسف ٹینگ	جلد۱۸شمارہ،۵۔۳
۵۴	رسا۔بحثیت غزل گو	الیاس تنویر	جلد۱۸شمارہ،۵۔۳
۵۵	رسا۔ایک نظرمیں	اے۔رحیم راہی	جلد۱۸شمارہ،۵۔۳
۵۶	مقبول کافارسی کلام	شمشادکرالہ واری	جلد۱۸شمارہ،۶
۵۷	ڈوگری ادب کانیادور	وشوناتھ کھجوریہ	جلد۱شمارہ،۴
۵۸	کشمیری زبان کی مثنویاں	غلام نبی خیال	جلد۱شمارہ،۴
۵۹	ابھینوگپت اوران کاادب	گنگادت شاستری	جلد۱شمارہ،۳

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۶۰	ڈوگری ادب۔دورجدید	بنسی لال گپتا	جلدا شمارہ،۳
۶۱	دلسوزکشمیری۔ایک مطالعہ	حامدی کاشمیری	جلدا شمارہ،ا
۶۲	کشمیرکا پہلا عوامی شاعر	صاحبزادہ حسن شاہ	جلدا شمارہ،ا
۶۳	کشمیری زبان کے نئے رجحانات	مظفرعازم	جلد۱۹شمارہ،۲۔ا
۶۴	موجودہ کشمیری افسانہ	بشربشیر	جلد۲۰شمارہ،۱۲۔۱۱
۶۵	کشمیری ادب پراردو کے اثرات	وجے ساقی مہنوری	جلد۲۱شمارہ،۱۱
۶۶	کشمیری ناول۔ایک جائزہ	ارجن دیو مجبور	جلد۲۷شمارہ،ا
۶۷	مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا۔اسمش معلوم و جسمش معدوم	محمد یوسف ٹینگ	جلد۲۸شمارہ،۱۰
۶۸	کشمیری ادب۔ایک تعارف ایک جائزہ	اوتارکرشن رہبر	جلد۸شمارہ،۳
۶۹	ڈوگری ڈراما کے دس سال (۸۷۔۱۹۷۷) ایک جائزہ	مدن موہن شرما	جلد۲۸شمارہ،۱۲۔۱۱
۷۰	کشمیری شاعری میں جدید رجحانات	محمد یوسف ٹینگ	جلدااشمارہ،۶
۷۱	معاصرکشمیری شاعری اور نیا شعور	مظفرعازم	جلدااشمارہ،۲
۷۲	معاصرکشمیری افسانہ اور نیا شعور	اختر محی الدین	جلدااشمارہ،۲
۷۳	کشمیری ڈراما۔ایک جائزہ	پران کشور	جلدااشمارہ،۲
۷۴	نیالداخی ادب	تاشی ربگیاس	جلدااشمارہ،۲
۷۵	کھیمندر کا طنزومزاح اور اس کا سماجی فکرونظر	گنگادت شاستری ونود	جلد۷شمارہ،۶
۷۶	کشمیری نثر کا اولین مجموعہ۔''معراج صلاح مہناج فلاح''	شاہد بڈگامی	جلد۸شمارہ،۴
۷۷	کشمیری زبان اور یورپی محققین	سیدرسول پوپنر	جلد۴۵شمارہ،۸
۷۸	قدیم رسائل میں کشمیر سے متعلق دلچسپ نظمیں	ظفرحیدری	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۷۹	کیشو رازداں ہمایوں کشمیری۔ایک انکشاف	ایازرسول نازکی	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸

نمبر شمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۸۰	لداخ،تہذیب وثقافت۔ایک کارنامہ	ولی محمواسیر کشتواڑی	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۱	دیوان کرپارام۔ثقافتی گنجینوں کا کلید بردار	منظوراحمد ایک	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۲	علاقہ ڈوڈہ۔تاریخ اورتذکروں کے آئینے میں	ولی اسیر کشتواڑی	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۳	درکشمیرہم چیز خوب اند،بجز......	فدامحمد حسنین	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۴	کشمیراورفن مصوری۔تاریخ اورتذکروں میں	اوتارکرشن رازداں	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۵	کرنیل میاں سنگھ۔کشمیرکا نوشیروان عادل	غلام رسول بٹ	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۶	کشمیراورلداخ کی حسین وادیاں	غلام نبی آتش	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۷	مظفرآباد۔تاریخ اورتذکروں کے آئینے میں	خوشدیومینی	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۸	لداخ میں فن سنگ تراشی کے خزینے	عبدالغنی شیخ	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۸۹	شاہنامہ کشمیر۔خوبصورت آغاز،حسرتناک انجام	محمدامین رفیق	جلد۴۵شمارہ،۱۱۔۸
۹۰	اورنگ زیب کا سفرِکشمیر۔برنیرکی زبانی	برج پریمی	جلد۲۸شمارہ،۳۔۱
۹۱	مُغل اورلداخ	عبدالغنی شیخ	جلد۲۸شمارہ،۳۔۱
۹۲	شاہنامہ کشمیر	محمدامین رفیق	جلد۴۵شمارہ،۱۰۔۸
۹۳	شالیمارباغ۔قومی یکجہتی کی درخشاں علامت	اکبرحیدری	جلد۲۸شمارہ،۳۔۱
۹۴	کشمیری مثالیں اورجامہ دار	قیصرسرمست	جلد۱۱شمارہ۴
۹۵	کشمیرکی دست کاری	محمدیسین	جلد۵شمارہ،۱
۹۶	کشمیری دستکاریاں اوراسلام	موتی لال ساقی	جلد۲۶شمارہ،۱
۹۷	حضرت شاہِ ہمدان اورکشمیری دستکاریاں	نشاط انصاری	جلد۳۵شمارہ،۳۔۱
۹۸	پیپرماشی	سلطان الحق شہیدی	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸
۹۹	جالکدوزی اورسوزن کاری	محمدشعبان	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸
۱۰۰	پنجرہ کاری	بشیراختر	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸

نمبرشمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱۰۱	کانسی کے مجسمے	موتی لال ساقی	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸
۱۰۲	قالین بافی ونمدہ سازی	بشر بشیر	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸
۱۰۳	شال بافی	عبدالاحد	جلد۲۶شمارہ،۹۔۸
۱۰۴	کشمیر کی قدیم مشہور عالم صنعتیں۔تذکروں اور سفرناموں کی روشنی میں	جلالی شاہ جہاں پوری	جلد۴۴شمارہ،۸۔۴
۱۰۵	کشمیر میں فلمی تجربہ	بشیر بڈ گامی	جلد۱۶شمارہ،۱

جہاں تک ''شیرازہ اردو'' کے حوالے سے ریاست میں خالص ادبی تحقیق وتنقید کا تعلق ہے اس کا سرمایہ اتنا وسیع اور ہمہ جہت ہے کہ ریاست کی یونیورسٹیوں میں کوئی بھی تحقیقی منصوبہ اس سرمایہ سے استفادہ کیے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔اس بات کی تصدیق پروفیسر قدوس جاوید کے ان اقوال سے ہوتی ہے:

> ''اگر کشمیر یونیورسٹی کا اردو شعبہ اس سرمایہ سے رجوع کریں تو پھر ان کی تحقیق و تنقید کے دائرے اتنے رسمی اور تنگ نہیں رہیں گے''۔ ۷

''شیرازہ اردو'' کا ادبی معیار اعلیٰ پائے کا ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ''شیرازہ'' کی ترسیل اور اشاعت کا دائرہ کار صرف ریاست تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے ہر شمارے میں بیرونِ ریاست ادیبوں کے مقالے دیکھنے کو ملتے ہیں اور ''شیرازہ'' میں خاص طور پر اردو ادب سے متعلق مضامین اور منظومات کو کھلے دل سے جگہ دی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ مستند نے اپنے تعاون سے ''شیرازہ اردو'' کو نوازا ہے ان میں سید احتشام حسین، سید محی الدین قادری زورؔ، خلیل الرحمٰن اعظمی، مسعود شمس الرحمٰن فاروقی قابل ذکر ہیں۔

ان بیرونی ریاست کے نامور ادیبوں نے اپنے مقالات کے ذریعے ملکی تہذیب کے متحدہ تصویر کی نشاندہی کی ہے۔

''شیرازہ اردو'' نے وقتاً فوقتاً ریاست اور ریاست سے باہر کے ادیبوں اور شاعروں پر خصوصی گوشے بھی شائع کیے ہیں مثلاً راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، میکش کاشمیری، یٰسین بیگ، آغا شورش کاشمیری

---

۷ شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر،ص ۴۱

وغیرہ سے متعلق جو گوشے شائع ہوئے ہیں وہ شخصی مطالعہ کے حوالے سے بے حد اہم ہیں۔ ان نمبروں اور خصوصی گوشوں میں جو تحقیقی وتنقیدی مضامین شامل ہیں وہ دیکھنے اور پڑھنے کے قابل ہیں اور اپنی مثال آپ ہیں۔ بقول پروفیسر محمد اسداللہ وانی:

> ''جب ہم ''شیرازہ اردو'' کے خصوصی شماروں اور گوشوں کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''شیرازہ اردو'' جلد اول کا تیسرا شمارہ ''سمپوزیم نمبر'' نکالا گیا تھا، چنانچہ ''سمپوزیم نمبر'' سے لے کر ''محمد یوسف ٹینگ نمبر'' تک ہر شمارہ اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ یہ تمام شمارے بصیرت افروز اور معلومات افزا موضوعات کے حامل ہیں''۔ ۸

یہی وجہ ہے کہ ''شیرازہ اردو'' کے اس کا کامیاب سفر میں ایک اہم رول خصوصی شماروں کا ہے جو محمد یوسف ٹینگ کے وقت میں شروع کیا گیا تھا اور اب بھی چل رہا ہے۔ ان خصوصی نمبروں نے نئی نسل کے ادیبوں اور شاعروں میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اور ان شماروں سے ادیبوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی ہے اس بارے میں پروفیسر حامدی کاشمیری یوں رقم طراز ہیں:

> '''''''شیرازہ'' نے خاص طور پر نئی نسلوں کے ادیبوں، شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کا ثبوت وہ نوجوان نمبر ہیں جو اکتوبر ۱۹۲۹ء اور خاص طور سے ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئے ان نمبروں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ''شیرازہ'' نے ریاست میں اردو زبان و ادب کو مقبول بنانے میں کتنا اہم رول ادا کیا ہے۔ اپنی ذاتی لگن اور ریاضت سے ریاست کے کئی اہل قلم اردو کو ذریعہ اظہار بناتے رہے اور انھوں نے پورے برصغیر میں اپنی اہمیت منوائی''۔ ۹

شعر و ادب اور شاعر و ادیب کے حوالے سے ''شیرازہ اردو'' نے کئی یادگار نمبر شائع کیے ہیں۔ مثلاً اقبال نمبر، فوق نمبر، پریم چند نمبر، مہجور نمبر، عبدالاحد آزاد نمبر، لل دید نمبر، حسن نمبر، سمینار نمبر، سمپوزیم نمبر،

۸۔ شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر، ص ۱۰۵

۹۔ شیرازہ اردو، گولڈن جوبلی نمبر، ص ۳۵

غالبؔ نمبر، حامدیؔ نمبر، زورؔ نمبر، غلام رسولؔ نمبر، حکیم منظورؔ نمبر، افسانہ نمبر، محی الدین قادر زورؔ نمبر، جموں وکشمیر میں اردو ادب نمبر، رساؔ جاودانی نمبر، میکشؔ کاشمیری نمبر، شمیم احمد شمیمؔ نمبر، غلام رسول سنتوشؔ نمبر، محمد یٰسین بیگ نمبر، عمر مجید نمبر، ہم عصر شعری انتخاب نمبر، پنڈت جواہر لال نمبر، مورخ حسن نمبر، شیخ العالم نمبر، شاہِ ہمدانی نمبر، شیرِ کشمیر نمبر، غلام محمد صادق نمبر، ثقافت نمبر، عجائباتِ کشمیر نمبر، صوفیانہ موسیقی اور کشمیر نمبر، فخرِ کشمیر نمبر، غلام رسول کامگار نمبر، بخشی غلام محمد نمبر، عمر مجید نمبر، پی۔ این۔ کے بامزئی نمبر، پشکر ناتھ کول نمبر، مغل اور کشمیر نمبر، جموں وکشمیر، لداخ نمبر (۸ جلدیں)، محمد یوسف ٹینگ نمبر، فرید پربتی نمبر جیسے اہم اور خصوصی شمارے نہ صرف خاصے کی چیزیں ہیں بلکہ یہ اردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ ان شماروں کے علاوہ شہ زور کاشمیری، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدیؔ کے گوشے اور ہر سال اپریل میں شائع ہونے والے ''گوشہ ہائے اقبالؔ'' بھی ''شیرازہ'' کے قابل ستائش کاوشیں ہیں۔

''شیرازہ'' کے خصوصی شماروں میں سے سب سے اہم اور قابل ذکر شمارہ ''جموں، کشمیر اور لداخ...... قدیم تذکروں اور سفرناموں کی روشنی میں'' ہے اس کی اب تک آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ ''شیرازہ'' کے اہل کاروں کا ایک فخریہ کارنامہ ہے جس کی بدولت قاری ان تینوں خطوں کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنے میں نہ صرف کامیاب ہوتا ہے بلکہ جموں وکشمیر اور لداخ کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور کلچر سے بھی پوری طرح سے واقف ہو جاتا ہے۔ بقول محمد اسد اللہ وانی:

> ''خصوصی شمارے نہ صرف اپنی ضخامت کے اعتبار سے بڑے ہیں بلکہ اپنے موضوعات اور مواد کے لحاظ سے بھی بڑے ہیں یہ ''شیرازہ'' سے وابستہ عملے کی فہم وفراست، تدبر وتفکر اور لگن وجستجو کا نتیجہ ہے کہ پچاس سال بیت جانے کے بعد بھی شیرازہ نوازوں کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے''۔ [۱۰]

''شیرازہ اُردو'' نے جو سفر آج سے نصف صدی قبل دو ماہی جریدے کی صورت میں شروع کیا تھا وہ آج ماہنامے کی صورت میں نصف النہار پر آ گیا ہے۔ اس دوران اس رسالے نے کئی خصوصی نمبر شائع کیے ہیں جو ضخیم کتاب سے کم نہیں اور اِن کی تاریخی اور دستاویزی اہمیت ہے ان ہی خصوصی نمبروں میں ایک اور نمبر

۱۰۔ شیرازہ اردو، گولڈن جوبلی نمبر، ص ۱۰۷

''ہم عصر شعری انتخاب نمبر'' ہے اس شمارے کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ نہ صرف جموں وکشمیر میں کی جانے والی معاصر اردو شاعری کا خوبصورت گلدستہ ہے بلکہ یہ آنے والے محققوں اور نقادوں کے لیے بنیادی حوالے کا کام بھی دیتا رہے گا اس کے علاوہ یہ نمبر ریاست کے باہر کے اردو حلقوں میں یہاں کی ہم عصر اردو شاعری کی پہچان اور اس کے خدوخال مرتبہ کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس امر کی وضاحت ڈاکٹر نذیر آزادؔ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے:

> ''شیرازہ اردو'' کے اس نمبر میں جہاں ۱۹۲۲ء میں تولد ہونے والے ریاست کے بزرگ ترین شاعر سیفیؔ سوپوری کا کلام شامل ہے وہیں ۱۹۸۷ء میں پیدا ہونے والے نوعمر شاعر اطہرؔ بشیر کو بھی نمائندگی ملی ہے۔ اس طرح یہ خصوصی اشاعت نہ صرف آج کی معاصر اردو شاعری کا حوالہ ہے بلکہ یہ گزشتہ ایک صدی کی جموں وکشمیر کی اردو شاعری کا انتخاب ہے۔ اس لحاظ سے اس انتخاب کا مختلف رنگوں سے آمیز ہونا ایک قدرتی امر ہے''۔ [۱۱]

اس خصوصی نمبر سے جموں وکشمیر میں اردو شاعری کی رفتار اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔ اس رسالے میں جہاں دہلی میں قیام پذیر ترنم ریاض اور صاحبہ شہریار کی منظومات شامل ہیں وہیں دچھن کشتواڑ کے دورافتادہ گاؤں کے غلام نبی غافلؔ کی تخلیقات دیکھنے کو ملتی ہیں اس طرح مختلف مذاہب، جنس اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے شعراء کا کلام اس میں موجود ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو آج بھی ریاست جموں وکشمیر میں رابطے کی واحد زبان ہے۔

''شیرازہ اُردو'' کے خصوصی نمبروں سے شیرازہ کا معیار بہت بلند ہوا ہے اگر شیرازہ کے خصوصی نمبرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو ایک مستند مقالہ بن جائے گا کیوں کہ ''شیرازہ'' اور ''ہمارا ادب'' کے خصوصی نمبرات اتنے ضخیم اور معیاری ہیں کہ یقیناً تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی جاسکتی ہے۔ بقول عبدالرحمٰن مخلصؔ:

> ''شیرازہ'' نے چند برسوں سے ''خاص نمبرات'' شائع کرنے کی رسم پیدا کی ہے وہ نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ قابل دیدوداد بھی۔ کیوں کہ ان ہی خاص

---

[۱۱] شیرازہ اردو، گولڈن جوبلی نمبر، ص ۱۱۰

نمبرات کے سنجیدہ مطالع سے اردو زبان کا کوئی بھی طالب علم اردو کی ایک مستند تاریخ یا تذکرہ مرتب کر سکتا ہے یا کوئی تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے میں خاصی مدد پا سکتا ہے''۔ ۱۲؎

ان خصوصی نمبرات کو شائع کرنے کی روش اور روایت اگر مستقبل میں بھی قائم رہی تو اردو زبان کو اپنی آخری پناہ گاہ میں کبھی بھی ''آخری آرام گاہ'' نہیں بنایا جا سکتا۔ ''شیرازہ'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ رسالہ وادیِ کشمیر کے آئین میں درج مختلف زبانوں میں بھی شائع کیا جاتا ہے جیسے کشمیری، گوجری، پہاڑی، لداخی، ڈوگری، ہندی، پنجابی وغیرہ ان زبانوں میں بھی ''شیرازہ'' شائع ہو رہا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''شیرازہ اردو'' کے ذریعے سے وادیِ کشمیر کی ثقافت اور کلچر کو کتنا فروغ ہو رہا ہے۔

ریاست کی ثقافت کی ماہیت، وسعت، رنگارنگی اور سیکولر وحدت کو ایک مربوط انداز میں منظر عام پر لانے کے لیے ''ثقافت نمبر'' جیسا یادگار نمبر مرتب کیا گیا۔ اس نمبر کو پڑھنے سے یہاں کی ثقافت، کلچر، تہذیب اور قومی یکجہتی کا منظر خود بخود سامنے آ جاتا ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل مضامین، مقالات کی فہرست دیکھئے:

نمبر شمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱	ہمارا ثقافتی وفد	شمیم احمد شمیم	جلد ۱ شمارہ ۴
۲	ہمارے ثقافتی اور تاریخی شعور پر ٹیگور کے اثرات	عابد بشاوری (شیام لال کالرا)	جلد ۲۶ شمارہ ۱۱
۳	پہاڑی زبان اور لوگ	موتی لال ساقی	جلد ۲۷ شمارہ ۵-۴
۴	کشمیر۔ ریشیت اور تصوف	مرغوب بانہالی	جلد ۱۸ شمارہ ۲-۱
۵	جموں کی پہاڑی تہذیب اور یونانی بودھ اثرات	جوتیشور پتھک	جلد ۱۸ شمارہ ۲-۱
۶	عربی سماج میں ہندی اثرات	سلمان شمس ندوی	جلد ۱۰ شمارہ ۶
۷	ہندوستانی قومیت کے اجزائے ترکیبی	علی جواد زیدی	جلد ۵ شمارہ ۱
۸	کشمیر کا ریشی مسلک، تہذیبوں کا سنگم	شیام لال سادھو	جلد ۵ شمارہ ۱
۹	اسلام اور مشترکہ قومیت کا تصور	غلام رسول نازکی	جلد ۵ شمارہ ۱
۱۰	ہندوستان۔ امیر خسرو کی نظر میں	صباح الدین الرحمٰن	جلد ۵ شمارہ ۱

۱۲؎ شیرازہ اردو، گولڈن جوبلی نمبر، ص ۹۸

نمبر شمارہ	عنوان	مصنف	حوالہ
۱۱	ہماری سیاسی اور اقتصادی قدریں	موتی لال مصری	جلد۵ شمارہ،۱
۱۲	سوشلسٹ سماج اور متحدہ معاشرہ	پریم ناتھ در	جلد۵ شمارہ،۱
۱۳	ہندوستان کا دستور، سیکولرازم کا مظہر	شہباز حسین	جلد۵ شمارہ،۱
۱۴	اردو کلچر	علی محمد لون	جلد۶ شمارہ،۵
۱۵	ہندوستانی رقص میں قومی یکجہتی	عرش ملیسانی	جلد۱۳ شمارہ،۶۔۴
۱۶	لداخ۔تہذیب وثقافت۔ایک کارنامہ	ولی محمد اسیر کشتواڑی	جلد۴۵ شمارہ،۱۱۔۸
۱۷	نیشنل میوزیم۔ہندوستان کی قدیم تہذیب کا آئینہ	ایم۔ایس۔شاہنواز	جلد۱۴ شمارہ،۶۔۵
۱۸	دکنی ادب میں قومی یکجہتی کی روایت	وقار خلیل	جلد۲۴ شمارہ،۱
۱۹	امیر خسرو اور قومی یکجہتی	علقمہ شبلی	جلد۲۱ شمارہ،۱۰
۲۰	پنجابی غزل پر اردو کا اثر	نریش	جلد۱۰ شمارہ،۶
۲۱	دردستان میں مسلمانوں کا ادب	جعفر رضا	جلد۴۲ شمارہ،۳۔۲
۲۲	ادب اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی	محبوب راہی	جلد۴۲ شمارہ،۱۰
۲۳	اردو زبان اور رواداری	منیر اقبال	جلد۳۵ شمارہ،۱۲۔۷
۲۴	حمد ومناجات کہنے والے ہندی شعراء	انیس چشتی	جلد۳۵ شمارہ،۱۲۔۱۱
۲۵	پنجابی شاعری میں سیکولر نظریہ	سیوا سنگھ	جلد۵ شمارہ،۱
۲۶	ہندی ادب میں سیکولر رجحانات۔ایک تاریخی جائزہ	رتن لال شانت	جلد۵ شمارہ،۱
۲۷	اردو شاعری پر ہندو تہذیب کا اثر	سید فضل امام رضوی	جلد۱۰ شمارہ،۳
۲۸	اردو ادب کا سیکولر مزاج	جگن ناتھ آزاد	جلد۵ شمارہ،۱
۲۹	اردو شاعری کی ہندوستانی روح	زرینہ ثانی	جلد۴ شمارہ،۶
۳۰	ہندی ادب میں مسلمانوں کا حصہ	نظام الدین	جلد۱۰ شمارہ،۶
۳۱	اردو ادب اور قومی یکجہتی	مسعود حسن خان	جلد۱ شمارہ،۳
۳۲	قومی یکجہتی اور مصنف کا فرض	جے۔ایل۔کول	جلد۳ شمارہ،۵
۳۳	ہندوستانی تہذیب اور گوجر	موتی لال ساقی	جلد۲۳ شمارہ،۷۔۶

بہرکیف ''شیرازہ'' بظاہر ایک عام اور سیدھا سادہ سا لفظ ہے اور پیش با افتادہ بھی ،لیکن بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ ''شیرازہ'' اس فیتے یا مضبوط دھاگے کو کہا جاتا ہے جو کتاب کی خبر بندی کرنے کے لئے اُس کی پشت پر لگایا جاتا ہے۔ دھاگہ کتاب کے تمام اجزاء کو باہم پیوست اور منسلک رکھتا ہے یہ شیرازہ ہی ہوتا ہے جو کسی کتاب کو بکھرنے سے روکتا ہے۔ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو ''شیرازہ'' اردو نے نہ صرف کشمیر کے اردو لکھنے والوں کو ایک دھاگے میں پرو لیا بلکہ ملکی سطح پر بھی محبانِ اردو کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا جہاں سے انھوں نے نہ صرف سارے برصغیر سے خطاب کیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اردو زبان و ادب کی نمائندگی کی ۔ یہ رسالہ اپنا ایک الگ اور منفرد قیام بناتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے برصغیر کے اردو رسائل میں بے مثال نام کمایا ہے جب شیرازہ اردو کے حوالے سے میں نے شیرازہ کے موجودہ مدیرِ اعلیٰ محمد اشرف ٹاک سے ''شیرازہ'' کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا:

''شیرازہ'' اُردو ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے جو کشمیر میں اردو زبان کی آئینہ دار ہے''۔ ۱۳؎

یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں ہوگا کہ قابل تعریف ہیں وہ لوگ جنھوں نے ''شیرازہ'' کے پیڑ کو لگایا، سینچا اور اس پودے کی نگہداشت کی جو کچھ ہی عرصے میں ایک تناور درخت بن گیا۔ جس کی وجہ سے ''شیرازہ'' نے کشمیر میں اردو ادب کو نہ صرف زندہ رکھا ہے بلکہ اس کو وہ مقام عطا کیا ہے جس کی مثال رہتی دنیا تک زندہ رہے گی ۔ یوں تو بے شمار اردو جریدے منصۂ شہور پر آئے لیکن جو شرف ''شیرازہ'' کو حاصل ہوا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ''شیرازہ اردو'' اور ''ہمارا ادب اردو'' کی جو ادبی و علمی خدمات ہیں اس کو اجاگر کرنے کے لیے ایک تحقیقی مقالے کی ضرورت ہے۔ بس ان رسالوں کی خدمات کا ذکر اس شعر کے ذریعہ کرنا چاہتا ہوں ۔ بقول جمیل انورؔ

شرف ہر قطرہ شبنم کو یوں حاصل نہیں ہوتا
نگاہ مہر ہم جس پر وہی دُردانہ بنتا ہے ۱۴؎

۱۳؎ انٹرویو زخور مورخہ ۱۵؍ جون ۲۰۱۳ء

2. سالنامہ ''ہمارا ادب'' کے ادبی مقام کا تعین قدر:

اردو زبان پورے ہندوستان میں صرف جموں کشمیر کی ریاستی زبان ہے۔ اس زبان کی ترقی وترویج میں ریاستی کلچر اکیڈمی کا نام سنہرے حروف سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔ اکیڈمی ریاست کی تمدنی اور ادبی وراثت کے احیاء نو اور خاص کر اردو ادب کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کام کر رہی ہے، اکیڈمی کے زیر اہتمام کل ہند مشاعروں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے ادبی سمینار منعقد ہوتے رہے ہیں اس بلند پایہ علمی وادبی ادارے نے اپنے قیام کے دوران اردو ادب کے لیے تاریخ ساز کام کیے ہیں۔ اکیڈمی نے اپنے قیام کے ایک سال بعد ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ ''ہمارا ادب'' سالانہ شائع کیا جو ریاست کے ادیبوں اعلیٰ شخصیات جو ریاست کے ساتھ منسلک رہے ہوں یا ریاست سے باہر گئے ہوں ان کی نگارشات کو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ۱۹۵۹ء میں سالانہ رسالہ کی پہلی جلد منظر عام پر آئی۔

اس رسالے میں ریاست کے مقیم اور باہر کے ادیبوں اور کسی بھی غرض سے آئے ہوئے دانشوروں، شاعروں اور اہل قلم کی تحقیقی وتنقیدی تخلیقات شامل ہوتی رہتی ہیں۔ اردو کے اس ادبی رسالے ''ہمارا ادب'' سالانہ کی ادبی خدمات کے بارے میں ڈاکٹر اسد اللہ وانی رقم طراز ہیں:

> ''اکیڈمی ہر سال سالنامہ کے طور پر ایک ضخیم کتاب (ہمارا ادب) کے نام سے شائع کرتی ہے اس رسالے میں صرف ریاستی اور ریاست میں مقیم باہر کے ادیبوں کی بہترین تخلیقات شامل ہوتی ہیں ''ہمارا ادب'' کے یہ خاص نمبر ریاست سے متعلق تحقیق کرنے والوں کے لئے دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں''۔ [۱۴]

ریاست جموں وکشمیر میں کثیر تعداد میں اردو رسائل نکلتے ہیں ہر رسالے کی اپنی انفرادی اہمیت ہے مگر ان تمام رسالوں میں ''شیرازہ'' اردو جو اکیڈمی سے نکلتا ہے کو پہلا مقام حاصل ہے لیکن اس رسالے کی سال بھر کی اہم تخلیقات کو ''ہمارا ادب'' سالانہ میں شائع کیا جاتا تھا ۱۹۷۵ء سے اس رسالے کے خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو اب تک جاری ہیں ان خصوصی نمبروں میں خاص موضوعات پر مضامین لکھوا کر اور انھیں یکجا کر کے ان اعلیٰ ادبی مضامین کو ''ہمارا ادب'' میں شائع کیا جاتا ہے ان خصوصی اشاعتوں کی اہمیت

---

۱۴ محمد اسد اللہ وانی، ساز کی لیے تیز کرو، ص ۱۰۹

اپنے مواد کے حوالے سے مسلمہ ہے اوران کی دستاویزی حیثیت سے انکارممکن نہیں کہ ریاست کی زبانوں، ثقافت اور تمدن سے متعلق تحقیق کرنے والے حضرات اس رسالے میں شامل موادکواپنی دستاویزی حیثیت کی بناء پر بھرپوراستفادہ کرسکتے ہیں۔

اس رسالے میں تحقیقی وتنقیدی مقالات بھی شائع کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے اکیڈمی کے شائع شدہ رسالوں میں ''ہمارا ادب'' سالانہ کو اہم مقام حاصل ہے۔اس رسالے کی خدمات اور مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے ایم فل کا کام اس رسالے پر کیا۔امید ہے کہ ''ہمارا ادب'' کا اشاریہ تحقیق کرنے والوں کے لیےایک پل کی حیثیت ثابت گا۔

اس رسالے(ہماراادب) کے پہلے مدیرحامدی کاشمیری ہیں۔یہ رسالہ پہلی بار۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ اس رسالے کے بارے میں حامدی کاشمیری رقم طراز ہیں:

> ''ہم نے ماضی میں بھی اردو زبان وادب کی تعمیر وترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے، اس زبان کے شعروادب میں ناقابل فراموش تخلیقات پیش کی ہیں ہم نے کئی شعراء اور ادباء پیدا کئے ہیں جنھوں نے شعروادب کونئی زندگی توانائی اور وسعت دے دی ہے۔ہم یہاں ان فنکاروں کے نام گنوانا یا اُن کے کارناموں کا جائزہ لینانہیں چاہتے یہ کام تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ آج ادبی دنیا میں ہماری حیثیت کیا ہے اور ہم کیا کچھ کر رہے ہیں۔اور آج جب کہ ریاست کی سبھی زبانوں کی ادبی تواریخ ایک نئے اوراہم موڑ سے گزر رہی ہے ایک ایسے موڑ سے جہاں سے نئی اور روشن منزلوں کے نشان نظر آرہے ہیں۔ اردو زبان وادب بھی دوسری زبانوں کے دوش بدوش، احیاء اور ترقی کی نئی رفعتوں کے خواب دیکھ رہا ہے، ہم اپنی پلکوں پرعزم ویقین کے چراغ جلائے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ہم اپنی ادبی اور ثقافتی قدروں کوحسن جاوداں عطا کرنا چاہتے ہیں، ہم اس موقع پر انتہائی مسرت کے ساتھ کلچرا کادمی کی طرف سے یہ سالانہ انتخاب نظم ونثر(۱۹۵۹ء)پیش کررہے ہیں۔یہ انتخاب اب ایک آئینہ ہے۔اس میں آپ ہماری ادبی شخصیت کے خدوخال دیکھ سکتے ہیں۔

اس انتخاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ریاست کے ادیبوں اور شاعروں کی سال رواں کی بہترین تخلیقات شامل ہیں۔ ہمارا مقصد ہے کہ کشمیر کے ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کی خوبصورت اور معیاری نگارشات کو ہندوستان کے ادبی حلقوں تک پہنچائیں۔ اس مجموعہ میں وہ اہل قلم بھی آپ کو نظر آئیں گے جو سلسلہ ملازمت ریاست میں قیام پذیر ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں سے وہ اتنے قریب رہے ہیں کہ اب من دیگر تو دیگر کا سوال ہی نہیں''۔ ۱۵؎

۱۹۶۲ء میں محمد یوسف ٹینگ ''ہمارا ادب'' کے مدیر بنے ان کے بعد عبدالرشید ناز کی ان کے بعد محمد احمد اندرابی اور آج کل محمد اشرف ٹاک مدیر ہیں۔ عبدالرشید ناز کی کے زمانہ ادارت میں فیصلہ کیا گیا کہ پرانی روش ترک کر کے خاص موضوعات پر مضامین لکھوا کر اور انہیں جمع کر کے ''ہمارا ادب'' میں شائع کیے جائیں۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی اشاعت ''لوک ادب نمبر'' (۱۹۷۶-۱۹۷۵ء) تھا اس نمبر میں ریاست کی ثقافت یہاں کے تمدن اور کچھ دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ناز کی صاحب کی ادارت میں 'مشاہیر نمبر'' (۷۷-۱۹۷۶ء) اور (۸۸-۱۹۷۷ء) بھی شائع کیا گیا ''مشاہیر'' نمبر میں ریاست کی ان اہم شخصیات پر مضامین لکھوائے گئے ہیں۔ جنھوں نے ریاستی تمدن، ثقافت، شعروادب، سیاست اور دیگر شعبوں میں کارہائے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔

چونکہ خاص موضوعات کے لیے مخصوص کرنے کے فیصلے سے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے تھے اس لیے اس سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے اسے آگے بڑھایا گیا۔ محمد احمد اندرابی کے زمانہ ادارت میں ''انتخاب شیرازہ'' نمبر شائع ہوا۔ اس نمبر میں ''شیرازہ'' ماہنامہ کے پہلے شمارے سے ۱۹۷۷ء تک کے شماروں سے اہم تخلیقات کا انتخاب پیش کیا گیا ہے یہ ''انتخاب شیرازہ'' ۸۸-۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔

''ہمارا ادب'' جموں وکشمیر نمبر ۷۹-۱۹۸۰ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس نمبر میں جموں وکشمیر کا موضوع اس لیے منتخب کیا گیا کہ اس کے تحت ریاست کی تینوں اکائیوں کے عوام کی زندگی، رہن سہن، تمدن

۱۵؎ 'ہمارا ادب' سالانہ رسالہ ۱۹۵۹ء حرف اول، ص ۹

وثقافت، شعر وادب، یہاں کے حیوانات، نباتات، جنگلات غرض ہر پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہمارا ادب جموں وکشمیر نمبر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

محمد احمد اندرابی کے زمانہ ادارت میں (شخصیات نمبر) ۸۵-۱۹۸۴ء شائع کیا گیا۔ کشمیر زمانہ قدیم سے نہ صرف یہ کہ روحانیت کا ایک مرکز رہا ہے بلکہ عرفان وآ گاہی، علم وادب، شعر وسخن اور دیگر فنون لطیفہ کا گہوارہ بھی رہا ہے۔ اس سرزمین نے مختلف ادوار میں ایسے ایسے باکمال عالموں، فاضلوں، سخنوروں، مورخوں، دانشوروں، مفکر اور دیگر اہل فنون کو جنم دیا جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے نہ صرف تہذیب وادب کے گلستانوں کو سینچا اور سنوارا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی ہر محاذ پر منوایا ہے ''شخصیات نمبر'' اس غرض سے نکالا گیا تاکہ وادی کے نادر اشخاص کا تعارف کروایا جائے اس نمبر میں نہ صرف غیر ریاستی باشندے بلکہ غیر ملکی باشندے بھی شامل ہیں جنھوں نے کشمیر کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ''ہمارا ادب'' کا ''شخصیات نمبر'' بھی پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۹۰ء میں ''اولیاء نمبر'' شائع کیا گیا اس کی پانچ جلدیں ہیں پہلی تین جلدوں کے مدیر محمد اندرانی اور دوسری جلدوں کے مدیر محمد اشرف ٹاک رہے (ہمارا ادب اولیاء نمبر) اولیا نمبر شائع کرنے کا مقصد اولیائے کشمیر کی تصانیف اور ان کی زندگی، حیات وادبی کارناموں کا احاطہ کرنا تھا۔ کیونکہ کشمیر زمانہ قدیم سے ہی روحانیت کا اہم مرکز رہا ہے یہی وجہ ہے کشمیر کو (پیرواری) یعنی پیروں، ولیوں کی وادی کہتے ہیں۔ ان اولیائے کرام کا علم وادب، مذہب وثقافت اور تاریخ میں اہم مقام ہے۔ ان ہی پہلوؤں سے روشناس کرانے کے لیے اولیا نمبر کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

ہمارا ادب کا ''اولیاء نمبر'' ترتیب دینے کی حوصلہ افزائی اور اس کی مانگ بڑھ جانے کے بعد ۱۹۹۸ء میں ایک ضخیم کتاب ''اولیائے کشمیر'' نمبر شائع کی گئی یہ 'ہمارا ادب اولیائے کشمیر' ۵۸۵ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے اس میں دو سالوں کا مواد اور ''اولیائے نمبر'' کے کچھ مضامین شامل ہیں۔

کشمیر اپنی خوبصورتی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے لیکن یہ سرزمین صوفیوں، علماء اور بزرگان دین کی آماجگاہ بھی ہے۔ اس لیے اس وادی کو ریشیوں، منیوں کی پھلواری بھی کہا گیا ہے اس گلپوش وادی کے ہر حصہ میں ان اولیاء نے علم وعرفان کی وہ شمعیں روشن کیں جو کبھی بجھ نہیں سکتیں۔ ان محسنوں کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا ذکر کرنے کی غرض سے یہ رسالہ (اولیاء کشمیر) شائع کیا گیا۔

11 / جون ۱۹۹۹ء کو ''جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز'' سری نگر نامساعد حالات کی وجہ سے آگ کی نذر ہوگئی۔ جس سے اکیڈمی سے شائع ہونے والا رسالہ ''ہمارا ادب'' کی اشاعت بند ہوگئی۔ آگ کی اس بھیانک واردات کی وجہ سے اکیڈمی بہت بری طرح متاثر ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۶ء تک ''ہمارا ادب'' شائع نہ ہوسکا۔

اس سلسلے میں راقم الحروف نے ''ہمارا ادب'' کے آج کل کے مدیر محمد اشرف ٹاک سے بات کرکے ''ہمارا ادب'' کے بند ہونے کی مزید وجوہات جاننے کی کوشش کرکے ان کے تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ بقول محمد اشرف ٹاک:

> ''آٹھ سال ''ہمارا ادب'' شائع نہ ہونے کی وجہ نامساعد حالات ہیں جب گیارہ جون ۱۹۹۹ء کو اس ادارے کو جلا دیا گیا تو اکیڈمی کو بند کرنا پڑا یہاں تک کے اکیڈمی کے بورڈ کو بھی اُٹھا کر رکھنا پڑا۔ اکیڈمی کی آفس لائبریری بھی آگ کی نذر ہوگئی پھر اکیڈمی کی تعمیر از سرنو کرنی پڑی اور جو کچھ بچ گیا تھا اُسی پر اتفاق کرنا پڑا یہی وجہ تھی کہ ''ہمارا ادب'' شائع نہ ہوسکا''۔ [۱۶]

اگرچہ پھر ۲۰۰۷ء ''ہمارا ادب'' منصۂ شہود پر آیا۔ لیکن اس کے ایک سال بعد وادی کشمیر کی ابتر صورتحال کی وجہ سے ۲۰۰۸ء میں پھر یہ رسالہ شائع نہ ہوسکا۔

کشمیر میں نامساعد حالات کا اثر ہر چیز پر پڑتا ہے ایسے ہی علم وادب پر بھی ابتر صورت حال کے برے اثرات پڑتے ہیں اور ہر فرد اس کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ ریاست کے بابائے افسانہ نگاری ''پریم ناتھ پردیسی'' نے ان مسئلہ جات کو نہایت خوبصورتی اور مہارت سے پیش کیا ہے خود پریم ناتھ پردیسی نے کہا ہے:

> ''کشمیر کا ہر بدنصیب باشندہ بذات خود ایک افسانہ ہے جس کی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں دی...... یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ غلامی ہے، افلاس ہے، شخصی حکومت ہے''۔ [۱۷]

---

[۱۶] انٹرویو از خود، بمقام کلچرل اکیڈمی آفس، سری نگر، ۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۰ء

[۱۷] بازیافت جشن زریں نمبر، کشمیر یونیورسٹی، شعبہ اردو، ص ۱۴۴

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کشمیر نے تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں بھی علم وادب کی قندیل روشن رکھی جب کہ حالات بے حد ناموافق و ناسازگار تھے لیکن اپنی مساعی سے کاروانِ تہذیب وادب کو تازہ دم رکھا اور رواں دواں رہا اور چراغ سے چراغ جلتا رہا۔اس روایت کو برقرار رکھا گیا ۲۰۰۷ء میں (ہمارا ادب کا دوڑہ نمبر) شائع کیا گیا۔

ریاست جموں وکشمیر کے دیگر اضلاع کے برعکس ایک کثیر اللسانی ڈوڑہ ضلع ہے یہ علاقہ نہ صرف اپنے قدرتی مناظر کے لیے مشہور ہے بلکہ تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے محققین کے لیے خاص توجہ کا مرکز رہا ہے آثار قدیمہ ماقبل تواریخ کی عبادت گاہیں لوک روایات اور اس خطے سے وابستہ مشہور ناگ پوجا، سب ہی اس ضلع کو ثقافتی اعتبار سے منفرد بناتے ہیں ان چیزوں کو منظر عام پر لانے کی غرض سے (ہمارا ادب کا ڈوڑہ نمبر) شائع کیا گیا۔

۲۰۰۹ء میں ''ہمارا ادب'' کا مولانا رومی نمبر شائع کیا گیا اس نمبر میں مولانا رومی کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اس نمبر کے مدیر محمد اشرف ٹاک لکھتے ہیں:

> ''ہمارا ادب'' کا زیر نظر شمارہ مولانا جلال الدین رومی کی نذر ہے جنھیں ہماری ثقافتی زندگی میں ایک بہت ہی اہم مقام حاصل رہا ہے۔ہمارے ہاں روزمرہ کی گفتگو و مواعظ کی مجلسوں، محاوروں، تلمیحات، داستانوں مختلف اصنافِ سخن حتی کہ مباحثوں میں بھی مثنوی مولانائے روم کی جلوہ سامانیاں جابجا نظر آتی ہیں اور یہ سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے''۔ ۱۸؎

مولانا رومی کے مرید اور ان سے بے حد متاثر شاعر مشرق علامہ اقبال اُن کے بارے میں مختصراً یوں کہتے ہیں ؎

نہ اُٹھا کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی

۱۸؎ 'ہمارا ادب' سالانہ رسالہ ۲۰۰۹ء حرف اول، ص ۱۱

اس رسالے ''ہمارا ادب'' سالانہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ رسالہ اردو زبان کے علاوہ ہر زبان میں شائع ہوتا ہے کشمیری زبان میں ''سون ادب'' گوجری زبان میں ''مارو ادب'' پہاڑی زبان میں ''استہ ادب'' اور پنجابی زبان میں ''ساڑھ ادب'' وغیرہ اسی طرح دوسری زبانوں میں بھی اجرا کیا جاتا ہے جو ریاست کے آئین میں درج ہیں۔

جب یہ رسالہ پہلی بار شائع ہوا تو اس کی قیمت صرف چار روپے تھی۔ یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے لیکن اب اسی رسالے کی قیمت ایک سو روپے ہے اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وقت کی برق رفتاری کے ساتھ ساتھ اپنے معیار کو بھی کتنا بلند کیا ہے اس رسالے کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پوری ریاست کے ادبی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے اسی سلسلے کی مزید وضاحت کے لیے جب راقم الحروف نے اس رسالے کے نام اور ادبی مقام کے بارے میں سابقہ مدیر محمد احمد اندرابی سے پوچھا تو اُن کا کہنا تھا:

> ''اس رسالے کو نکالنے کی غرض وغائیت یہ تھی کہ ریاست جموں وکشمیر کے ادیبوں اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہو اور باقی ریاستوں میں اس رسالے کی کاپیاں جائیں تاکہ یہاں کے ادیبوں اور قلم کاروں سے بیرون ریاست لوگ متعارف ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے ادب اور ثقافت سے بھی متعارف ہو جائیں۔ خصوصاً ریاست میں اردو ادب کی ترویج ہو اس رسالے کا نام (ہمارا ادب) اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ تخلیق ریاست کے ادیبوں کی شامل کی جاتی ہیں اسی بناء پر اس رسالہ کا نام ''ہمارا ادب'' ہے''۔ [۱۹]

وقت کی برق رفتاری اور نامساعد حالات کے باوجود یہ سالانہ اردو رسالہ نے اپنے علمی و ادبی تحقیقی مزاج کو قائم رکھنے میں کامیاب رہا ہے۔ اس میں ریاستی ادیبوں کی بہترین نگارشات شامل اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کے نامور ادیبوں اور شاعروں کی نمائندہ تخلیقات بھی اس رسالے کے اوراق کی رونق بنتی رہی ہیں لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ریاستی کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والا یہ اردو رسالہ ریاست میں اور بیرون

---

[۱۹] انٹرویو از خود، بمقام اُن کے گھر، مورخہ ۵/دسمبر ۲۰۱۰ء

ریاست اکیڈمی کا ترجمان اور اس کی شناخت ہے تو بے جا نہ ہوگا اس کے علاوہ اس رسالے کا ایک اہم اور منفرد مقام ہے ''ہمارا ادب'' کی ادبی خدمات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کشمیر کے معروف اردو شاعر اور ادیب فاروق نازکی یوں رقم طراز ہیں:

> ''گذشتہ بیس برسوں کے دوران جو انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں ''ہمارا ادب'' ان ساری تبدیلیوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ قدم سے قدم ملا کر چلتا رہا بلکہ اپنے لیے منفرد جگہ بھی بنائی۔ اس رسالے کو ''نقوش'' شاعر'' ذہن جدید'' اور دوسرے رسائل جو برصغیر میں چھپتے ہیں ہم پلہ سمجھنے میں ہمیں کوئی شرم نہیں ہوگی۔ اور بعض مقامات پر یہ ان سے بھی بازی لے گیا۔ تنقیدی نظریہ میں جو تبدیلی آئی اور ایک سائنسی نظر اپنائی گئی ''ہمارا ادب'' اس کا ترجمان و غماز ہے''۔ [۲۰]

یہاں پر اس بات کا ذکر کرنا ضروری بنتا ہے کہ ''ہمارا ادب'' کے ۱۹۷۵ء تک کے تمام شماروں میں اردو ادب کے دونوں اصناف نثری اور شاعری برابر شائع ہوتے تھے مگر ۱۹۷۵ء کے بعد صرف دو شمارے ''ہمارا ادب'' کے ایسے ہیں ''شیرازہ انتخاب نمبر'' اور ''ڈوڑہ نمبر'' جن میں نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی شامل ہے باقی تمام شماروں کے خصوصی نمبر ہیں جن میں صرف نثری اصناف کو شائع کیا گیا ہے اس بات کی مزید وضاحت اکیڈمی کے سابقہ مدیر ڈاکٹر رشید نازکی یوں کرتے ہیں:

> ''اب تک ''ہمارا ادب'' ریاست میں لکھی گئی اردو تخلیقات کا ایک گلدستہ ہوا کرتا تھا۔ رسائل کے فقدان کی وجہ سے تخلیقات کے انتخاب کا وہ مقصد پورا نہ ہوتا تھا جو مقصد اس قسم کے سالانہ مجموعے کے اشاعت کا متحرک تھا۔ چنانچہ اس سالانہ مجموعے کو زیادہ کارآمد اور دلچسپ بنانے کے لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ کسی خاص موضوع کو لے کر مختلف پہلوؤں اور جہتوں کو زیر بحث لایا جائے تا کہ اس مجموعے کو ایک دستاویزی اہمیت حاصل ہو اور اس کی معنویت اور افادیت میں اضافہ ہو سکے۔

---

[۲۰] ''شیرازہ ماہنامہ'' ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۷ء

زیر نظر شمارے کے لئے ہم نے ''کشمیری لوک ادب'' کے موضوع کا انتخاب کیا ہے، چنانچہ اس مجموعے میں اسی موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے''۔ ۲۱

اس رسالے کے تمام شماروں میں زیادہ تر تحقیقی مقالات ہیں یہ مقالات اردو ادب کو تنوع عطا کرنے اور اسے ہمہ گیر بنانے کے لیے بے حد قیمتی ہیں ان مقالات کا مقصد قارئین اردو کو ادب کے تمام اصناف، آرٹ، ثقافت، تاریخ، شخصیات اور کلچر کے عصری رویوں، رجحانات اور دیگر سرگرمیوں سے واقف کرنا ہے جیسا کہ اس رسالے کے نام سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ گویا ''ہمارا ادب'' ایک اسم با مسمیٰ رسالہ ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا ادب بڑی زبان کا ایک زندہ رسالہ ہے جو زبان و ادب، ثقافت کلچر اور تاریخ کا ترجمان ہے۔

'ہمارا ادب' میں چھپنے والے مقالات سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس رسالے کا معیار کیا ہے چند مقالات نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	عنوان	مصنف	جلد	سال اشاعت	صفحہ نمبر
۱	آندھی میں چراغ: ایک تبصرہ	پروفیسر بلقیس مظہر اللہ		۱۹۶۵	۸۱
۲	اردو زبان اور فارسیت	ڈاکٹر گیان چند		۱۹۷۳	۱
۳	اردو زبان اور تذکرہ نگاری	نشاط انصاری		۱۹۷۴	۴۶
۴	اردو افسانہ ہندوستان میں	سید احتشام حسین		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	
۵	اردو شاعری کے نئے رجحانات (جموں وکشمیر میں)	حامدی کاشمیری		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۱۰۵
۶	اسلام میں تصور جمال	میر غلام رسول نازکی		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۷۷
۷	اقبال اور فکر مغرب	جگن ناتھ آزاد		۱۹۷۳	۱۶
۸	ادب کی رومانیت کے سرچشمے	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن		۱۹۶۵	۴۳
۹	اردو زبان میں طنز و مزاح	ڈاکٹر حیدری	۴	۱۹۶۵	۶۷
۱۰	ایک علامت: عمارت	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن		۱۹۶۹	۳۳

---

۲۱ ہمارا ادب ''لوک ادب نمبر''، ۱۹۷۵ء پیش گفتار، ص ۵

نمبر شمار	عنوان	مصنف	جلد	سال اشاعت	صفحہ نمبر
۱۱(ب)	''بدیابلاس''، کشمیر کا پہلا اردو ہندی مشترک اخبار	نادم سیتاپوری		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۲۰۰
۱۲	بطل حریت سید جمال الدین افغانی کشمیر میں آمد: ایک انکشاف	عشرت کاشمیری		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۱۸۰
۱۳	بودھ مسلم اتحاد: چند تاریخی حقائق	عبدالغنی شیخ		۱۹۷۴	۵
۱۴(پ)	پریم چند اور عورت: اظہار کے آئینہ میں	مشعل سلطان پوری		۱۹۷۰	۱۶
۱۵	پریم ناتھ پردیسی اور اس کا تخلیقی ذہن	پروفیسر عبدالقادر سروری		۱۹۶۹	۸
۱۶(ت)	تحقیق کے تقاضے	ڈاکٹر گیان چند		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۲۱
۱۷(ج)	جاوید نامہ: اقبال کی ذہنی بغاوت	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۶۶
۱۸	جموں کشمیر میں اردو افسانے کے نئے افق	محمد اسد اللہ وانی		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۳۴۱
۱۹(ح)	حضرت شیخ العالم خلفاء کے جھرمٹ میں	عبدالغفار متو مجبورؔ		۱۹۷۳	۷۹
۲۰(ڈ)	ڈوگری شاعری میں انسانی دوستی کی روایت	نیلا مبر دیو شرما		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۹۲
۲۱(ر)	ریاست میں سنسکرت ادب کا ارتقاء	اننت رام شاستری		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۱۷۲
۲۲(ش)	شبلی کی قومی شاعری	ڈاکٹر عبدالودود		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۳۷
۲۳(ف)	فن خطاطی کا عروج و زوال	پیر محمد افضل مخدومی		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۲۹۸
۲۴	فکر غالب میں ہندوستانی عنصر	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۶۹	۲۰
۲۵(ک)	کرشن چندر اور اُس کے افسانے	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن	۴	۱۹۶۵	۱۹
۲۶	کشمیر احسنؔ کی نظر میں	ڈاکٹر سلطانہ طاہرہ قریشی		۱۹۷۰	۵
۲۷	کشمیر کے قدیم باشندے: روایات اور افسانے	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۶۵	۴۱
۲۸(گ)	گلشن ہفت رنگ	پروفیسر عبدالقادر سروری		۱۹۶۵	۹
۲۹	گوجری زبان و ادب	وسیم اختر		۱۹۷۸۔۱۹۷۹	۲۹۰
۳۰	لداخی زبان: ایک تعارف	عبدالغنی شیخ		۱۹۷۳	۵۷
۳۱(م)	منٹو کے خطوط	برج پریمی		۱۹۷۴	۲۱
۳۲	مرزا دبیرؔ کی جذبات نگاری	محمد زمان آزردہ		۱۹۷۴	۳۱
۳۳	مزاح اور ادب	ڈاکٹر عزیز احمد قریشی		۱۹۶۵	۵۲
۳۴	میر انیس کے مرثیے: رزمیہ یا المیہ	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۶۵	۶۱

نمبر شمار	عنوان	مصنف	جلد	سال اشاعت	صفحہ نمبر
۳۵	مثنوی سندر بدن اور سالک کشمیری	پروفیسر عبدالقادر سروری	۴	۱۹۶۵	۱۱
۳۶	موازنہ اور اُس کے اصول	پروفیسر محمد ابراہیم	۴	۱۹۶۵	۳۴
۳۷	نئی اُردو شاعری کی تنقیدی اور قاری کے مسائل	ڈاکٹر شکیل الرحمٰن		۱۹۷۴	۷
۳۸(ہ)	ہندوستانی سماج کی تشکیل نو میں ادب کا حصہ	پروفیسر رحمٰن راہی		۱۹۶۵	۱۹
۳۹(ی)	یہ ہماری زبان ہے پیارے	ڈاکٹر گیان چند		۱۹۷۴	۱

نوٹ:

ان تمام مقالات کے آخر پر یا جن صفحات پر مقالے درج ہیں ان صفحات کے نیچے حوالے بھی دیئے گئے ہیں اسی وجہ سے مقالات کو الگ کیا گیا ہے۔

''ہمارا ادب'' سالنامہ میں ان مقالات کے علاوہ لاتعداد مضامین، ۱۹۳ افسانے، ۳۲ کہانیاں اور صرف دو ڈرامہ شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سالنامہ ''ہمارا ادب'' کے شعری اصناف میں ۲۰۷ غزلیں، ۱۱۰ نظمیں، ۳ رباعیات، ایک قصیدہ، ایک مثنوی، ۵ قطعات اور تین نعتیں آج تک شائع ہو چکی ہیں۔

پہلے پہل اس رسالے میں ''شیرازہ'' سے منتخب سال بھر کے مضامین شائع کیے جاتے تھے لیکن اب اس رسالے ''ہمارا ادب'' سالنامہ کے بھی خصوصی نمبر نکلتے ہیں۔ جیسے لوک ادب نمبر، شاہیر نمبر، شخصیات نمبر، جموں کشمیر نمبر، اولیاء نمبر، دوڑہ نمبر، مولانا رومی نمبر اور فیض احمد فیض نمبر قابل ذکر ہیں۔ اس رسالے ''ہمارے ادب'' کے ادبی مقام کے بارے میں ڈاکٹر برج پریمی رقمطراز ہیں:

> ''اکیڈمی ہر سال ایک انتھولاجی ہمارا ادب (اُردو) شائع کرتی ہے جس میں سال بھر کی منتخب چیزیں شائع ہوتی ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے ''ہمارا ادب'' کے کئی جموں وکشمیر نمبر شائع ہوئے ہیں جن کی کشمیریات کے سلسلے میں دستاویزی اہمیت ہے''۔ ۲۲

اس رسالے ''ہمارا ادب'' سالنامہ کی ان ہی ادبی، تہذیبی، تاریخی، ثقافتی اور عصری اہمیت کے پیش نظر میں نے ایم فل کے مقالے کے لیے اپنا موضوع رسالہ ''ہمارا ادب'' کا اشاریہ منتخب کیا اور ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

---

۲۲ ساز کی لے تیز کرو، مقالہ نگار ڈاکٹر برج پریمی (اُردو کی ترویج میں اکیڈمی کا حصہ)، ص ۸۳

3. جموں وکشمیر اکیڈمی سے شائع ہونے والا خبر نامہ ''اکادمی'' و ثقافت کا ادبی مقام:

کلچرل اکادمی کی طرف سے ایک خبر نامہ ''اکادمی'' کے نام سے شائع ہوتا تھا۔خبر نامہ کا اجراء۱۹۷۳ء میں کیا گیا تھا۔خبر نامے کے ذریعے اکادمی کی ادبی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ ناگزیر حالات اور مالی وسائل کی کمی کے باعث اس کی اشاعت ۱۹۷۸ء میں روک دی گئی۔اُس کے بعد پھر اکادمی کے اربابِ اختیار نے دوبارہ شائع کیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۹ء تک چلا اُس کے بعد مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔ یہ خبر نامہ ایک رسالہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔مگر بدقسمتی سے یہ تعطل کا شکار ہو گیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بلا نے جیسے اسے ہڑپ کر لیا ہو۔خبر نامے میں تحقیق و جستجو سے متعلق تاریخی مضامین اور نئی دریافتیں مقبولیت کا باعث بنی تھیں۔اس میں ادبی سرگرمیوں کے علاوہ سرکاری خبروں کا بھی کبھی کبھی جائزہ ہوا کرتا تھا۔اس رسالے میں تمام زبانوں کے متعلق ادبی سرگرمیاں شائع کی جاتی تھیں لیکن رسالے کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ یہ اردو کے فروغ اور ترقی و ترویج میں ادبی دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔سلور جوبلی تقریبات کے موقعہ پر ارباب اختیار نے آئندہ خبر نامہ باقاعدگی سے شائع کرنے کا عہد کر لیا تھا۔لیکن نہ جانے کیوں یہ پھر بے قاعدگی کی نذر ہو گیا جس پر قارئین نے ہمیشہ اپنی برہمی کا اظہار کیا ان ہی باتوں کا اظہار اکیڈمی کی سلور جوبلی سمینار میں ڈاکٹر برج پریمی نے یوں کیا تھا:

> ''اکادمی کی طرف سے گذشتہ برسوں میں (اکادمی) کے نام سے ایک خبر نامہ شائع ہوتا تھا۔ یہ خبر نامہ ریاست میں ہوئی اور ہونے والی ثقافتی اور ادبی سرگومیوں کی مؤثر ڈھنگ سے اطلاعات فراہم کرتا تھا۔اس خبر نامے کو اکادمی کے اربابِ اختیار نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر بند کر دیا ہے۔ ہماری رائے میں اسے ازسرِ نو اجراء کیا جانا چاہئے''۔ ۲۳؎

لوگوں نے ہمیشہ خبر نامہ ''اکادمی'' کے ازسرِ نو اجراء کے لیے درخواست کی لیکن ابھی تک اس طرف دھیان ہی نہیں دیا گیا۔حالانکہ ''خبر نامہ'' عوام میں کافی مقبول ہو چکا تھا۔اس میں شائع ہونے والی تصاویر بہت ہی دلکش اور دیدہ زیب ہوا کرتی تھیں۔ جب راقم الحروف نے اس ''خبر نامہ'' کی بند ہونے کی وجہ اربابِ اکیڈمی سے پوچھی تو انھوں نے کہا کہ مالی مشکلات اور نامساعد حالات کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔

۲۳؎ ''ثقافت''، خبر نامہ، مئی، جون ۲۰۱۳ء

لیکن کہتے ہیں دیر آید درست آید کے مصداق جموں وکشمیر اکیڈمی نے اب ''ثقافت'' نام کا خبر نامہ اجراء کیا ہے۔اس خبر نامہ ''ثقافت'' کا اجراء ستمبر،اکتوبر۲۰۱۲ء میں ہوا۔

یہ ''خبر نامہ'' بالکل اس انداز سے شائع کیا گیا ہے جس طرح کبھی ''اکادمی'' کا خبر نامہ ہوا کرتا ہے۔جس طرح اس کو پذیرائی حاصل ہوئی تھی اس طرح اب لوگ ''ثقافت'' خبر نامہ کو پسند کر رہے ہیں اس خبر نامہ کی بے حد مقبول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں جموں وکشمیر کی ثقافت کو نمایاں طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ۲۵ جون ۲۰۱۲ کو شاعر کشمیر پیرزادہ غلام احمد مہجور کے تقریبات پر وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے کہا تھا:

''کشمیری ثقافت کی خوشبو ملک ہی نہیں پوری دنیا کو مہکائے''۔ ۲۴؎

اس خبر نامہ میں شائع ہونے والی تصاویر بہت ہی دل کش اور دیدہ زیب ہوتی ہیں جن سے کشمیر کی ثقافت کی بخوبی عکاسی ہوتی ہے اور نایاب چیزیں،مخطوطات اور ثقافتی پہلو لوگوں کے سامنے آتے ہیں جس کی وجہ سے جن لوگوں کے پاس یہ خبر نامہ پہنچتا ہے وہ اسے تحفہ کی طرح محفوظ رکھتے ہیں۔

خبر نامہ ''ثقافت'' میں جموں وکشمیر کے مختلف مکتب فکر اور مختلف اکائیوں کی تہذیبی اور تمدنی سرگرمیوں کی مختصر جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔لیکن اب ۲۰۱۲ء سے اکیڈمی کی جانب سے ''ثقافت'' دوماہی خبر نامہ شائع ہو رہا ہے جس میں جموں وکشمیر کی ثقافت کے علاوہ اکیڈمی کی کارکردگی خبریں اور نایاب مخطوطات کی تصویریں پیش کی جاتی ہیں۔اس ''ثقافت'' خبر نامہ میں ان تمام چیزوں کو اُجاگر کیا گیا ہے جو ایک وقت میں ''اکادمی'' ''خبر نامہ'' میں ہوا کرتی تھی جس کی تفصیل اوپر پیش کی گئی ہے۔لیکن اس ''ثقافت'' خبر نامہ میں زیادہ زور ثقافتی پہلوؤں پر دیا جاتا ہے جیسے کہ اس کے نام سے عیاں ہے اس خبر نامہ کے بارے میں اس وقت کے وزیر اعظم اور اس ادارے کے صدر جناب عمر عبداللہ اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ کلچرل اکیڈمی فن، ثقافت اور ادب کی ترقی وترویج کے ساتھ ساتھ ان شعبوں میں ہو رہی سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے دوماہی خبر نامہ ''ثقافت'' شائع کر رہی ہے۔

۲۴؎ ساز کی لے تیز کرو،زبان وادب نمبر،اردو کی ترویج میں اکادمی کا حصہ،ص ۹۱

جموں کشمیر کے تینوں خطے اپنے آپ میں مکمل ثقافتی اکائیاں ہیں اور اپنی رنگا رنگی
کے لیے مشہور ہیں۔ یہ رنگا رنگی مجتمع ہو کر ریاست کو ایک منفرد اور توانا ثقافتی
شناخت عطا کرتی ہے جسے ریاست اور ریاست سے باہر عوام میں متعارف کرانا
اہمیت کا حامل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ''ثقافت'' کی اشاعت سے نہ صرف یہ اہم ضرورت پوری
ہوگی بلکہ اکیڈمی کی سرگرمیوں کا بھی مضبوط احاطہ ہوگا۔

میں اکیڈمی کو اس پہل پر مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔ ۲۵

اس ''ثقافت'' خبر نامہ میں جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کی لسانی، تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے علاوہ بہت ہی دل کش تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں جس کی وجہ سے لوگ اس ''ثقافت'' نامہ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اس رسالے کی اہمیت وافادیت دن بدن بڑھ رہی ہے۔

خبر نامہ ''ثقافت'' کی چند تصویریں دیکھئے جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ یہ ''خبر نامہ'' کتنے دلکش انداز میں کشمیری ادب اور ثقافت کی ترجمانی کر رہا ہے۔

---

۲۵ ''ثقافت'' خبر نامہ جلد ا شمارہ ا، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۳

باب۔ ششم

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کے تحت منعقد مشاعروں، سمیناروں کا اجمالی جائزہ

ذیلی ابواب:

1. مشاعرے کی اہمیت وافادیت
2. جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کا تعین قدر
3. تھیٹر اور ڈراموں کا تعین قدر

1. مشاعرے کی اہمیت وافادت:

مشاعرے ہمارے یہاں ایک ادبی، تہذیبی اور ثقافتی علامت کی حیثیت سے فروغ پاتے رہے اور آج بھی مشاعرے کی یہ حیثیت بڑی حد تک قائم ہے۔ مشاعرہ اُردو کی اس مخصوص تہذیبی اور ثقافتی فضا اور شعری روایات کا امین ہے۔ جس میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ مشاعرہ کو برصغیر پاک و ہند اور اردو زبان کا خاص امتیاز حاصل ہے دنیا کی دیگر زبانوں میں شعراء کے شعر خوانی اور درباروں میں سخن سنجی کی مثالیں بھی موجود ہیں اور مشاعرے سے ملتی جلتی ادبی محفلوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مگر وہ مخصوص فضاء اور ماحول اور ادبی ارتقائی روایات جو اردو مشاعروں کی ہیں کہیں نہیں ملتیں۔

سید ہاشم رضا لکھتے ہیں:

''مشاعروں سے اردو ادب کی ترویج ہوئی ہے اور عوامی مشاعروں سے اردو زبان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے میں نے لکھنو میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں کئی کوی سمیناروں میں بھی شرکت کی مگر وہ بات کہاں تھی مشاعروں جیسی''۔ [1]

عصر گذشتہ میں جب ابلاغ کے مناسب وسائل موجود نہ تھے تو مشاعرہ شاعر کے کلام کی ترسیل کے ایک ثقافتی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اس محفل میں شعرا اپنی نوتخلیق غزلیں سناتے تھے۔ استاد شعرا اپنی قادر الکلامی، جودت طبع اور مضمون آفرینی کی داد پائے اور تازہ وردان بساط شعر شعر گوئی کی تربیت پاتے اور آداب محفل سیکھتے۔ مشاعرہ ایک طویل شعری روایت کا امین ہے۔ جو متقدمین سے غالب اور میرؔ و داغؔ کے زمانے کے طویل عرصے پر پھیلی ہوئی ہے اس کے بعد مشاعرے کی اس روایت میں تبدیلیاں ہونے لگیں جدید اردو شاعری کے آغاز کے بعد شاعری اور مشاعرے پر تغیرات و انقلابات کے اثرات مرتب ہونے لگے اس کے باوجود ہر دور میں اس کی اہمیت برقرار رہی ہے۔

مراختے

شمالی ہند میں اردو شاعری کے ابتدائی دور میں خان آرزو نے جو مجلس مراختہ کی بنیاد ڈالی تھی اس نے فارسی کے مقابلے میں اردو شاعری کو رواج دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ خان آرزو کے مراختوں کے بعد میر

---

[1] ہاشم رضا سید، قیام انگلستان کی یادیں مشمولا (برطانیہ میں اردو ایڈیشن)، ص ۲۷۴

دردؔ اور میر تقی میرؔ کے ہاں بھی با قاعدہ مراختوں کا انعقاد ہوتا تھا ایسے کئی مراختوں کا ذکر ہم باب اول میں کر چکے ہیں اس دور میں درباروں میں ہی نہیں امراء وزراء اور شاعروں کے گھروں پر بھی با قاعدہ مشاعرے ہوتے تھے دہلی کے بعد دوسری چھوٹی بڑی ریاستوں میں بھی سلاطین اور امراء کی زیر سر پرستی مشاعروں اور مراختوں کا انعقاد عام ہونے لگا جو اردو شاعری کے فروغ کا سبب بنا۔

''ان مراختوں کی ادبی اور سماجی اہمیت یہ تھی کہ ان کے ذریعہ شعر و شاعری کا عوام سے براہ راست رابطہ قائم ہوا لوگ جوق درجوق جمع ہوتے مختصر نشستیں آہستہ آہستہ آباد اور پر ہجوم ہونے لگیں۔ یہاں سے غزلوں کے چرچے گھر گھر اور گلی گلی پھیلتے اور شہرت کا باعث بنتے تھے۔ اب ریختہ گو شعراء صرف درباروں یا احباب کے مختصر حلقے کے لیے نہیں لکھتے تھے بلکہ مراختوں کے مجمعوں میں داد وصول کرنے کا خیال بھی ان کے پیش نظر ہوتا تھا۔''[۲]

ان مشاعروں کی وجہ سے فارسی شاعری کی روایات اردو میں جاری وساری ہوئیں یہ مشاعرے شاعری کے میلان اور ہر دور کے رجحانات اور روایات کو آگے بڑھانے کا وسیلہ بھی بنے ابتدائی مشاعرے چونکہ درباروں میں ہوتے تھے اس لیے شاہانہ آداب، تہذیب وشائستگی کا مرقع تھے اور پھر یہی آداب اور تہذیب طویل مدت تک ہمارے مشاعروں کا امتیاز اور ہماری اقدار وروایات کی امین رہی۔

شاہی سرپرستی

شاہان وقت سلاطین اور امراء کے علم وفن اور شعر وادب میں دلچسپی لینے اور اہل فن کی سرپرستی کرنے کی مثالیں دنیا کی ہر زبان کے ادب میں ملتی ہیں اسی طرح برصغیر میں بھی فارسی شاعری کے عروج کے زمانے میں فارسی شعراء کی سرپرستی اور درباروں میں شعرخوانی کے بعد قصیدہ گوئی اور انعام واکرام سے نوازے جانے کی کئی شہادتیں شبلی نے بھی شعر العجم میں رقم کی ہیں فارسی کے بعد اردو شاعری کو بھی حکمرانوں کی سرپرستی نے بڑا فیض پہنچایا۔ برصغیر میں جو مسلم سلطنتیں قائم ہوتی تھیں ان کے حکمران ایران، افغانستان، ترکی سے آئے تھے ان زبانوں میں شاعری اور شاعروں کی سرپرستی کی جو روایتیں قائم تھیں وہ یہاں بھی قائم ہو گئیں اس وجہ سے

۲۔ ڈاکٹر کلام حسین، اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ص ۳۷

فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی سلاطین اور امراء کی سرپرستی کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ اردو کی ابتدائی ترقی کے زمانے میں سلاطین دکن خاص طور سے گولکنڈہ اور بیجاپور کے حکمرانوں نے بڑا حصہ لیا۔

> ''گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کو بہت مراعات حاصل تھیں انہیں اپنی ادبی کاوشوں کا گراں بہا صلہ ملتا تھا سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ہی درحقیقت اس شعری روایت کو پروان چڑھایا''۔[۳۳]

سلطان قلی قطب شاہ خود شاعر اور شاعروں کا بڑا قدران تھا علی عادل شاہ ثانی کو اردو زبان سے بڑی دلچسپی تھی اس کے دربار میں شعروشاعری کا بڑا چرچا تھا اس لیے اردو گو شعراء بڑی تعداد میں تھے جن کو بادشاہ کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں اس سے ان ادیبوں سے اردو میں بہت کتابیں بھی لکھوائیں تھیں جس کے صلے میں کثیر رقمیں بطور انعام دی تھیں۔

مغل شہنشاہوں نے فارسی کی جس طرح سرپرستی کی اسی طرح اردو کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا آخری مغل بادشاہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ کا دربار باکمال شعراء کا مرجع تھا۔ خود ابوظفر بہادر شاہ اعلیٰ پائے کا شاعر تھا اور دربار میں باقاعدہ مشاعرے کا انعقاد اسی کی صدارت میں ہوا کرتا تھا۔ مرزا غالبؔ اور ذوقؔ بادشاہ کے استاد رہے۔ غالب کو مغلیہ سلطنت کے زوال تک دربار سے ہر سال خلعت عطا کی جاتی تھی۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے علاوہ چھوٹی ریاستوں مثلاً اودھ، لکھنو، رام پور، فیض آباد، فرخ آباد، جے پور وغیرہ کے حکمران بھی شعراء کی سرپرستی میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ رام پور کے نواب قطب علی خان اور نواب یوسف علی خان کے خاندان کے اکثر لوگ شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور صاحب دیوان بھی تھے ان لوگوں نے اردو شاعری کی ترقی میں فعال کردار ادا کیا۔ لکھنؤ اور دلی کی شاعری کے بعد رامپور میں داغ دہلوی اور امیر مینائی نے شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ والیان رامپور نے شعرا کی قدردانی اور معاشی استحکام کے لیے قابل ذکر مثالیں قائم کیں۔

اٹھارویں صدی کے اواخر تک نوابین اور سلاطین کے دربار سیاست وحکومت کے ساتھ ادب وتہذیب کے میدان میں بھی مرکزی حیثیت رکھتے تھے بیشتر ادبی سرگرمیوں کا محور تھے۔ یہیں سے باصلاحیت اور مشتاق

---

[۳۳] ڈاکٹر کلام حسین، اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ص ۳۳

شاعروں کی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاصرانہ چشمکیں بھی ہوتی تھیں۔ شاعروں کی درباروں سے وابستگی کا صرف یہی سبب نہ تھا کہ اہل ہنر معاشی استحکام اور سماجی مرتبے کی غرض سے اہل دولت کی دست نگری پر مجبور تھے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ صاحب اقتدار افراد شعرا کی سرپرستی کو امارت کی شان اور ناموری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

> ''شروع سے دربار، ثقافت کا معیار اس طرح متعین کرتا رہا ہے کہ علمی درسی اور اعلیٰ ثقافتی حلقوں سے جو روشنی ملتی اسے داد و دہش سے استحکام دینے کی کوشش کرتا اور وسیع تر حلقوں یا آنے والوں کے لیے اسی راہ کو اپنانے کے لیے آمادہ کرتا اور ان کا دل بڑھاتا رہتا تھا شعر معیار علم و فن تھا''۔۴

اردو شاعری کے فروغ میں حکمرانوں کی سرپرستی کا ایک سبب ایسے مقامی سرداروں کی سیاسی برتری بھی تھی جو ایرانی النسل نہیں تھے یہ ایرانیت کے دلدادہ تو تھے مگر ان کا تہذیبی اور ادبی مذاق اس سطح پر نہیں تھا کہ وہ فارسی شاعری اور ایرانی تہذیب کو باقی رکھتے وہ ہندوستانی زبان و ادب میں فارسی کی چاشنی تلاش کرتے تھے۔

> ''وہ مشاعروں اور قوالیوں میں فارسی غزلوں پر سر تو دھن لیتے تھے مگر ان کی روحیں اس طرز شاعری کو اپنی زبان میں سننے کی متمنی تھیں''۔۵

زبان و ادب کے فروغ خاص طور سے زبان کی تراش خراش رواں اور پرشکوہ بنانے میں دربار کی سرپرستی نے فعال کردار ادا کیا۔ درباروں میں اکثر بادشاہوں اور امیروں کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ ممدوحین وہ صاحبان جاہ و منصب تھے جن کی پرجلال بارعب اور باوقار شخصیات کے شایان شان زبان بھی ایسی زوردار احد پرشکوہ ہو اس لیے قصیدے کی زبان زوردار لہجہ پروقار اور الفاظ کا رعب دار ہونا ضروری تھا تشبیہ اور استعارہ کی نہ صرف کثرت ہو بلکہ ان میں ندرت بھی ہو مشکل زمین اور قافیہ ہو علمی اصطلاحات اور صنائع بدائع کثرت سے استعمال کیے جائیں کیونکہ قصیدے کا اصل مقصد شاعر کا اپنے فنی کمال کو ظاہر کرنا تھا۔ تاکہ ممدوح اور سامعین متاثر ہوں مرعوب ہو کر داد و تحسین دیں اور بادشاہ یا امیر کی طرف سے انعام و اکرام

---

۴ علی جواز زیدی، تاریخ مشاعرہ، ص ۲۶۴

۵ ڈاکٹر محمد حسین، اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، ص ۲۵

بطور صلہ پائے۔ اس لیے قصیدہ نگاروں نے اپنے کمال فن سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اعلیٰ منصب اور انعام پائے اور زبان ترقی کرتی گئی۔ ائمہ کرام اور بزرگان دین کی شان میں مذہبی عقیدت کے جوش اور محبت میں جو قصیدے لکھے گئے ان میں دنیاوی انعام واکرام کے حصول کا کوئی عنصر شامل نہ تھا یہ قصائد اردو زبان کے ذخیرے میں گراں قدر اضافے کا باعث بنے۔

ان درباروں میں شاعری اور مشاعروں کی ترقی کی وجہ صرف مالی منفعت اور جاہ و منصب ہی نہ تھا زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ سلاطین موزوں طبع، سخن فہم اور نقادان فن تھے اچھے برے میں امتیاز کرتے اور شعرا کو ٹوکتے، داد دیتے تھے جس سے مذاق شاعری ترقی پاتا تھا ان درباوں کو اگر شاعری کی تعلیم گاہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان سلاطین کے امراء بھی ان ہی کی طرح فیاض اور علم و ہنر کے قدر دان تھے۔ سلاطین اور حکمرانوں کی شاعری سے دلچسپی اور اہل فن کی قدردانی کچھ اردو زبان ہی سے مخصوص نہیں دنیا کی تقریباً ہر زبان میں یہ روایت ملتی ہے۔ عربی، فارسی، سنسکرت، یونانی، انگریزی ادب میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

> ''قدیم زمانوں میں اردو زبان ہی نہیں بلکہ ادبیات کی تاریخ میں دربار اور بادشاہ منفی یا مثبت کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ علم دوست اور فنون لطیفہ کے سرپرست بادشاہوں کے درباروں میں فنکاروں کی قدر و منزلت ہوتی اور بحیثیت مجموعی ملک میں تخلیق و تحقیق اور علوم کے فروغ کے لیے بھی فضا سازگار ثابت ہوتی یہی نہیں بلکہ مطالعہ کے شوقین بادشاہوں کی ایما پر کتب خانے اور تراجم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جاتی''۔[۶]

برصغیر پاک و ہند میں مشاعروں کے فروغ کی ایک وجہ ہندوستان کا مخصوص معاشرتی مزاج بھی ہے ہندوستان میں عام زندگی کے رسموں اور تہواروں کو دلکش اور رنگین بنانے کا عام رواج تھا۔ انہوں نے مشاعروں کو بھی ایک ادبی جشن کی صورت دے دی یہ جشن نہ صرف مقررہ تاریخوں پر منائے جاتے تھے بلکہ ان میں مجلسی آداب، سلیقہ رسوم اور رکھ رکھاؤ بھی نظر آتا تھا۔ جس نے اسے تہذیبی ادارہ بنا دیا۔ مشاعرے ذوق سخن کے ساتھ تہذیب و شائستگی، محفل کے آداب، ادب لحاظ اور تربیت کا ذریعہ تھے۔

---

[۶] نسیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۳۷

''مشاعروں کے آداب بڑے سخت ہوتے تھے اساتذہ کا کلام بڑی عزت واحترام سے سنا جاتا تھا اور نئے شعرا کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ساتھ ساتھ اس بات کے لیے بھی تیار رہتے تھے کہ اگر کوئی سر محفل اعتراض کر بیٹھے تو اس کے جواب میں سند پیش کر سکیں''۔[ے]

درباروں میں مشاعروں کے علاوہ جشن تخت نشینی، غسل صحت، شادی سعید، نوروز وغیرہ کے موقعوں پر شعراء قصائد یا قطعات لکھ کر لاتے تھے اس میں ایک ہی موضوع پر اشعار کہے جاتے تھے اس سے طبیعتوں کے جوہر کھلتے تھے ایک شاعر دوسرے شاعر پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔سر محفل ٹوکے جانے، شعر پر تنقید کرنے سرقہ اور توارد کی نشاندہی کرنے کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا شعراء استقام سے بچنے کا خاص خیال رکھتے تھے۔شاہی سرپرستی کی وجہ سے شاعری کا معیار بھی اعلیٰ درجہ کا تھا کیونکہ اکثر سلاطین خود شاعر تھے اور شعر فہمی کا اعلیٰ ذوق اور تنقیدی شعور رکھتے تھے اس لیے اس دور کی شاعری کی زبان پر تکلف اور ضائع بدائع سے آراستہ تھی اور مضامین اور خیال بھی معیاری تھے۔اردو شاعری کے اس ابتدائی دور میں مشکل پسندی، علمیت اور قابلیت کے اظہار کے لیے فارسی کی تقلید کی جارہی تھی پھر کچھ سنسکرت اور بھاشا کے اثر سے ایہام کا استعمال زیادہ ہونے لگا، جلد ہی اس کے خلاف ردعمل ظاہر ہونا شروع ہوا۔حاتم نے اپنے کلام کا انتخاب دیوان زادہ کے نام سے شائع کیا۔اس طرح زبان کو فائدہ پہنچا اردو شاعری کے عہد بہ عہد ارتقاء میں اصلاح زبان کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

دہلی اور لکھنؤ کے سیاسی اور سماجی حالات میں جو فرق تھا وہی وہاں کے درباروں، شاعری اور مشاعروں میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لکھنؤ کے مشاعروں نے شاعری میں صنعت گری کو فروغ دیا اور ایک ہی مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی کوششوں نے شاعری میں تصنع بناوٹ اور خارجیت کو فروغ دیا جبکہ دہلی کا ماحول مختلف تھا اس لیے وہاں داخلیت، تصوف اور اخلاقی مضامین بھی شاعری کے موضوعات میں شامل تھے سیاسی اور سماجی حالات اور تمدن اور معاشرت کے اثرات ادب میں بڑی آسانی سے مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔ادب کو آئینہ عصر کہا جاتا ہے دہلی کے شعرا کے ہاں بے ثباتی عالم، فنا اور تصوف ان کے مخصوص حالات و واقعات کا اثر ہیں دہلی کی دروں بینی اور داخلیت کے مقابلے میں لکھنؤ میں خارجیت اور تکلف و تصنع دونوں شہروں کے

ے سید محمد عباس، سفینہ غزل، ص ۱۵

مخصوص مزاج اور ماحول کا پرتو ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات کم وبیش یکساں ہیں لیکن کلام میں واجد علی شاہ کی مثنوی ''حزن اختر'' جوانہوں نے کلکتہ کی نظر بندی کے زمانے میں لکھی تھی کا وہ رنگ نہیں جو بہادر شاہ ظفر کے کلام کا ہے۔ مٹیا برج میں واجد علی شاہ نے دوسرا لکھنؤ بسا لیا جبکہ دہلوی شعراء دلی کی تباہی پر نوحہ خواں ہیں، سوؔدا کے شہر آشوب اور داغ کے مرثیہ دہلی اس کے واضع ثبوت ہیں۔ لکھنؤ کے شعرا میں لکھنو کی بربادی پر افسوس کرتے ہیں مگر صرف اس لیے کہ ان کا عیش وعشرت درہم برہم ہو گیا۔

شاہی سرپرستی نے شاعری کے معیار پر جو منفی اثر ڈالا اس سلسلے میں یہ امر قابل غور ہے کہ جب تک سلاطین امراء خود صاحب علم سخن فہم اور نکتہ سنج تھے کھرے کھوٹے کی تمیز کر لیتے تھے معیار قائم رہا جب ایک طرف سلاطین سے اور دوسری طرف شعراء سے علم کے حصول اور فن کی تکمیل میں کوتاہی برتی جانے لگی تو معیار گرنے لگا جب سیاسی اعتبار سے اصلی اقتدار سلاطین کے ہاتھوں سے نکل گیا تو انکا رعب و دبدبہ بھی قائم نہ رہا جس سے معیار متاثر ہوا۔

> ''علم و تخلیق اور فنون لطیفہ کی ترقی اور عدم ترقی بلکہ تنزل میں بادشاہ وقت بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر اثر انداز ہوتا تھا یہی نہیں بلکہ خاص نوع کے ادبی ذوق یا شعری مذاق کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کے معیار کی بلندی یا پستی اور ثقاہت یا ابتدال کا باعث بھی بنتا تھا''۔[۸]

دربار کی وابستگی نے مضامین شاعری کو محدود کر دیا شاعر اہل دربار کے مذاق کا پابند ہو گیا۔ لکھنؤ اور دہلی کے درباروں کا جو مزاج تھا وہی شاعری کا مزاج نظر آتا ہے۔ سلطنت دہلی کے زوال کے بعد لکھنؤ میں فرماں روایان اودھ کے دور میں عاشقانہ رنگ بہت مقبول ہوا اس لیے اس دور کے شاعروں کے یہاں یہی رنگ ملتا ہے۔ شاعر قصائد اور غزل دونوں کہتے تھے ایک میں بادشاہ کی تعریف اور دوسرے میں اس کے عاشقانہ مزاج کی تسکین کا عنصر شامل تھا کیونکہ اس ذریعے سے وہ مالی منفعت حاصل کرتے تھے یعنی ان کی شاعری فکر وخیال کی رعنائی نہیں بلکہ عمائدین وقت کے آگے دست سوال دراز کیے ہوئے ہے جو شاعر معاشی منفعت کے لیے کسی کی مدح لکھے اس میں سچائی، خلوص اور گداز کی خوبیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں یہ

۸۔ نسیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، صفحات ۲۹۔۳۰

صرف زباندانی کا ہنر تھا۔ درباروں کی وابستگی کی وجہ سے اردو شاعری میں وہ تنوع جدت اور وسعت مفقود ہوگئی جو شاعری کی روح ہے۔

درباروں سے باہر بھی شعروشاعری کا چرچا عام اور مشاعرے سب سے اہم مجلس کی حیثیت رکھتے تھے اس کے ذریعے اہل ذوق کی تسکین اور شاعروں کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا تھا۔ عام لوگ بھی شعر و شاعری سے گہرا شغف رکھتے تھے اور سخن فہم تھے جس طرح اردو نثر میں داستان گوئی سے داستان نگاری کا ایک عرصہ تک رواج رہا تھا اور سامعین داستان اور داستان گو کے طرز بیان کی جادو بیانی کے اسیر ہوگئے تھے اور ساری ساری رات اس سحر میں مبتلا رہتے تھے اسی طرح شاعری اور مشاعرے کے عروج کا بھی ایک دور تھا مشاعرے آج بھی ذوق وشوق سے سنے جاتے ہیں مگر اس دور میں اس کا ایک خاص ذوق تھا۔ درباروں میں بھی ساری ساری رات مشاعرے ہوتے تھے جب مشاعرے خاص سے نکل کر عوام میں مقبول ہوئے تب بھی اس کی سحر انگیزی کا یہی عالم تھا سامعین کی ایک بڑی تعداد مشاعرے سننے کے لیے آتی تھی اور رات بھر ان جادو بیاں شاعروں کے حصار میں گزار کر اپنے ذوق کی تسکین کرتی یہ مشاعرے تربیتی ادارے اور تنقیدی نشستوں کا کام بھی کرتے تھے۔ اکثر شعراء کے ابتدائی حالات اس امر پر گواہ ہیں کہ وہ بچپن سے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے پہلے بطور سامع اور پھر جب ذوق تربیت پا گیا اور شوق پروان چڑھا تو خود شاعری کرنے لگے۔ شاعر کی جو عزت ہم عصروں اور اہل ذوق میں ہوتی وہ بھی نو آموز شعرا کو متاثر کرتی تھی۔ مشاعروں کی بدولت کئی گمنام شعراء نے شہرت حاصل کی۔ مشاعروں میں شاعر کو جو داد ملتی ہے اس سے بھی تازہ وردان بساط شاعری کا شوق بڑھتا ہے وہ بھی واہ واہ، سبحان اللہ اور مکرر، ارشاد کا شور سننا چاہتا ہے اور مشق سخن پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق

> ''نوجوان ان مشاعروں میں شریک ہوتے اور اپنے کانوں سے تحسین و آفرین کے نعرے سنتے جو شعراء کے لیے سب سے بڑی داد اور سب سے بڑا انعام تھا۔ تو ان کے دل میں بھی امنگ پیدا ہوتی تھی کسی استاد کے پاس حاضر ہوئے شاگرد ہوگئے اور شعر کہنا شروع کردیا۔ یہ مشاعرے درحقیقت شاعر گر تھے۔''[۹]

---

۹ مرزا علی لطیف، گلشن ہند (مرتب شبلی نعمانی و عبدالحق (مقدمہ)، ص ۱۷

یہ مشاعرے تربیت کا ذریعہ بھی تھے اور تہذیب وشائستگی کی درس گاہ بھی مشاعروں میں شرکت کرنے والے آداب محفل، آداب گفتگو، طریقہ نشست و برخاست، شعر خوانی کے انداز تحت الفاظ اور ترنم کا فرق، داد کے طریقے، بزرگوں اور اساتذہ کا احترام مشاعرے میں تقدیم و تاخیر کے اصول سب کچھ اس محفل شعر وسخن سے سیکھتے تھے۔ مشاعرے عموماً طرحی ہی ہوتے تھے ایک ہی ردیف اور زمین میں مختلف مضامین اور خیالات کا بیان شاعروں کی فنی مہارت کو ظاہر کرتا تھا اور شاعر کی فکر کو مہمیز کرنے کا سبب تھا۔ اس کے ساتھ سامع کے ذہن اور زبان کو بھی وسعت عطا کرتا تھا سامع جب لفظ کا مختلف مفاہیم میں استعمال اور تخیل کی بلند پروازی کے اعلیٰ ترین نمونے دیکھتا اور سنتا تو تربیت یافتہ ذوق تو اس سے لطف لیتے اور ان کے ذوق کی تسکین ہوتی اور جو نو آموز یا نو واردان مشاعروں میں شریک ہوتے ان کی تربیت ہوتی شوق پرورش پاتا۔ ان طرحی مشاعروں نے زبان کو وسعت بخشنے اور خیالات کی ندرت عطا کرنے میں اہم اور فعال کردار ادا کیا ہے۔

اردو شاعری میں استادی اور شاگردی کے رشتے کے قیام اور فروغ کا بڑا سبب مشاعرے ہی تھے۔ مشاعرے میں پڑھا جانے والا کلام کسی استاد کو دکھانا بہت ضروری تھا اصلاح کے بغیر پڑھا جانے والا کلام معتبر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ بے استاد ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مشاعرے میں شاعر کے کلام پر اعتراض کرنا اور غلطی کی نشاندہی کرنے کا عام رواج تھا سر محفل لفظ کے استعمال پر استاد شعراء کے کلام سے سند بھی پیش کرنا پڑتی تھی اس لیے معتبرین کے سامنے استاد بھائیوں کی موجودگی اور استاد کا موجود ہونا تقویت کا باعث تھا۔ مشاعروں میں اعتراضات کرنے کا ایک سبب معاصرانہ چشمکیں بھی تھیں۔ شاعروں کی گروہ بندیوں اور مرتبے اور رتبے کی حاسدانہ فضا نے چشمکوں کو معرکہ آرائیوں تک پہنچا دیا تھا اگر کوئی شاعر سر مشاعرہ کسی فنی سقم کا مرتکب ہوتا تو دوسرے گروہ کے شاعر اس سے فائدہ اٹھاتے اور شاعر کو بے عزتی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لیے کلام مشاعرے میں پڑھنے سے پہلے کسی استاد کو دکھانا ضروری تھا۔

ہماری ادبی تاریخ میں معاصرانہ چشمکوں، استادی شاگردی اور اصلاح کے واقعات معرکہ آرائیوں اور طرح پر کہے جانے والے اشعار پر فنی مباحثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور یہ سب شجر مشاعرہ ہی کے شاخسانے ہیں۔ مشاعرے کے فروغ نے ان سب روایتوں کو فروغ دیا۔

قدیم مشاعروں میں شاعروں کے درمیان جو مقابلے کی فضا بن جاتی تھی اس میں شعراء جواب الجواب اس طرح غزلیں لکھا کرتے تھے وہ زبان وادب کے خزانے میں اضافے کے ساتھ ساتھ شعراء کے لیے معنی خیز ہوا کرتی تھیں اس مسابقانہ فضا کا ذکر کرتے ہوئے سکسینہ لکھتے ہیں۔

> ''شاہ نصیر نے دلی کے ایک مشاعرے میں نو اشعار کی ایک غزل سنائی جس کی ردیف تھی ''آتش وآب وخاک باد'' اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل لکھے اس کو میں استاد مانتا ہوں ذوق مقابلے کے لیے تیار ہوگئے اور ایک غزل اور تین قصیدے لکھ کر تیار کیے شاہ صاحب کو شاگرد کی جرآت وگستاخی بہت ناگوار گزری ایک اور شاگرد سے اعتراض کرایا جس کے جواب میں ذوق نے اکثر اسناد پیش کیے اور اس مقابلے میں ذوق ہی کو کامیابی ہوئی''۔[۱۰]

استادی شاگردی کے اس قدیم ادارے اور دیرینہ روایت کی اہمیت آج بھی مسلم ہے کیونکہ ہر دور میں نوآموز شعراء کی تربیت کی ضرورت باقی رہے گی زبان کے معیار کو قائم رکھنے اور صحت کی حفاظت کے لیے اساتذہ کا اتباع کرنا ضروری ہے۔ بقول مولانا فریدی:

> ''انسانی زندگی کے بہت سے اعمال میں آزاد رہ سکتا ہے لیکن زبان ومحاورے میں آزادی اختیار کرنا اپنی ہستی کو مٹا دینا ہے''۔[۱۱]

اردو شاعری کے فروغ میں مشاعروں اور مشاعروں کے سلسلے میں استادی وشاگردی کے اس ادارے کی خدمات ہمیشہ ہماری ادبی تاریخ کا حصہ رہے گی۔

نیا دور اور نئی ادبی روایات

سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ادبی روایات میں بھی تبدیلیاں آتی رہیں اور مشاعرہ بھی اس سے متاثر ہوا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد قدیم دور کا خاتمہ ہوگیا نہ شاہان مملکت رہے نہ داد و پیش ہی باقی رہی مشاعرے خواص کے حلقے سے نکل کے عوام کے وسیع حلقے تک آ گئے مشاعروں کا رواج اس قدر عام ہوگیا کہ اکثر شاعروں کے گھروں پر مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔

---

[۱۰] رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، ص ۲۷۹

[۱۱] مولانا فریدی، مضمون ہمارے مشاعرے مشمولا تاریخ وتنقید حامد حسن قاری، ص ۲۰۳

''اب شاعر کے فن کی معراج نہ تھی کہ وہ کسی باوجاہت عظیم الشان بادشاہ کے دربار میں قصیدہ پڑھے اور خلعت پائے...... اب ان کے مقابلے میں مشاعرے کی داد وتحسین اور عوامی مقبولیت نے اہمیت اختیار کر لی''۔۱۲

دہلی اور لکھنو میں سینکڑوں شاعر تھے استادی شاگردی کے توسط سے کئی بے نام نامور ہونے لگے۔ یہ نوآموز شاعروں کی بہتات اور مشاعروں کے عروج کا دور تھا اس دور میں عام طور سے شاعری سے مضامین اعلیٰ اور بلند خیالی مفقود ہو چکی تھی۔

''زبان کا چٹخارہ، محاورہ اور روزمرہ کی چاشنی، رعایت لفظی یا ایہام جیسی عام پسند صنعتوں کا استعمال نئے قوافی، مشکل ردیفیں، غرض ہر طرح کی سہولت وقت گزاری اور نام شماری کے لیے موجود تھی مفکرانہ شاعری ان عام پسند مشاعروں میں کون سنتا''۔۱۳

مولوی عبدالحق نے گلشن ہند کے مقدمے میں اسی صورتحال کی نشاندہی کچھ اس طرح کی ہے:

''ہمارے شاعروں کا گروہ عجیب بے فکرا تھا اور (اسے) دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی اخیر میں جب ہمارے بادشاہ نواب اور امراء اس طرف جھکے تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے......ملک گیری اور ملک واری بھی کی جا چکی تھی اس لیے اولوالعزمی اور ہمت بھی اس کے ساتھ رخصت ہو گی جسمانی اور دماغی قویٰ میں انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ اس حالت میں حقیقی مسرت کہاں البتہ عارضی خوشحالی اور جھوٹی زندہ دلی موجود تھی شعر و شاعری نے اس کا سامان اور مہیا کر دیا''۔۱۴

شاہی سرپرستی کا ایک طویل دور اپنے مثبت اور منفی اثرات مرتب کر کے اختتام پذیر ہو چکا تھا اور اس عبوری دور میں نئے ماحول کے بننے کے لیے وقت درکار تھا نئے ادبی اور شعری افق پر جدید اردو شاعری کی پہلی کرن انجمن پنجاب کے مشاعروں میں نظر آئی اس پر بھی حکمرانوں کے مزاج اور سرپرستی کے اعتبار سے

---

۱۲ ڈاکٹر کلام حسین، اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ص ۳۷

۱۳ علی جواد زیدی، تاریخ مشاعرہ، ص ۱۲۴

۱۴ مرزا علی لطیف، گلشن ہند مقدمہ عبدالحق، ص ۱۷

نگاہ ڈالیں تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ نئے حکمرانوں نے اردو شاعری میں انگریزی خیالات اور موضوعات بیان کرنے کے لیے نئی طرز کے ان مشاعروں کو فروغ دیا۔

''شاہی دور کے خاتمے کے بعد بحیثیت ایک ادارے کے بادشاہت متروک اور اس کی افادیت مشکوک نظر آتی ہے......تاہم بادشاہت یعنی اقتدار کلی کا نیا اور جدید روپ آمریت کی صورت میں نظر آتا ہے''۔۱۵

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کا سارا منظر نامہ تبدیل ہوگیا۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات کی تبدیلی کے ساتھ شعروادب کی دنیا میں بھی تبدیلیاں ظاہر ہونے لگیں نثر اور نظم دونوں میں جدت کے آثار نظر آنے لگے۔ اردو میں جدید شاعری اور نظم نگاری کا آغاز بھی اسی دور سے ہوا انجمن پنجاب کے تحت جدید طرز کے مشاعروں کا آغاز ہوا ان مشاعروں کے اثرات اردو شاری پر پڑے۔ انگریزی ادب کے اثرات بھی تیزی سے ادب وشعر پر مرتب ہو رہے تھے اور اردو میں فطرت نگاری اور قومی شاعری کا آغاز انہی مشاعروں کی وجہ سے ہوا اور عوام میں جدید شاعری کو مقبولیت ملنے لگی۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں نو آموز شعراء نے نظم نگاری کی طرف خاص توجہ دی شاعری میں جدید طرز احساس کے ساتھ ہیئت کے تجربے بھی کیے گئے اور انگریزی ادب سے تراجم کا آغاز بھی ان مشاعروں کی وجہ سے ہوا۔

مشاعرے اب ادبی تنظیموں اور اداروں کے تحت بھی ہونے لگے تھے یہ عوام اور شاعر کے مابین رابطہ کا ذریعہ بھی تھے کیونکہ مشاعروں کی وجہ سے سامع اپنے پسندیدہ شاعر کو براہ راست سننے اور دیکھنے اور دیگر شعرا کو سن کر داد بیداد کے ذریعہ اپنے ذوق شعری کی تسکین وتعمیر بھی کرتا اور تفریح طبع بھی حاصل کرتا تھا۔ نجی محفلوں اور شعراء کے گھروں پر ہونے والے مشاعروں سے کہیں زیادہ شہرت ومقبولیت ان مشاعروں کو حاصل ہوئی جو عوامی تھے جن میں عوام تفریح کے ساتھ تعلیم وتربیت بھی حاصل کرتے تھے ان بڑے بڑے مشاعروں میں ایک اہم چیز ان کے خطبہ صدارت ہوتے تھے عام طور سے کسی استاد شاعر یا کسی قومی یا سرکاری اہل ذوق شخصیت کو مشاعرے کی صدارت کے لیے منتخب کیا جاتا تھا ان شخصیات کی شعروادب سے دلچسپی اور علمی قابلیت مسلم ہوتی تھی اس لیے ان کے صدارتی خطبات کسی علمی خطبے سے کم اہم نہ تھے اس سلسلے میں سیماب

---

۱۵ نسیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۲۰۔۲۱

اکبرآبادی کے خطبات مشاعرہ قابل ذکر ہیں عہد حاضر کے مشاعروں میں بھی بعض خاص مشاعروں کے خطبات سننے کے قابل ہوتے ہیں جس سے شاعر اور شریک مشاعرہ سامعین دونوں کو یکساں فائدہ پہنچتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے مشاعروں کی صدارت ہم سرکاری عہدے داروں سے کروانے کا رواج بھی عام ہے۔ مشاعروں کے ذریعے سامع اور شاعر دونوں کے خیالات کو وسعت ملتی ہے معنی کی نئی جہت اور لفظ کا محل استعمال ہر شاعر کے کلام میں مختلف انداز سے ہوتا ہے ہم طرح غزلوں کو سننے سے اس کا استعمال ہر انداز میں سننے کو ملتا ہے۔ ان عوامی مشاعروں نے شاعر کو عوام سے قریب کر دیا اور عوام اور شاعر کے تعلقات میں اس قربت نے ہر دور کو فیض پہنچایا۔ اب فنکار کا کلام عوام تک براہ راست پہنچ جاتا ہے۔ شاعر کا کلام بزبان شاعر سن کر جو اثر پیدا کرتا ہے وہ چھپی ہوئی غزل یا مشاعرہ پڑھ کر ظاہر نہیں ہوتا۔ شاعر کے کلام کو تحریری صورت میں مجموعہ کلام کی صورت میں یا کسی رسالے کی زینت بننے میں وقت لگتا ہے لیکن مشاعرے کے ذریعے بہت جلد اور براہ راست شاعر اپنا کلام سنا دیتا ہے اور فوراً ہی داد و بیداد اس کے معیاری یا غیر معیاری مقبول یا نامقبول ہونے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ مشاعرے کے ذریعے پڑھے جانے والے کلام کا دائرہ سماعت ایک وسیع حلقہ پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ طبع شدہ کلام کا دائرہ قرات محدود ہوتا ہے۔ عہد حاضر میں تو دنیا اس قدر سمٹ چکی ہے کہ مشاعرے کا دائرہ سماعت عالمی حد تک پہنچ چکا ہے کسی ملک کے کسی شہر میں ہونے والا مشاعرہ الیکٹرانک میڈیا کی بدولت ساری دنیا تک پہنچ جاتا ہے شعر کے اثر و تاثیر پہ پڑھنے والے کا لب ولہجہ بہت اثر کرتا ہے جب کلام بزبان شاعر پڑھا جائے تو تخلیق کار کا جذبہ اور کیفیت اس کی آواز میں شامل ہو کر شعر کو پر اثر بنا دیتی ہے بڑے سے بڑے شاعر کا کلام بعض اوقات مشاعرے میں داد نہیں پا سکتا اور کسی نو وارد اور معمولی شاعر کا کلام مشاعرے کا حاصل قرار پاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ مشاعرے کے شرکاء کا ذوق اور وہ ماحول ہوتا ہے جو مشاعرے میں بن گیا ہو۔ مشاعرے میں وہی کلام زیادہ داد پاتا ہے جو سامعین کے ذوق کے مطابق ہو۔ اس لیے بعض بڑے بڑے شعراء مشاعروں میں کہنے یا پڑھنے والا کلام مشاعرے کے مزاج کے مطابق لکھا کرتے اور پڑھا کرتے ہیں اور چھپنے اور احباب کی محفلوں میں اپنا خاص کلام سنایا کرتے ہیں۔ مشاعروں کی یہ داد بیداد گمنام کو نامور اور نامور کو گمنام بنا دیتی ہے۔ بڑے بڑے شاعر کبھی کبھی بیداد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سے معیار شاعری بھی متاثر ہوتا ہے۔

مشاعرے ذوق ادب اور تفریح طبع

شاعر و شاعری کا ذوق اردو شاعری کے آغاز سے خاص اور پھر عوام میں ترقی پا تا رہا مشاعروں نے اس ذوق کی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا یہ مشاعرے تربیت یافتہ ذوق کے حامل افراد کی تسکین و تفریح طبع کا ذریعہ ہونے کے ساتھ عام سامع کی تربیت اور تفریح کا ذریعہ بنتے گئے۔

''یہ مشاعرے ادبی ذوق کی تربیت کا وسیلہ بھی تھے اور تفریح طبع کا ذریعہ بھی یہاں طبعیتوں کے جوہر کھلتے، ذہنوں کو جلا بھی حاصل ہوتی، فکری اور فنی مہارت کا امتحان بھی ہوتا اور اس کے ساتھ ہی تھوڑی دیر کے لیے بے مہری ایام کی زخم خوردگی کا احساس بھی مٹ جاتا ہے''۔[16]

دہلی کے بادشاہ اور عوام شاعری کے فن کو غم و فکر سے نجات کا ذریعہ بناتے تھے، کیونکہ شاعری انسانی احساسات اور جذبات کی ترجمان ہوتی ہے اور مزاج میں ملائمت پیدا کرتی ہے۔ اس لیے مشاعرے کے ذریعے انسانی احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ شاعری سننے سے دلوں کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ ایک اچھا شعر انسان کو تازہ دم کر دیتا ہے۔ عہد حاضر میں تو اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ بقول جمیل جالبی:

''اس دور پُر آشوب میں جہاں انسان زندگی کی تیز رفتاری اور پیٹ پالنے والی دوڑ دھوپ میں تھک گیا ہے۔ شعر آپ کو تھپتھپاتے ہیں آپ کا بوجھ کم کر دیتے ہیں اور آپ کے اعصاب کو تازگی عطا کرتے ہیں آپ اچھا شعر سنتے ہیں تو پھڑک اٹھتے ہیں اور بے ساختہ منہ سے واہ نکلتی ہے عالم وجد طاری ہو جاتا ہے شعر اچھا نہیں لگا تو دوسرے شعر کا انتظار کرتے ہیں یا آپ کے یا شاعر کے منہ سے ایسا پھڑکتا ہوا فقرہ نکلتا ہے کہ محفل زعفران زار ہو جاتی ہے۔''[17]

مشاعرے سامع اور قاری کے ساتھ ساتھ خود شاعر کے ذوق سلیم کو استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں شاعر کے لیے غور و فکر، مطالعہ و مشاہدہ اور علم و فضل سب اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں علم عروض سے آگہی بھی لازمی ہے ان میں سب سے اہم ذوقِ مسلم کا ہونا ہے جو صرف کتابوں کے مطالعے سے حاصل

---

[16] ڈاکٹر حنیف نقوی، شعرا اردو کے تذکرے، ص ۱۸۳

[17] ڈاکٹر جمیل جالبی، مشاعرے ہماری تہذیبی روایت، (مضمون جنگ ڈویک میگزین)، ص ۱۲

نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے شعروادب کے ماحول میں وقت گزارنا ضروری ہے۔اسی سے ذہنی تربیت ہوتی ہے۔مشاعروں کی داد بیداد ادبی تنقید کی ابتدائی شکل ہے کلام شاعر پر تنقید کے ساتھ مذاق سلیم پیدا کرنا بھی اس کا ایک مقصد رہا ہے۔

> ''سننے والا شعرسن کر داد دیتا تھا۔۔۔ یہ صرف سبحان اللہ اور واہ واہ کا لفظی کھیل ہی نہیں بلکہ سننے والا کچھ سمجھ کر یہ یا اسی قسم کے دوسرے کلمات استعمال کرتے تھے۔۔۔ان کے شعر کے حسن وخوبی کا کوئی نہ کوئی معیار ضرور تھا۔۔۔۔ شاعروں کو ہر شعر پر داد نہیں دی جاتی تھی شعر سننے والوں کو اچھا معلوم ہوتا تھا اس کو وہ سراہتے تھے ورنہ چپ ہوجایا کرتے تھے اس چپ ہوجانے کا یہ مطلب تھا کہ سننے والوں کو شعر پسند نہیں آیا''۔[۱۸]

اس سے مشاعروں میں ایک تنقیدی شعور اور تنقیدی روایت کا پتہ ضرور چلتا ہے اسے اعلیٰ درجے کی تنقید تو نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کا معیار ذوقی اور وجدانی ہے۔لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مجنوں گورکھپوری کہتے ہیں کہ:

> ''میں اس خیال سے بہت کم متفق ہوں کہ مشاعروں کی تعریف یا شعروشاعری کی صحبتوں کی تعریف تنقید نہیں ہے بسا اوقات یہ تنقید بہت پتے کی ہوتی ہے''۔[۱۹]

مشاعرہ شاعر اور سامع اور قاری کے درمیان ذہنی ربط ویگانگت اور افہام وتفہیم کا وسیلہ ہے جس سے شاعری کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔شاعر اپنے ذاتی تجربات داخلی جذبات اور واردات قلبی کا اظہار شعر میں کرتا ہے۔جسے وہ سنانا بھی چاہتا ہے مشاعرے کی بدولت اسے یہ مواقع آسانی سے میسر آجاتے ہیں جو ایک مسلمہ معیار بھی ہے اور خودشناسی کا ذریعہ بھی شاعر مشاعرے کی داد بیداد سے اپنے کلام کا اندازہ لگالیتا ہے۔

> ''شاعر اور اس کے سامعین کے باہمی رابطہ اور ذہنی قربت سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ادبی اقدار بڑی واضح شکل میں پیش نظر رہتی ہیں اور ان میں ایک خوشگوار توازن اور ہم آہنگی خود بخود پیدا ہوجاتی ہے''۔[۲۰]

---

[۱۸] عبادت بریلوی،اردو تنقید کا ارتقاء،ص۹۳

[۱۹] عبادت بریلوی،اردو تنقید کا ارتقاء،ص۹۳

[۲۰] آفتاب احمد خان،قدیم مشاعرے کی ادبی اہمیت،ص۱۸

مشاعروں کی وجہ سے شعر خوانی جو پہلے تحت اللفظ ہی میں ہوا کرتی تھی ترنم کا آغاز بھی ہوا اب تو ترنم سے پڑھنا بہت عام ہے۔ ترنم کو مشاعروں کی کامیابی کا ضامن بھی سمجھا جاتا ہے۔ ترنم کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں داد بھی خوب دیتے ہیں بعض اوقات بے معنی شعر بھی ترنم کی بدولت با معنی سمجھ لیے جاتے ہیں بلکہ ناموزوں مصرع تک ترنم کی وجہ سے موزوں ہو جاتا ہے۔ مشاعروں میں زیادہ تر غزلیں ہی پڑھی جاتی ہیں اب تو نظم بھی عام ہے لیکن غزل کی مقبولیت اسی طرح قائم ہے۔

مشاعرہ ایک تہذیبی اور ثقافتی ادارہ

مشاعروں نے ہماری تہذیبی اور سماجی زندگی کو خوشگوار بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے ذریعے مختلف مکتبہ فکر اور زاویہ نظر اور عقیدوں کے لوگ ایک دوسرے سے قریب آتے ہیں۔ مشاعروں کی وجہ سے ان میں محبتوں اور رفاقتوں کے رشتے قائم ہوتے ہیں اور یہ رشتے باہم اعانت و استعانت کا وسیلہ بنے ہیں۔

> ''مشاعرے ہماری تہذیبی روایت ہیں۔۔۔۔۔ وہ روایت جس نے ہمارے باطن کی گہرائیوں میں حقیقی محبتوں کے جذبوں کو جنم دیا وہ روایت جس نے شائستگی رواداری اور رکھ رکھاؤ کو محفل شعر و سخن کا حصہ بنایا اور وہ روایت جس نے شعر و سخن کو ہماری عام سماجی و تہذیبی زندگی کا حصہ بنا کر ہمیں خوش گوار اور لطیف زندگی بسر کرنے کا ایسا سلیقہ عطا کیا جو سب کے لیے باعث رشک ہے اسی روایت نے ہماری تہذیب کو ایک نئی مہک اور ایک نئی خوشبو دے کر اسے گل رنگ بنا دیا اسی لیے محبت ہماری زندگی ہے شائستگی ہمارا مزاج ہے اور تحمل و رواداری ہمارا اندازِ نظرِ شعر سننے، شعر پڑھنے اور شعر یاد کرنے سے یہی محبت، یہی شائستگی اور یہی تحمل اور رواداری پیدا ہوتی ہے شاعری سننے یا پڑھنے والے کے اندر ایک ایسی انسانیت کو جنم دیتی ہے کہ انسان اپنی ذات سے بلند ہو کر دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہو جاتا ہے''۔ [۲۱]

قدیم مشاعروں نے شائستگی اور تہذیب کا درس بھی دیا ہے۔ آداب مجلس سکھانے اور ان کو برتنے کا

---

[۲۱] ڈاکٹر جمیل جالبی، مشاعرے ہماری تہذیبی روایت، (مضمون جنگ ڈویک میگزین)، ص ۴

سلیقہ بتانے کا فریضہ مشاعروں ہی نے انجام دیا تھا۔اس دور کے مشاعرے صرف سخن فہمی اور سخن سنجی کی محفلوں تک محدود نہ تھے بلکہ ایک تہذیبی تربیت گاہ کی حیثیت رکھتے تھے مشاعروں میں شریک شرکاء کو آداب محفل کی پابندی کرنا پڑتی تھی سماجی مرتبے اور رتبے کے اعتبار سے کوئی شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مشاعروں میں آداب مشاعرہ اور شائستگی و تہذیب کی پاس داری لازمی تھی۔ جو مشاعروں میں شرکت کرتا اسے تمام ضابطوں کی پابندی کرنا پڑتی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو غیر مہذب، ناشائستہ اور بد ذوق کہلاتا تھا۔تاریخ ادب کی کتابوں میں اور شعراء کے تذکروں میں بھی ایسے واقعات موجود ہیں۔خواجہ میر درد اردو کے صوفی شعراء میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں ان کے گھر پر مہینے کی آخری تاریخوں میں محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی اس میں امیر و غریب سے لے کر نوابین اور بادشاہ تک شریک ہوتے تھے۔ایک مشاعرے میں سلطنت مغلیہ کے بادشاہ ''شاہ عالم آفتابی ثانی'' بھی شریک تھے۔اس واقعہ کا ذکر ''تذکرہ خوش معرکہ زیبا'' میں بھی موجود ہے کہ جس میں تاریخ اور مقام میں اختلاف ہے ناصر نے دوسری تاریخ مہینے کی اور والد بزرگوار کے مزار پر مشاعرہ ہونا لکھا ہے جبکہ آزاد نے آب حیات میں مہینے کی آخری تاریخوں میں گھر پر مشاعرہ منعقد ہونا لکھا ہے بہر حال اصل واقعہ جو تہذیب کے حوالے سے ہے وہ ناصر نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ''دوسری تاریخ ہر مہینے کی مجلس حال و قال ان کے پدر بزرگوار کے مزار پر مقرر تھی۔ ایسا انبوہ کے سلاطین بھی آتے تھے حتیٰ کہ ایک دن شاہ عالی کو ہر شریک صحبت ہوئے تھے۔ایک دن دو زانوں بیٹھنے کا دیر تک اتفاق رہا، قدم مبارک درد کر اٹھا، بادشاہ نے ایک زانو کو دوسرے زانو پر رکھ لیا نظر خواجہ صاحب کی نگاہ بادشاہ پر جا پڑی، وہ کھنڈی کے فقیروں کے پاس ہوتی ہے بہ قوت عالم بادشاہ کے زانو پر ماری۔ بادشاہ نے شکوے کے عوض عذر درد پیش کیا۔میر درد صاحب نے کمال بے دردی سے فرمایا کہ:
>
> ایں خانہ درد است، سراپا درد شو
> وگرنہ ازیں جا بیروں رو''[۲۲]

---

[۲۲] ناصر سعادت خان، خوش معرکہ زیبا، ص ۱۸۰

مشاعروں میں شرکت کرنے والے شعراء کا معیار بھی بڑا سخت تھا ایسا کوئی شخص جو اپنی خاندانی نسبت یا پیسے کی وجہ سے شرافت کے معیار پر پورا نہ اترتا ہوا سے شعروسخن کی محفلوں میں فصحائے صحیح النسب کے برابر جگہ نہ مل سکتی تھی حد تو یہ ہے کہ تذکرہ نویس بھی ان کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ تذکروں میں ان کا ذکر کریں۔قدیم مشاعروں کی ترتیب، انداز نشست اور آداب آج کے مشاعروں سے بہت مختلف تھے مشاعروں کے شرکاء اور شعراء سب خاص میں سے ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ تحسین ناشناس وسکوت سخن شناس سے شاعروں کے ماتھے پر بل پڑ جاتے تھے اس دور میں ادب وآداب کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔

''ننگے سر یا صرف کرتے پاجامے سے کسی بزم میں شریک ہونا معیوب تھا حقہ یا سگریٹ بزرگوں کے سامنے پینا ناشائستہ حرکت سمجھی جاتی تھی۔۔۔۔اسی طرح اپنے سے بڑوں کے سامنے ہنسی مذاق، یا خلاف تہذیب کوئی حرکت کرنا خلاف انسانیت تصور ہوتا تھا ترتیب خواندگی گردش شمع پر مقرر تھی''۔۲۳

قدیم مشاعروں کے آداب اور ماحول کی ایک خوبصورت مثال فرحت اللہ بیگ نے ''دہلی کا یادگار مشاعرہ'' میں محفوظ کردی ہے۔ جو آج بھی ہمارے اس شاندار ماضی کی روایتوں کی دستاویز ہے مشاعروں کی یہ تہذیب وشائستگی اور آداب مجلس عرصہ دراز تک مشاعروں کا حصہ رہے ہیں بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے تک یہ آداب بڑی حد تک اسی طرح قائم تھے۔ جوش ملیح آبادی اپنی خودنوشت سوانح عمری یادوں کی بارات میں ایک مشاعرے میں شرکت کا احوال تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء کی بات ہے کہ میں اپنے باپ کی معیت میں حضرت مولانا رضا فرنگی محلی کے مشاعرے میں سب سے پہلی بار شریک ہوا اور دنگ رہ گیا۔شفاف چاندنی بچھی ہوئی ہے، چاندنی پر قالین ہیں، گاؤ تکیے، دیواروں سے لگے ہوئے ہیں ادھر ادھر صاف ستھرے اگالدان بیچوں میں ہار لپٹے حقے، شال باف سے مندھی ہوئی چھوٹی چھوٹی کوری ہانڈیاں، ہانڈیوں میں چاندی کے ورق کی معطر گلوریاں اور الائچی دانے، تمباکو اور قوام کی ڈبیاں رکھی ہوتی

---

۲۳ حزام الدین، تذکرہ شعرائے جے پور، ص ۱۱۔۱۲

ہیں شعراء زیادہ تر انگر کھے شیروانی اور کمتر پہنے اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب کے سروں پر ٹوپیاں ہیں سامعین میں سے کوئی ننگے سر نہیں آپس میں آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی ہیں گلوریاں کھائی اور حقے پیے جا رہے ہیں جو شاعر مشاعرے کے فرش پر قدم رکھتا ہے وہ حاضرین کو جھک جھک کر غیر ملفوظ سلام کر رہا ہے حاضرین اس کے حسب مرتبہ، نیم قد یا سروقد جوابی سلاموں سے اس کا خیر مقدم کر رہے ہیں، لیجئے اب میرے مشاعرہ کے سامنے شمع آ گئی مولانا رضا کی غزل سے حسب دستور مشاعرے کا آغاز ہو رہا ہے اور داد سے چھت گونجنے لگی کس کی یہ مجال ہے کہ اثنائے غزل خوانی میں کوئی مصرعہ نہ اٹھائے، حقہ پی لے، پان کھالے، آپس میں سرگوشی کرنے لگے یا کوئی ادھر ادھر سے اٹھ کر بیٹھ جانے کی جسارت کر سکے۔ میرے مشاعرہ کے بعد اب شمع گردش کر رہی ہے نومشق نوجوانوں کی صفوں میں اور کمی بیشی کے ساتھ سب کو داد دی جا رہی ہے''۔[۲۴]

جوش اپنی باری آنے پر محفل کے رعب کی وجہ سے پڑھنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے والد کے کہنے پر کچھ حوصلہ ہوا پھر مرزا ہادی رسوا اپنی جگہ سے اٹھ کر پہلو میں آ بیٹھے اور حوصلہ بڑھاتے ہوئے پیٹھ ٹھونک کر فرمایا آپ تو شاعر کے بیٹے اور شاعر کے پوتے ہیں (فقیر محمد گویا آپ کے دادا تھے) پڑھئے اور گرج کر پڑھیے بڑی ہمت کر کے مطلع پڑھا جس پر داد ملنے لگی۔ مشاعرے میں اس قدر داد ملنے پر والد نے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ باپ سے زیادہ بیٹے کو داد ملے اس کے بعد جوش اپنے والد کے ساتھ مشاعروں میں نہیں گئے ان واقعات سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مشاعروں نے ہماری تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو کس طرح مہذب اور شائستہ بنایا۔ مشاعروں کی محفلوں کا یہ رکھ رکھاؤ اور شائستگی اور تہذیب آج کے مشاعروں میں باقی نہیں اس دور کے عام سماجی اور معاشرتی ماحول میں تہذیب و شائستگی کا یہ انداز ہی رائج تھا۔ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ہمارا عام معاشرہ جس تہذیبی زوال سے دوچار رہا ہے اس نے اس ثقافتی ادارے پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

---

[۲۴] جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات، ص ۲۴۔۲۵

مشاعروں نے ذوق شعری، اصلاح سخن اور لفظیاتی تنقید نو وارد شعراء کی حوصلہ افزائی اور زبان و بیان کی درستی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو شاعری کے قدیم تذکروں اور گلدستوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان مشاعروں نے اصلاح سخن کا فریضہ تنقیدی نشستوں کی طرح انجام دیا ہے مشاعروں ہی کی بدولت اچھے اشعار اور اچھے شعراء سامعین سے متعارف ہوئے۔ مشاعرہ صرف تفریح طبع کا مشغلہ نہیں بلکہ شعراء کے کلام کی تحسین و تفہیم اور نو آموزوں کی حوصلہ افزائی اور تربیت کا موثر ذریعہ بھی ہے اور آج بھی مشاعرے اس فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ مشاعرے جب نجی محفلوں سے نکل کر عوامی سطح تک آ گئے تو اس میں کچھ تبدیلیاں آ گئیں اب شعراء کی خوش گوئی اور بلند فکر سے زیادہ خوش گلوئی یعنی ترنم کو پسند کیا جانے لگا۔ داد دینے کے معیار بھی بدل گئے قدیم مشاعروں کی شائستہ نوک جھونک اور معرکے ہوٹنگ میں بدل گئے۔ تحت اللفظ پڑھنے والا بڑا شاعر بھی اتنی داد نہیں پاتا جتنا ایک معمولی درجے کا مترنم شاعر داد و تحسین کا حقدار قرار پاتا ہے۔

مشاعرے کو ایک روایتی اور ثقافتی ادارہ قرار دیا جاتا ہے روایتی اور ثقافتی ادارے کے منظر نامے سیاسی اور سماجی عوامل تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ہماری دیگر سماجی تقریبات کے بھی آج وہ آداب نہیں رہے جو آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تھے سب کے انداز بدل گئے ہیں تو پھر مشاعرہ وہی کیسے رہ سکتا ہے۔ آج کا مشاعرہ شعر و ادب کی ترویج اور ذہنی اور ذوقی تربیت سے زیادہ معاشرتی اور سماجی اغراض کو پورا کرتا ہے چونکہ مشاعرہ شعر و ادب کا عوام سے رابطے کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے اور شاعری عوام کو کروٹ دینے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

عہد حاضر میں مشاعرے کی اہمیت و افادیت

عہد حاضر میں مشاعرہ ایک ہمہ جہت ثقافتی ادارہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ کشمیر کی آزادی ہو یا افغانستان کی جنگ آزادی، فلسطین کا مسئلہ ہو یا بوسنیا کے مسلمانوں کی زبوں حالی، جنگ اور امن کی کوئی یادگار منانی ہو یا انتخابات کی مہم ہو، کسی مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنا ہو یا کسی زندہ شخص کا اعزاز و اکرام بڑھانا ہو۔ کسی بڑے عشائیہ کی معرفت ارباب اختیار کو خوش کرنے کا مسئلہ ہو یا سماجی رتبے کے لیے کسی گھریلو تقریب کو ادبی رنگ دینا ہو، شہرت حاصل کرنی ہو، فلاح و بہبود کا کام کرنا ہو چندہ یا امداد اکٹھی کرنی ہو ہر کام کے لیے انتہائی مقبول اور کارآمد مشاعرہ ہے۔ عہد حاضر میں مشاعرے میں بہت سی ظاہری تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اس کے باوجود روحِ مشاعرہ متاثر نہیں ہوئی۔

اگرچہ مشاعروں کی پہلی سی ادبی اور لسانی اہمیت باقی نہیں لیکن اردو زبان کی ترویج واشاعت میں اس کی اہمیت ساری دنیا میں ہونے والے اردو مشاعروں کی وجہ سے اب بھی باقی ہے۔

''اردو زبان کے بین الاقوامی مزاج، اس کی لسانی تشکیلات، انداز شاعری، مختلف اسالیب سخن واصناف، الفاظ کے مرکبات و مستعملات، زبان کی مٹھاس، قوت جذب وکشش کے سلسلے میں جتنی مؤثر اور کارگر آگہی ایک مشاعرہ اپنے سامعین کو فراہم کرتا ہے کوئی دوسرا ادارہ فراہم نہیں کرتا......شعریت اور ترنم سے معمور مشاعرے کی فضا سامعین کو لاشعوری طور پر اپنی طرف کھینچتی ہے۔۔۔ آخر ان میں سے بہتوں کو شعوری طور پر بھی زبان کو جاننے، سمجھنے اور اسے سیکھنے پر مائل کرتی ہے۔''۲۵

بین الاقوامی مشاعروں کا ایک اور افادی پہلو بھی ہے جس کی طرف ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو مشاعرہ جغرافیائی حدود وقیود اور رنگ ونسل کے امتیازات وذاتی سود وزیاں سے بالاتر ہوکر بین الاقوامی طور پر بغض ونفرت کے اندھیرے مٹاتا رہا ہے اور خلوص وامن اور الفت وچاہت کی شمع روشن کرتا رہا ہے گذشتہ چار دہائیوں میں یورپ، امریکہ، افریقہ اور مشرق وسطیٰ اور دیگر ممالک میں مقیم تارکین وطن نے مشاعرہ کے ذریعے ان احساسات وجذبات کو دلوں میں راسخ کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے''۔۲۶

مشاعروں کا ماحول اور فضا تبدیل ہوکر نئے سیاسی اور سماجی حالات کے تحت عہد حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوکر اپنی اہمیت وافادیت تسلیم کروا رہی ہے۔ مشاعرے میں پڑھا جانے والا کلام اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے ہر دور کا شاعر اپنے عہد کی سچائیاں، کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں شعر کے پیرائے میں بیان کرتا ہے اور سامع کی آگہی کا وسیلہ بنتا ہے۔ آج بھی اگر ہم ملک یا شہر کے حالات جاننا چاہیں تو کسی مشاعرے میں

---

۲۵ فرمان گلیوری، مشاعرہ ایک مقبول عام ثقافتی ادارے (مضمون) ص ۱۴

۲۶ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مشاعرہ ایک انسٹی ٹیوشن مشمولہ پیش رفت انٹرنیشنل، جون ۲۰۰۳ء ص ۱۲

پڑھا جانے والا کلام معاون ہوسکتا ہے کیونکہ ادب تنقید حیات اور عصر پیا ہے۔ عہد حاضر میں بھی جہاں تک ادب، تنقید اور دیگر فنون کا تعلق ہے تو آج کا آمر بھی ماضی کے بادشاہ کی مانند اس کے فروغ اور معیار پر اثر انداز ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ اب شخصی پسند ناپسند کے بجائے نظریہ، تصور اور مذہب کے نام پر ہوتا ہے آج کے دور میں بھی اہل قلم عتاب کا نشانہ بنتے ہیں ان پر زبان بندی اور جلاوطنی کی تعزیریں لگتیں ہیں۔

حکومت و حکمران کی تبدیلی کے اثرات کا مشاہدہ کرنا ہو تو ہم برصغیر میں انگریزوں کے دور حکومت کو دیکھ سکتے ہیں جس میں فورٹ ولیم کالج کے تحت سادہ نثر نگاری کا فروغ ادب وشعر کی نئی اصناف کا آغاز و ارتقاء جو انگریزی تعلیم کے عام ہونے سے ہوا۔ نئے تعلیمی ماحول نے قومی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس ماحول میں چند تعلیمی اداروں مثلاً علی گڑھ یونیورسٹی، جامعہ عثمانیہ، جامعہ ملیہ اور انجمن پنجاب نے مختلف علوم وفنون کے ساتھ ادب اور نقد کو بھی نئے خیالات اور تصورات سے متعارف کروایا۔ ان مثبت اثرات کے ساتھ کچھ منفی اثرات بھی تبدیل ہوئے۔ انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کیا تھا جس سے بالواسطہ اُردو زبان کو فروغ ملا۔ انگریزوں نے اردو زبان کو فروغ بھی اس لیے دیا تھا کہ وہ فارسی کو ختم کرنا چاہتے تھے کیونکہ فارسی شہنشاہی دور کی یادگار اور مسلمانوں کی زبان تھی۔ جب اُردو نے اس حد تک فروغ پالیا تو بعد میں انہوں نے اردو کی بھی مخالفت شروع کی اور انگریزی کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا۔ ان کے متعصّبانہ رویے نے جہاں اُردو زبان کے لیے اُردو ہندی مسئلے کو ہوا دی جس نے آگے چل کر مسلمانوں کے لیے بڑی مشکلات کھڑی کر دیں اور مسلم ہندو فرقہ واریت کو بڑھا دیا۔ انگریز تعلیم کے عام ہو جانے سے مسلم معاشرے اور تہذیب وتمدن پر جو اثرات مرتب ہوئے اکبر الہ آبادی کی شاعری اس کی گواہ ہے۔ اسی طرح ہر دور میں حکمران اور ان کے نظریات ادب وفن پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اب تو دنیا اس قدر سمٹ گئی ہے کہ عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں ترقی پذیر ممالک پر ترقی یافتہ ممالک کے اثرات بھی ادب و شعر پر واضح دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے ادب کو زیست پیما اور آئینہ عصر کہا جاتا ہے کہ ادب کے آئینہ میں ہر تبدیلی کا عکس دیکھا جاسکتا ہے اور اس طرح ادب تاریخ کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔

تقسیم سے پہلے ہونے والے بڑے بڑے مشاعروں کے احوال میں مدعو شعرا کی مہمان نوازیوں کا ذکر ملتا ہے۔ تقسیم کے بعد اس قسم کے مشاعرے جو پہلے کل ہند مشاعرے کہلاتے تھے بعد میں پاکستان میں

ہونے والے مشاعرے پاک و ہند مشاعرے اور ہندوستان میں ہونے والے مشاعرے انڈو پاک مشاعرے کہلانے لگے۔ ان مشاعروں میں ہندوستان پاکستان کے شعراء بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ معروف انجمنیں، تنظیمیں، بینک اوران کے مالکان بھی مشاعرے کرواتے ہیں جن میں عالمی مشاعرے بھی ہوتے ہیں ان مشاعروں میں شعرا کو اچھا اعزازیہ ملتا ہے اور مہمان نوازی بھی خوب ہوتی ہے جن شہروں اور ملکوں میں عالمی قسم کے مشاعرے ہوتے ہیں وہاں دو تین ہفتے بہت سے ذیلی مشاعرے بھی ہوتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن پر اہم قومی تہواروں پر اور شعراء کی یاد میں مشاعرے ہوتے ہیں۔ یادگاری مشاعرے ادبی انجمنوں کے تحت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ امدادی مشاعرے بھی ہوتے ہیں جو کسی مقصد کے لیے فنڈ جمع کرنے یا کسی شاعر یا ادیب کی امداد کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ مشاعروں میں ٹکٹ بھی ہوتے ہیں جو منتظم کی مالی منفعت کے ساتھ شاعر کا بھی بھلا کرتے ہیں اس کے علاوہ ساری دنیا میں ہونے والے ان مشاعروں کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ بنتے ہیں جو مدتوں دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔

شعر کی تاثیر اور قوت آج بھی تسلیم شدہ ہے حکمران آج بھی اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ ان کا کوئی عمل شاعر کی تنقید کا نشانہ بنکر تاریخ کا حصہ نہ بن جائے۔ اہل قلم کی فضیلت آج بھی مانی ہوئی ہے دور زبان بندی میں بھی شاعری کے رمز اور اشارے کنائے بہت سی ان کی کہی کہانیاں سُنے جاتے ہیں۔ آج کا شاعر جدید ترقی یافتہ دنیا کا باشندہ ہے وہ ذرائع ابلاغ کے وسیلے سے مشاعروں کے ذریعے شہرت اور ثروت حاصل کرتا ہے۔

غزل مشاعروں میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک جینا ن معنی رکھتا ہے۔ دو مصرعوں میں کہی جانے والی بات اگر سامع کے احساس یا تجربے کی ہو تو وہ شعر فوراً یاد ہو جاتا ہے اور سامع اس کے ذریعے نہ صرف اپنے ذوق شعری کی تسکین کرتا ہے بلکہ اپنے احساس کو کسی دوسرے کی زبان سے سن کر ایک احساس مسرت و تسکین محسوس کرتا ہے۔ غزل کے ایسے ہی بے شمار اشعار زبان زد خاص و عام ہو کر ضرب المثل بن جاتے ہیں۔ غزل گو شاعر لفظوں کے انتخاب اور ترتیب الفاظ میں ترنم اور موسیقیت کا خاص خیال رکھتے ہیں اس لیے سامع کو تحت اللفظ میں پڑھی جانے والی غزل بھی عموماً متاثر کرتی ہے۔ آج تو غزل کا موضوع اس قدر وسعت اختیار کر چکا ہے کہ اس میں ہر خیال شامل ہو گیا ہے سیاسی سماجی مسائل، اخلاقیات و

تصوف، حسن وعشق وغیرہ میں آج دنیا سمٹ کر ایک ہوگئی ہے ساری دنیا میں ہونے والی سیاسی اور سماجی تبدیلیاں آج اردو شاعری کا موضوع ہیں۔عہد حاضر میں اردو صرف پاک و ہند تک محدود نہیں رہی ایک عالمی زبان بن چکی ہے دنیا کے بے شمار ممالک میں نہ صرف اردو زبان بولنے والے موجود ہیں بلکہ اردو کے مشاعروں کا رواج قائم ہے اور ہر ملک میں وہاں کے مقامی باشندوں میں بھی اردو زبان بولنے لکھنے اور سیکھنے کا شوق پیدا ہونے لگا ہے اردو کی اس عالمی مقبولیت کا سہرا مشاعروں ہی کے سر ہے۔ان عالمی مشاعروں اور ہندو پاک میں ہونے والے بڑے عالمی مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام عموماً ہر شاعر کا وہ مقبول ترین کلام ہوتا ہے جو وہ ہر مشاعرے میں پڑھ کر داد پا رہا ہوتا ہے۔ بیرونی ممالک میں بھی کلام کی اس تکرار کا مظاہرہ ہوتا ہے تازہ غزل یا نظم نہ پڑھنے کی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ شاعر سامعین کی بیداد برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور ایک بار جو کلام مشاعرے میں مقبول ہوجائے پھر وہی پڑھتا رہتا ہے۔اس طرح مشاعروں کے سبب شاعری میں جو تازگی فکر نظر آتی تھی اب باقی نہیں۔طرحی مشاعروں کا رواج بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے۔عہد حاضر کے شاعر مشاعروں میں مخصوص کلام پڑھتے ہیں اور ان کا تازہ کلام ان کے مجموعے میں شایع ہونے کے لیے ہوتا ہے آج عموماً شعراء اپنا کلام پہلے شائع کرواتے ہیں اور مشاعروں میں بعد میں شریک ہوتے ہیں نوجوان شعراء اور خواتین شاعرات کو بطور خاص مشاعروں کی رونق بڑھانے کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ یہ نو وارد شاعر صاحب کتاب بھی ہوتے ہیں مگر مشاعروں میں اگر بیداد کا شکار ہو جائیں تو ان کی کتابیں بھی نہیں بکتیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شاعری پڑھنے سے زیادہ سننے اور سنانے کی چیز ہے۔ ہماری شاعری کی تاریخ میں میرؔ و غالبؔ نے بھی اپنے دیوان مقبولیت کے بام عروج پر پہنچ کر شائع کروائے اقبالؒ نے بھی اپنا ابتدائی کلام مشاعروں میں پڑھا، نظمیں، انجمن حیات اسلام کے جلسوں میں پڑھیں مقبولیت حاصل ہوئی پھر مجموعہ چھپا۔یعنی مشاعرے شاعر کو متعارف کروانے اور مشہور کروانے کا اہم ذریعہ ہیں آج کے شاعر اس وسیلہ کو کام میں لائے بغیر مشہور ہونا چاہتے ہیں اور اکثر مایوس ہوتے ہیں۔

مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام سامعین کے ذوق کے مطابق ہو تو داد ملتی ہے ورنہ بیداد۔اس وجہ سے بعض شاعر مشاعرے کا ماحول دیکھ کر اپنا کلام سناتے ہیں یا مشاعروں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے سامعین کے معیار کے مطابق اشعار کہتے ہیں اس سے شاعری میں تنوع کا فقدان ہو جاتا ہے۔آج کل کے

مشاعروں میں سیاسی موضوعات پر کی جانے والی شاعری زیادہ مقبول ہوتی ہے۔مشاعروں میں غزل کے علاوہ قطعات اورغزلیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔عہد حاضر میں مزاحیہ شاعری نے بڑی ترقی کی ہےاور مشاعروں میں بھی مزاحیہ قطعات اورغزلیں بھی پڑھتی جاتی ہے۔مزاحیہ شاعری کی صورت میں حکومت وحکمران،معاشرہ اورافرادکو جب طنز کا نشانہ بناتی ہےاور معاشرتی برائیوں اورقدیم شکستہ اقدار کا ایسے مزاحیہ پیرائے میں اظہار کرتی ہے کہ بعض اوقات شکر میں لپٹی کونین کا کام کرجاتی ہےادیب کے منصب میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عصر کی عکاسی کرے معاشرے کی سچی تصویر کشی کرے اور یہ بھی کہ دنیا کیسی ہے اوراسے کیسا ہونا چاہئے۔مشاعرے کے اسٹیج سے شاعر سامع کو مسائل سے آگاہ کرتا ہےان کو دعوت فکر دیتا ہے۔ایسی شاعری جواپنے عہد کی عکاس ہو بڑی شاعری ہے مشاعروں میں مزاحیہ شاعری کے جوقطعات پڑھے جاتے ہیں ان میں بعض اوقات صاحب اقتدار لوگوں اور معاشرے پرطنز کے ایسے بلیغ اشارے ہوتے ہیں جن کی اہمیت تاریخ سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔آج کا مشاعرہ عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کوموضوع بنارہا ہےاور عام سامع کی تفریح طبع کے ساتھ اسے دعوت فکر بھی دے رہا ہے۔مشاعروں میں پڑھے جانے والے اکثر قطعات میں حالات حاضرہ پرتنقید یا تبصرہ ہوتا ہے۔شعر کے اثر وتاثیر اور شاعری کی مقبولیت کا دارومدار مشاعروں پر بھی ہے۔شعر کی قوت تاثیر کا ہرکوئی معترف ہے۔

مشاعروں میں عام طور سے سادہ کلام پسند کیا جاتا ہے یا پھر مزاحیہ کلام خاص طور سے بہت پسند کیا جاتا ہےاس وجہ سے آج کے مشاعرے اکثر مزاحیہ مشاعرے بن جاتے ہیں اور مزاحیہ شاعری میں بھی بعض شعراء کے ہاں عامیانہ انداز ملتا ہے جواگرچہ مشاعروں کا تو مقبول کلام ہے مگر اردوشاعری کونقصان پہنچارہا ہے مشاعروں کے رواج عام نے اور شاعروں کو ملنے والی شہرت اور ثروت نے کئی نوجوانوں کوشاعری کی طرف مائل کردیا ہے جن کے ابتداء کرتے ہی مجموعے بھی شائع ہوگئے ہیں ایسے ہنگامی شاعروں کا کلام مقدار میں تو بہت زیادہ ہے مگر معیار کے اعتبار سے اعلیٰ نہیں سمجھا جاسکتا۔پھر خواتین شاعرات میں بھی مشاعروں میں ملنے والی پذیرائی نے بہت تیزی سے اضافہ ہورہا ہے جن میں سے چند مستند شاعرات کو چھوڑ کر بڑی تعداد ایسی شاعرات کی ہے جومشاعرے کے اسٹیج پر پڑھنے کے لیے کلام اساتذہ سے لکھواتی ہیں۔اس سے شاعری پر جومنفی اثرات مرتب ہورہے ہیں ان کا ہمارے منتظمین مشاعرہ کوشاید کوئی احساس نہیں۔اسی طرح ترنم سے

پڑھنے کے رواج نے شاعرات کو مشاعروں میں مقبول کر دیا ہے اور اکثر ترنم کے پودے میں غیر معیاری یا بھرتی کے اشعار بھی پسند کر لیے جاتے ہیں۔

مجموعی طور سے ہندو پاک میں ہونے والے عہد حاضر کے مشاعروں میں شاعری کا معیار گرتا جا رہا ہے اور مشاعرے کا معیار بڑھتا جا رہا ہے مشاعرے کاروبار بن گئے ہیں بڑے پیمانے پر منعقدہ مشاعروں میں شاعروں کی مسابقت اور بدعہدی کی کہانیاں عام ہیں۔ آج مشاعرے فروغ تو پا چکے ہے مگر شاعری اور معیار شاعری پست ہوتا جا رہا ہے خود استاد شعراء اور مستند شاعرات کو چھوڑ کر نوجوان شعراء کی پوری ایک کھیپ عوامی مذاق کے مطابق شاعری کر کے مشاعروں کی کامیابی اور اپنی شہرت کی ضامن بن گئی ہے۔ حالؔی نے جب قدیم شاعری اور خصوصاً غزل پر اعتراض کیے اور مقدمہ لکھا اس وقت بھی حالؔی نے شاعر کو اپنی شاعرانہ استعداد سے معاشرے کے لیے بہت کچھ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

> ''شاعری کوئی اکتسابی چیز نہیں بلکہ بعض طبیعتوں میں اس کی استعداد خداداد ہوتی ہے۔ پس جو شخص اس عطیہ الٰہی کو متقضائے فطرت کے موافق کام میں لائے گا ممکن نہیں کہ اس سے سوسائٹی کو کچھ نفع نہ پہنچے''۔ ۲۷

حالؔی کے مشورے پر عمل کر کے آج بھی ہم جبکہ ہمارے ہاں مشاعرے کا ادارہ اس قدر فروغ پا چکا ہے معاشرے کی بہتری کی کوشش کر سکتے ہیں۔ عہد حاضر میں مشاعروں کو کاروصارفیت نے مجروح کیا ہے اور اس کی وجہ سے شاعری کا معیار و وقار بھی متاثر ہوا ہے آج کا شاعر بھی ذہن و فکر رکھتا ہے اور اس کی شاعری جذبہ و احساس کے لطیف گوشوں کی ترجمانی کے ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں اور عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں اور مسائل کا ذکر اپنی شاعری میں کر رہا ہے۔ مگر مشاعروں کا عام مزاج ہلکی پھلکی، سیاسی، مزاحیہ، یا عشقیہ شاعری تک محدود ہو گیا ہے جو شاعری پر مثبت کم اور منفی اثرات زیادہ مرتب کر رہا ہے۔

اردو شاعری کے فروغ میں مشاعروں کا کردار مسلم ہے اسی طرح عہد جدید میں ہندو پاک سے باہر اردو زبان کو متعارف کروانے اور دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے والے مشاعرے ہی ہیں۔ بیرونی ممالک میں ہونے والے مشاعروں میں بالخصوص اور ہندو پاک کے مشاعروں میں بالعموم شعریت اور ترنم سے

---

۲۷ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، ص ۳

بھرپور فضا سامعین کو لاشعوری طور پر اپنی طرف مائل کرتی ہے اردو زبان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔زبان رنگ آہنگ کا خوش گوار احساس دلاتی ہے۔اس طرح بہت سے لوگ شعوری طور پر زبان سیکھنے اور سمجھنے کی طرف مائل ہوجاتے ہیں آج کا مشاعرہ ساری دنیا میں اردو کا جادو جگا رہا ہے۔مشاعروں کی بدولت اردو زبان اور شاعری کا افق بہت وسیع ہوگیا۔آج یورپ، انگلستان، کینڈا، چین، جاپان، آسٹریلیا، امریکہ، عرب ممالک وغیرہ میں اردو زبان بولنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔اس کے ساتھ اردو کے دلچسپی رکھنے والے دیگر اقوام کے لوگ بھی ہیں۔اردو کی اس مقبولیت میں کسی باقاعدہ ادبی تحریک، تعلیمی یا تدریسی تحریک یا ادارے سے زیادہ حصہ مشاعروں کا ہے۔

2. جموں وکشمیر اکیڈمی کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کا تعین قدر:

☆ مشاعرے:

ادب فنون ولطیفہ کی سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور لطیف صورت ہے اور ادب کی سب سے زیادہ مقبول، قدیم اور فطری شکل شاعری ہے۔ تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی دور ایسا گزرا ہو جب شعر کہنے اور سننے والے موجود نہ رہے ہوں انسانی احساسات وجذبات کے اظہار کے اس فن لطیف نے انسانی تہذیب کی ترقی کے ساتھ ارتقاء کی منزلیں طے کیں اسی طرح کلام شاعر بزبان شاعر سنانے کے روایت بھی دنیا کی ہر زبان کے ادب میں موجود ہے۔ مشرقی زبانوں میں سخن فہمی اور سخن سنجی کی روایت ''مشاعرہ'' کہلائی کیونکہ ادبی اصطلاح میں مشاعرہ اس محفل کو کہتے ہیں جہاں سخن گو اپنا کلام سامعین کو سنائے۔ بقول رام بابو سکسینہ:

> ''مشاعرہ یعنی شاعروں کا ایسا اجتماع جن میں شعراء تقابلی وتابق کا جذبہ لے کر جمع ہوں اور شائقین سخن کو اپنا اپنا کلام سنا کر داد لیں''۔۲۸

مشاعرے اردو زبان میں عربی اور فارسی زبان کی شعر خوانی کی محفلوں کی روایت کے تحت رائج ہوئے ان مشاعروں نے اردو شاعری کے فروغ شعراء کی تربیت، سخن فہمی کے ذوق کے ارتقاء اور ادبی ذوق کی تربیت میں ایک ادبی ادارے کا کردار ادا کیا اس کے ساتھ ساتھ مشاعرے کو ایک تہذیبی اور ثقافتی ادارہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ عربی فارسی کی اس روایت کو ادبی جشن کا اندازہ عطا کرنے میں ہندوستانی تہذیب کے اثرات بھی مرتب ہوئے کیونکہ ہندوستان میں میلوں اور مختلف مذہبی اور قومی تہواروں کو جشن کی صورت میں منانے کی روایت موجود ہے۔ مشاعرے کا ادارہ دیگر ثقافتی اداروں کی طرح مروز ایام کے اثرات قبول کرنا ترقی کی منزلیں طے کرنا ہوا عہد حاضر میں بھی اپنی اہمیت تسلیم کروا رہا ہے۔ مشاعرہ ہماری ایسی تہذیبی روایت ہے جس نے ہماری محبتوں کے جذبات کو بیدار کیا جس کی بدولت مشاعرہ شائستگی، رواداری، سلیقہ، رکھ رکھاؤ کا مظہر بن گیا۔ مشاعرے ہی نے شعر وشاعری کے ذوق کو عام کر کے ہماری عام زندگی کا حصہ بنا دیا۔ شاعری سننے سے خوشگوار زندگی بسر کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ شعر محبت شائستگی

---

۲۸ رام بابو سکسینہ، تاریخ اردو ادب، ص ۲۸

رواداری اور تحمل پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔شاعری ہی سے انسان میں اپنی ذات کے محدود دائرے سے نکل کر دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔شاعری دلوں کے بوجھ کو ہلکا کر کے جذباتی گھٹن کو دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔ مشاعروں میں مختلف شاعرانہ ذوق رکھنے والے سامعین ہوتے ہیں ان میں سب کے سب اعلیٰ شاعرانہ فہم کے حامل نہیں ہوتے مگر مشاعرے کے مخصوص ماحول اور فضا میں ایک سامع اور شاعر کے درمیان جو باہمی ربط پیدا ہو جاتا ہے اس میں شعر کی نزاکت کو نہ سمجھنے والا سامع بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مشاعرہ کو ایک ثقافتی ادارہ کہا جاتا ہے۔

مشاعرہ ایک علمی وادبی انجمن ہونے کے ساتھ ایک معاشرتی اور ثقافتی ادارہ بھی ہے۔کیونکہ اس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے شریک ہوتے ہیں اور باہمی ربط پیدا ہوتا ہے نیز افہام وتفہیم کا موقع بھی ملتا ہے۔ادیب معاشرے کا فیاض ہوتا ہے۔شاعر معاشرے پر گہری نظر رکھتا ہے اس کے ذاتی یا اجتماعی تجربہ اور احساس میں شریک ہوکر سامع بہت کچھ حاصل کرتا ہے۔معاشرے کی تشکیل میں فرد، جماعت اور ادارے کے باہمی ربط اور تعلق کی اہمیت مسلم ہے ہر ثقافتی ادارہ اپنے دائرہ عمل میں معاشرے کی بہبود کا کام کرتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مشاعرے کے اثر ونفوذ نے علم وادب کی تاریخ میں اور اردو ادب کی تاریخ میں اپنی اہمیت منوائی ہوئی ہے۔اس کی ایک اہم وجہ مشاعرہ بھی ہے۔مشاعرے میں شاعر کا کلام براہ راست سامع تک پہنچتا ہے جس کی بدولت شاعر اور سامع کے مابین ایک ربط خاص قائم ہوتا ہے۔مشاعرے ہی کی بدولت شاعر اور سامع کے درمیان ایک رشتہ افہام وتفہیم بھی پیدا ہوتا ہے اور شاعر اور سامعین کے درمیان ربط ویگانگت کی ایک خوش گوار فضا قائم ہو جاتی ہے۔ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز نے اپنے قیام کے بعد ہی اس روایت کو برقرار رکھا اور اردو مشاعرے کروانے کا سلسلہ شروع کیا۔جو ۱۹۶۰ء سے آج تک برقرار ہے۔

کلچرل اکیڈمی کی یہ روایت رہی ہے کہ ہر سال مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ان مشاعروں میں مقامی شعرا حضرات کے علاوہ دوسری ریاستوں سے بھی شاعر شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔شاعروں کے اشتراک سے بزم شعر منعقد ہوتی ہے مقامی شعراء دنیا کے اہل ذوق مشاہیر کے روبرو اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔اور ان کی شعری تخلیقات سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ان مشاعروں کے لیے ریاست اور

ریاست سے باہر بھی خصوصی شعراء حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے۔ان مشاعروں میں جن شعراء حضرات نے اپنی شرکت سے وادی میں اکیڈمی کے ان مشاعروں کو چار چاند لگائے ہیں۔ کچھ نام ایسے ہیں جن سے ان مشاعروں کا تعین قدر متعین کرنا آسان ہوجاتا ہے کہ یہ مشاعرے جو جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کی روایت ہیں کتنے اعلیٰ پائے کے ہیں ان مشاعروں میں سردار جعفری، شمس الرحمان فاروقی، کرشن چندر، سلمیٰ صدیقی، آل احمد سرورؔ، کشمیری لال ذاکر، عصمت چغتائی، جگن ناتھ آزاد، جوگندر پال، اختر الایمان، فراق گورکھپوری، مخدوم محی الدین، خلیل الرحمان اور جگر مرادآبادی وغیرہ جیسی ادبی شخصیتوں نے شرکت کی ہے اور آج بھی ہر سال جب ۲۶ جنوری کے موقع پر جب کل ہند مشاعرہ ہوتا ہے تو اکیڈمی اعلیٰ پائے کے شاعروں کو مدعو کرتی ہے۔

سرکاری زبان ہونے کے باوجود اردو زبان کشمیریوں کے لیے دوسری زبان کا درجہ رکھتی ہے اور یہاں کے اردو شعراء نے بھی ہر دور میں اپنی حیثیت منوائی ہے۔اس سے مقامی ادیبوں کی اردو زبان سے والہانہ محبت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کشمیریوں کے ادبی حلقے نے اردو ادب کی مشہور شخصیات کو متاثر کیا اور انہوں نے وادی کشمیر کی ادبی خدمات کو اردو ادب کی نشو ونما اور اردو زبان وادب کو اپنے گھر سے تعبیر کیا ہے۔ریاست جموں و کشمیر کی سرزمین سے ایسے افق نمودار ہوئے جنہوں نے اپنی روشنی سے پوری دنیا کو منور کیا۔ان نامور شخصیات میں سے اکثر کا تعلق اردو زبان وادب سے تھا ان لوگوں کا خمیر سرزمین کشمیر میں تیار ہوا اور پھر فنی صلاحیتوں کا لوہا پوری دنیا میں منوایا۔ان ادیبوں اور مشاعروں میں سرفہرست علامہ اقبالؒ آتے ہیں۔بقول موتی لال ساقی:

> ''کشمیر کے مایہ ناز سپوت شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کی پیدائش کا جشن ۱۹۷۷۔۷۸ء کے دوران ساری دنیا میں منایا گیا۔اس یادگاری جشن کو شایان شان طور پر منانے کے لیے اکیڈمی نے تقریبات کا سلسلہ کافی وسیع کر دیا جس کے نتیجے میں علامہ کی شاعری اور فلسفے کی گونج ساری ریاست میں سنائی دینے لگی۔''[۲۹]

---

[۲۹] موتی لال ساقی ساز کی لے تیز کرو (زبان وادب)، صفحہ نمبر ۲۹۸

کلام اقبالؔ پر طرحی مشاعروں کا اہتمام تقریبات کا حصہ تھا اس سلسلے میں اُس سال یعنی (۷۸۔۱۹۷۷ء) میں تین مشاعرے منعقد کئے گئے جن میں سے دوسری نگر میں اور ایک جموں میں ہوا۔

شاعری کی تاثیر مسلمہ ہے شاعری نے قوموں کی تقدیر بدلنے میں جو کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ عالم اس کی شاہد ہے۔ یونان کے شاعر سلون نے اپنی شاعری سے قوم میں تازہ ولولہ پیدا کیا۔ باترن کی ایک نظم نے قوم کو بیدار کرنے میں معاونت کی۔ عرب شاعر امشی جس کی تعریف میں شعر کہہ دیتا اس کی شہرت ہو جاتی۔ رودکی کے اشعار نصر کو دارالسلطنت واپس لے جانے کا سبب بنے۔ عمر خیام کی ایک رباعی سن کر ''سیر بھیک'' جو ایک مشہور بزرگ تھے تڑپنے لگے عربی شاعری کے کلام سے میدان جنگ میں طبل کا کام لیا جاتا تھا۔ برصغیر ہندو پاک کی سیاسی تاریخ میں شاعری نے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ حالیؔ کی نظموں نے مجموعے کو رلا دیا تھا وہی اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ پوری دنیا کے انسانوں کو انسان بننے کا فلسفیانہ پیغام دیتے ہوئے خود شناس بننے کا درس دیا۔

مشاعروں میں شاعر کا کلام اسی کی زبان سے جب براہ راست قاری کی سماعتوں تک پہنچتا ہے تو اس کا اثر مطبوعہ حرف سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ کسی بھی شعر کی پسندیدگی کی اہم وجہ یہ ہوتی ہے کہ شاعر اور سامع کا احساس یا تجربہ یکساں ہو تو سامع شعر سن کر گویا یہ بھی میرے دل میں ہے کہ مصداق اشتراک احساس سے سرشار ہو جاتا ہے اور شاعر کی زبان سے اپنی کیفیت کی ترجمانی اسے مسرت عطا کرتی ہے۔

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچرل اینڈ لینگویجز ۱۹۶۰ء سے لے کر آج تک کئی مشاعرے کروانے کی اپنی روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہے جو مقامی طور پر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جموں وکشمیر اکیڈمی ہر سال یوم جمہوریہ کے موقع پر آل انڈیا اردو مشاعرہ کرواتی ہے۔ اس بارے میں محمد یوسف ٹینگ رقم طراز ہیں:

> ''مقامی طور پر مشاعروں کے انعقاد کے علاوہ اکیڈمی تقریباً ہر سال کل ہند مشاعروں کا اہتمام کرتی ہے''۔[۳۰]

۳۰؎ محمد یوسف ٹینگ، ساز کی لے تیز کرو، (زبان وادب)، ص ۴۲۰

ان مشاعروں میں جن شعراء حضرات نے شرکت کی ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں:

26/جنوری،1960ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب جگن ناتھ آزاد (دہلی)	2	جناب سلام مچھلی شہری (دہلی)
3	جناب ترلوک چند کوثر	4	جناب شمیم کرہانی
5	جناب ساحر ہوشیار پوری		

26/جنوری،1961ء کل ہند مشاعرہ کے شعراء کے نام

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب غلام رسول نازکی	2	جناب رسا جاودانی
3	جناب ترلوک چند کوثر	4	جناب فنا نظامی کانپوری
5	جناب فاضل کشمیری	6	جناب حامدی کشمیری

28/جنوری،1964ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب زیڈ سیمی	2	جناب ہر بھگوان شاد
3	جناب عابد مناوری	4	جناب میکش کشمیری
5	جناب کشن سمیلپوری	6	جناب مہندر رینہ
7	جناب پورن سنگھ ہنر	8	جناب عرش صہبائی
9	جناب امر چند قیس	10	جناب اختر رضوانی
11	شری نندہ لال کول طالب	12	جناب جگن ناتھ آزاد
13	جناب روشن صدیقی	14	شری ودیا رتن عاصی
15	شری خمار جالندھری	16	شری رہبر جدید
17	شری اندر جیت لطف	18	شری طالب امین آبادی

29/ستمبر، 1964ء سری نگر

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب خلیل الرحمان اعظمی	2	جناب نشور واحدی
3	جناب شاذ تمکنت	4	جناب جگن ناتھ آزاد
5	جناب فضا ابن فیضیؔ	6	جناب انور مرزاپوری
7	جناب روشن صدیقی	8	حکیم شاداں اندوری
9	شری مہندر رینہ	10	جناب شہزور کشمیری
11	جناب کمال احمد صدیقی	12	جناب قاضی غلام محمد
13	جناب میر غلام رسول نازکی	14	جناب قیصر قلندر
15	جناب نندہ لال کول طالبؔ	16	جناب میکش کشمیری
17	جناب عرش صہبائی	18	جناب رسا جاودانی
19	جسٹس مرتضیٰ فضل علی دلؔ	20	جناب کمال الدین شیداؔ
21	جناب حامدیؔ کشمیری	22	جناب وامق جونپوری

12/اگست، 1967ء سری نگر

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب عرش صہبائی	2	جناب علی سردار جعفری
3	جناب دینا ناتھ نادمؔ	4	شری رام ناتھ شاستری
5	شری وید پال دیپؔ	6	جناب قیصر قلندر
7	جناب رحمٰن راہیؔ	8	جناب غلام نبی فراقؔ
9	جناب رشید نازکیؔ	10	جناب قاضی غلام محمد
11	جناب ایوب پریمیؔ	12	شری ششی شیکھر توشخانی
13	جناب کمال احمد صدیقی	14	پروفیسر حامدی

15	جناب فاروق نازکی	16	شری مکھن لال بیکسؔ
17	جناب فاضل کشمیری	18	شری یش شرما
19	جناب شبیب جعفری		

20؍جنوری،1968ء جموں

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	شری سرویشور دیال سرینا	2	شری راما نند دوشی
3	شریمتی کانتا بھارتی	4	شری رمیش رنجیت
5	شری شمبو ناتھ سنگھ	6	شری موہن نراشؔ
7	شری رتن لال شانتؔ	8	شری ششی شیکھر توشخانی
9	شری سبھاش بھادرواج	10	شری چندرکانت جوشی
11	شری جوتیشور پتھکؔ	12	شری ایم۔ آر چنچلؔ
13	شری کہر سنگھ مدھوکر	14	شری اوما شنکر تیواری

28؍جنوری،1968ء جموں

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	جناب زبیر رضوی	2	جناب کرشن موہن
3	جناب رفعت سروش	4	جناب حافظ میرٹھی
5	جناب نازشؔ پرتاپ گڈھی	6	جناب نذیر بنارسی
7	جناب منظور الامین	8	جناب آفاق احمد
9	جناب رسا جاودانی	10	جناب طالبؔ امین آبادی
11	جناب عرش صہبائی	12	جناب عابد مناوری
13	جناب حکیم منظور	14	جناب عشرت کشمیری
15	جناب وجے سمن		

19/جون، 1968ء سری نگر

(یہ مشاعرہ قومی یکجہتی کونسل کی سرینگر میٹنگ کے موقع پر منظّم کیا گیا)

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب غلام ربانی تاباںؔ	2	محترمہ جمیلہ بانو
3	جناب بابر برنی	4	محترمہ بیگم نسیم مخمورؔ
5	جناب ولی عاصی	6	جناب ماجدؔ صدیقی
7	محترمہ ممتاز مرزاؔ	8	جناب جگن ناتھ آزاد
9	جناب عرش صہبائی	10	جناب غلام رسول نازکی
11	جناب شہزورؔ کشمیری	12	جناب حامدیؔ کشمیری
13	جناب قیصر قلندر	14	جناب فاروقؔ نازکی
15	جناب قاضی غلام محمد		

8/جنوری، 1969ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب معین احسن جذبیؔ	2	جناب نازشؔ پرتاپ گڑھی
3	جناب غلام ربانی تاباںؔ	4	جناب بیکل اتساہی
5	جناب جگن ناتھ آزادؔ	6	جناب خلیل الرحمان اعظمی
7	محترمہ ممتاز مرزا	8	جناب رسا جاودانی
9	جناب طالبؔ امین آبادی	10	جناب شباب للت
11	جناب قیصر قلندر	12	جناب عشرت کشمیری
13	جناب اندر جیت لطف	14	جناب کمال احمد صدیقی
15	جناب حامدیؔ کشمیری	16	جناب عرش صہبائی
17	جناب قاضی غلام محمد	18	جناب دینا ناتھ رفیقؔ

19	جناب وجے سمن	20	جناب منظر اعظمی
21	جناب ایس۔ ایل کالرا	22	جناب فاروق نازکی
23	جناب عابد مناوری	24	جناب حکیم منظور
24	جناب ودیا رتن عاصی		

28/جنوری، 1970ء جموں

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	جناب مہندر سنگھ بیدی	2	جناب نذیر بنارسی
3	جناب نازش پرتاپ گڈھی	4	جناب امر چند قیس
5	جناب ساحر ہوشیار پوری	6	جناب اختر رضوانی
7	جناب جگن ناتھ آزاد	8	جناب فاروق نازکی
9	جناب کمال احمد صدیقی	10	جناب فرحت گیلانی
11	جناب عرش صہبائی	12	جناب عابد مناوری
13	جناب عشرت کشمیری	14	جناب حکیم منظور
15	جناب آفاق احمد	16	جناب محمد یاسین
17	جناب برج موہن شفق		

16/اکتوبر، 1970ء سرینگر

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	جناب بشیر بدر	2	جناب شبیب رضوی
3	جناب عرش ملسیانی	4	جناب اشرف ساحل
5	جناب حکیم منظور	6	ڈاکٹر وحید اختر
7	جناب حفیظ میرٹھی	8	جناب نازش پرتاپ گڈھی
9	جناب آفتاب لکھنوی	10	جناب فضا ابن فیضی

11	جناب بشارت سلیم	12	جناب عابد مناوری
13	جناب فاروق نازکی	14	جناب رسا جاودانی

28رجنوری، 1976ء جموں

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	جناب رفعت سروش	2	جناب عمیق حنفی
3	جناب زبیر رضوی	4	جناب کرشن موہن
5	جناب محمود سعیدی	6	جناب قمر قیس
7	جناب ترلوک چند کوثر	8	جناب بشیر بدر
9	محترمہ شاہجہان بانو یاد	10	جناب بسمل شاہجہانپوری
11	جناب قیصر قلندر	12	جناب جگن ناتھ آزاد
13	جناب غلام رسول نازکی		

28رجنوری، 1977ء جموں

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
1	جناب راج نرائن راز	2	جناب قیصر قلندر
3	جناب صغیر احمد صغیر	4	جناب فنا نظامی
5	جناب بشیر بدر	6	جناب شہریار
7	محترمہ شاہجہاں بانو یاد	8	جناب گلزار دہلوی
9	جناب راجندر ربانی	10	جناب کرشن کمار طور
11	جناب سلطان الحق شہیدی	12	جناب عرش صہبائی
13	جناب عابد مناوری	14	جناب حکیم منظور
15	جناب ودیا رتن عاصی	16	جناب میکش کشمیری
17	جناب محمد یاسین	18	جناب حامدی کشمیری

28/جنوری،1978ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب فنا نظامی کانپوری	2	جناب راج نرائن رآز
3	جناب شہریار	4	محترمہ زاہدہ زیدی
5	جناب نذر برنی	6	جناب قیصر قلندر
7	محترمہ شاہجہاں بانو یآد	8	جناب حفیظ میرٹھی
9	شری کرشن کمار طور	10	جناب سلیم شیرازی
11	جناب راجندر ربانی	12	جناب کرشن موہن

28/جنوری،1979ء سری نگر

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب فاروق نازکی	2	جناب میکش کشمیری
3	جناب عرش صہبائی	4	جناب شجاع سلطان
5	جناب مظہر امام	6	جناب رفیق راز
7	جناب سلطان الحق شہیدی	8	جناب حامدی کشمیری
9	جناب مظفر ایرج	10	جناب عابد مناوری
11	جناب جی،ایم ملک شیرا	12	جناب اشرف ساحل
13	جناب محمد یاسین	14	جناب شہریار

28/جنوری،1980ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب پریم کمار نظر	2	جناب فنا نظامی
3	جناب ہلال سہواری	4	جناب بشیر بدر
5	جناب قیس جالندھری	6	جناب راج نرائن راز

7	جناب حفیظ میرٹھی	8	جناب من موہن تلخ
9	جناب مظہر امام	10	جناب صوفی عبدالمجید
11	جناب رشی پٹیالوی	12	جناب بشیر ہوشیار پوری
13	جناب شباب للت	14	جناب علی سردار جعفری
15	جناب رام پرکاش راہی	16	جناب جگن ناتھ آزاد
17	جناب میکش کشمیری	18	جناب عرش صہبائی
19	جناب عابد مناوری	20	جناب شجاع سلطان
21	جناب محمد یاسین	22	جناب بیتاب جے پوری
23	جناب پرتپال سنگھ بیتابؔ		

14/جون، 1980ء سری نگر

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب حیات وارثی	2	جناب عارف نجمی
3	جناب سطرب نظامی	4	جناب کمال لکھنوی
5	جناب جواہر امیتھائی	6	جناب قادر صدیقی
7	جناب کاظم جروی	8	جناب حسن فراز
9	جناب ناوک ظریف لکھنوی	10	محترمہ عزیز بانو
11	جناب سروال نوازؔ	12	جناب تلقین حیدر
13	محترمہ واجدہ تبسم	14	جناب راز رشید
15	جناب حامدیؔ کشمیری		

28/جنوری، 1981ء جموں

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	جناب شہریار	2	جناب راج نرائن راز

3	جناب غلام محمد آجز	4	جناب کمار پاشی
5	جناب بشیر بدر	6	جناب عابد مناوری
7	جناب حکیم منظور	8	جناب عرش صہبائی
9	جناب پرتپاء سنگھ بیتابؔ	10	جناب محمد یاسین
11	جناب میکش کشمیری	12	جناب فاروق مضطرؔ
13	جناب فاروق نازکی	14	جناب مظفر ایرج
15	جناب پروین کمار اشکؔ	16	جناب ودیا رتن عاصی
17	جناب شجاع سلطان	18	جناب امداد ساقی
19	جناب ساگر صحرائی	20	جناب کرشن موہن

28رجنوری، 2013ءکل ہند مشاعرہ کے شعراء کے نام

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	حامدی کاشمیری	2	ابراہیم اشک
3	عبدالاحد ساز	4	کرشن کمار طور
5	پروین کمار اشک	6	شہپر رسول
7	جاوید انور	8	سردار پنچھی
9	عرش صہبائی	10	رفیق راز
11	شفق سوپوری	12	لیاقت جعفری
13	ایاز رسول نازکی	14	بلراج کمار بخشی
15	سید رضا	16	حامد کرار
17	وریا رتن آسی	18	ساز صحرائی
19	بے تاب جے پوری	20	رخسانہ جبین
21	شیام طالب	22	اعجاز سبط نشاط

23	سجاد پونچھی	24	احمد شناس
25	زاہد مختار	26	

28 رجنوری، 2014ء کل ہند مشاعرہ کے شعراء کے نام

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
1	پدم شری گلزار زتش دہلوی	2	زبیر رضوی
3	مظفر حنفی	4	کرشن کمار طور
5	عرش صہبائی	6	روف خیر
7	شہپر رسول	8	شکیل اعظمی
9	پرتپا سنگھ بے تاب	10	فرحت احساس
11	پروین کمار اشک	12	شبیب رضوی
13	مظفر ایرج	14	فیاض فاروقی
15	اشوک کرشن ساحل	16	سردار پنچھی
17	شفق سوپوری	18	رخسانہ جبین
19	لیاقت جعفری	20	حسیب سوز
21	زیرو باندھوی	22	احمد شناس ابرار کاشف
23	جاوید انور	24	اتل اجنبی

نوٹ:

جموں وکشمیر اکیڈمی سے جو ''خبر نامہ'' شائع ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں بند ہوا کیا جس کا تفصیلی ذکر باب پانچ میں گزر چکا ہے۔ اس ''خبر نامہ'' کے بند ہونے کی وجہ سے مشاعروں اور سمیناروں کی مزید تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔ جب راقم الحروف نے ان مشاعروں اور سمیناروں کے بارے میں مزید مواد حاصل کرنے اور مشاعروں اور سمیناروں کی تفصیل کے بارے میں شیرازہ، ہمارا ادب اور خبر نامہ کے چیف ایڈیٹر (مدیر اعلیٰ) محمد اشرف ٹاک سے پوچھا تو ان کا کہنا تھا:

''میرے اور اکیڈمی کے ارکان کے پاس آج تک ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔البتہ میں ایک سال کی تفصیل آپ کو زبانی دے سکتا ہوں''۔اسؔ

۲۰۱۳۔۲۰۱۴ کے مشاعروں میں جن حضرات نے شرکت کی ان کی جو فہرست راقم نے دی ہے یہ اکیڈمی کے ''ثقافت خبرنامہ'' میں شائع ہوئی ہے جو دوبارہ ۲۰۱۲ء میں شائع کیا گیا جو دوماہی ہے اس رسالے کو ۱۹۸۲ء میں بند کیا گیا تھا۔جب ۲۰۱۲ء میں اس رسالے ''ثقافت خبرنامہ'' کی پہلی جلد منظر عام پر آئی تو اس رسالے کے اجراء پر اس وقت کے چیف منسٹر عمر عبداللہ کا کہنا تھا کہ:

''مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ کلچرل اکیڈمی فن، ثقافت اور ادب کی ترقی وترویج کے ساتھ ساتھ ان شعبوں میں ہو رہی سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے مشہور ہیں۔ یہ رنگارنگی مجتمع ہو کر ریاست کو ایک منفرد اور توانا ثقافتی شناخت عطا کرتی ہے جیسے ریاست اور ریاست سے باہر عوام میں متعارف کرانا اہمیت کا حامل ہے۔مجھے یقین ہے کہ ''ثقافت'' کی اشاعت سے نہ صرف یہ اہم ضرورت پوری ہوگی بلکہ اکیڈمی کی سرگرمیوں کا بھی منضبط احاطہ ہوگا۔میں اکیڈی کو اس پہل پر مبارکباد پیش کرتا ہوں''۔۳۲ؔ

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہے جس کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔کیونکہ اکیڈمی ہر سال کئی مشاعرے کرواتی ہے یہ مشاعرے مقامی طور پر صدر دفتر سری نگر لال منڈی کے علاوہ ہر ضلعی سطح پر بھی منعقد ہوتے ہیں ان مشاعروں میں ادب نواز لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ان مقامی مشاعروں کے علاوہ جموں وکشمیر اکیڈمی ۱۹۶۰ء سے آج تک ہر سال یوم جمہوریہ کے موقع پر کل ہند اردو مشاعرہ کرواتی ہے جس میں پورے ملک کے مشہور ومعروف شعراء حضرات کو مدعو کیا جاتا ہے اور یہ مشاعرہ ہر سال جموں میں ہوتا ہے کیونکہ موسم سرما میں اسمبلی کی کاروائی بھی جموں میں ہوتی ہے۔راجدھانی سری نگر سے نومبر کے آخری ہفتے میں تمام دفاتر کو جموں منتقل کیا جاتا ہے۔

اسؔ انٹرویو از خود، بروز جمعرات ۲۲ جون ۲۰۱۲

۳۲ؔ عمر عبداللہ صدر کلچرل اکیڈمی، ثقافت خبرنامہ، جلد 1، شمار 1، ماہ ستمبر، اکتوبر 2012، ص 3

اکیڈمی بھی ایک سرکاری ادارہ ہے اس لیے اس کے بھی اکثر دفتر جموں منتقل کیے جاتے ہیں اور پھر اپریل کے مہینے میں دوبارہ ان دفاتر کو راجدھانی سری نگر منتقل کیا جاتا ہے۔ اس لیے جنوری کے آخری ہفتے میں یہ کل ہند اردو مشاعرہ ہر سال جموں میں منعقد کیا جاتا ہے۔

ان مشاعروں کے علاوہ ریاستی کلچرل اکیڈمی نے اردو زبان وادب کو فروغ دینے کے لیے سرکردہ دانشوروں اور اردو ادیبوں کی صدسالہ تقاریب منانے کا سلسلہ شروع کیا۔ جو اب بھی رواں دواں ہے۔ اکیڈمی برگزیدہ شاعروں اور ادیبوں کی برسیاں منانے کا بھی اہتمام کرتی رہی ہے اس سلسلے میں زبان، موسیقی، فن اور تمدن کے دوسرے شعبوں میں ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے ساتھ محبت کا اظہار ان کی برسیاں منانے سے کیا جاتا ہے۔ اس سے دوسرے لوگوں کو بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک ادیب یا شاعر قوم کو کیا دے گیا ہے۔ ایسی تقاریب کا مقصد دوہرا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ برگزیدہ ہستیوں کی خدمات کا اعتراف ہو اور دوسرا یہ کہ نئی نسل کے ادیب اور شاعر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی حیثیت تسلیم کروا کر اپنے نام اور کام کو زندہ و جاوید بنانے کا حوصلہ پاتے ہیں۔ برج پریمی اکیڈمی کے ان پروگرام کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''اکیڈمی نے ایک پروگرام کے تحت اردو کے برگزیدہ شاعروں اور ادیبوں کی برسیاں منانا شروع کیا ہے۔ پریم چند اور حضرت اقبالؔ کی صدسالہ برسیاں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اکادمی کے اہتمام سے ریاست میں ان بزرگوں کے شایانِ شان محفلیں منعقد ہوئیں اور سمیناروں کا اہتمام کیا گیا''۔[۳۳]

کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۶۹ء میں غالبؔ صدی تقریبات منائیں۔ ۷۸-۱۹۷۷ء اقبال صدی تقریبات منعقد ہوئیں۔ ۱۹۸۱ء میں پریم چند کی تقریبات منائی جا چکی ہیں۔ کشمیر کے مشہور مورخ حسن کھویہامی اور محمد الدین فوقؔ جیسے محسن کشمیر کے یادگاری دن اکیڈمی نے بڑی شان سے منائے ہیں اور ان کے فن، شخصیت اور کارناموں کے جائزے پیش کیے جا چکے ہیں اور بعد میں انہیں کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ یہ جشن اس انداز سے منائے گئے کہ یہ اپنے آپ میں ایک مثال ہیں بقول موتی لال ساقی:

> ''اکیڈمی کی متنوع سرگرمیوں کی ایک جہت مشاہیر کے یادگاری جشن منانے کا اہتمام بھی رہا ہے۔ اکیڈمی نے جس تزک واحتشام کے ساتھ یہ جشن آراستہ

۳۳۔ اردو کی ترویج میں اکادمی کا حصہ، برج پریمی، ساز کی لے تیز کرو، ص ۸۹

کرنے کی کامیاب کوشش کی ہیں وہ اسکی عہد آفرین تاریخ کا ایک دلچسپ اور
پروقار باب ہے ریاست میں تمدنی پیشرفت کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص یہ
یادگاری جشن نظر انداز کرکے آگے نہیں نکل سکتا۔''۳۴ے

ان برسیوں کے منانے سے ریاست کی تہذیبی زندگی کا ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ریاستی تہذیب و تمدن کا انحصار ادباء اور شعراء کی ان تخلیقات پر بھی ہے۔ اکیڈمی نے ہمیشہ یہ تقاریب نہایت دلچسپی کے ساتھ منائی ہیں اردو کے فکر انگیز شعراء اور ادباء کی ان تقاریب سے نادر و نایاب فن پاروں کو دیکھنے اور ان لوگوں کے فن اور فکر سے روشناس ہونے کا موقع میسر ہوتا ہے۔ ان تقاریب کو اب کافی وسیع کیا جارہا ہے اور لوگ بھی ان میں بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ان تقاریب سے کئی برگزیدہ شخصیتوں کے پوشیدہ گوشوں کو اچھی طرح واضح کیا جاتا ہے۔ جموں و کشمیر اکیڈمی ان صد سالہ تقاریب کا سلسلہ برقرار رکھے ہوئے ہے جیسے کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ غالبؔ، اقبالؔ، پریم چندؔ، محمد دین فوقؔ، مورخ محمد حسن، منٹو، شیخ العالم، للہ دید، ہجور وغیرہ کی صدی تقاریب منائی جاچکی ہیں۔ حال ہی میں فیض احمد فیضؔ صد سالہ تقاریب بڑے والہانہ انداز سے منائی گئی، سرکردہ دانشور اور اردو کے روایت ساز شاعر فیض احمد فیضؔ کے فکر و فن کا احاطہ کرنے کے لیے کلچرل اکیڈمی کی طرف سے مارچ ۲۰۱۲ء کے اختتامی ہفتے میں فیض احمد فیض کے فکر و فن کا سیر حاصل جائزہ لیا گیا اور بعد میں سال نامہ ''ہمارا ادب'' کا فیض احمد فیضؔ نمبر شائع کیا گیا۔ اس طرح سے جشن بھی صد تقاریب منعقد ہوتی رہی ہیں جس میں مفکروں و دانشوروں کے مقالوں سے سیر حاصل مواد کو ''ہمارا ادب'' یا ''شیرازہ'' کے خصوصی نمبروں میں شائع کیا جاتا رہا ہے۔

ایک شاعر اور ادیب کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ کوئی نئی سے نئی تخلیق قارئین اور ادب پرور حضرات تک پہنچائی جائے۔ اکیڈمی کی جانب سے تقاریب منانے کا یہ اہتمام تمدنی ورثے کی حفاظت بھی ہے کیونکہ ہر جانے والا فنکار اپنے پیچھے بیش قیمت سرمایہ چھوڑ جاتا ہے اس سرمایے کو محفوظ رکھنا بھی ان تقاریب کا مقصد ہے بقول محمد یوسف ٹینگ:

۳۴ے مشاہیر کے یادگاری جشن اور کلچرل اکادمی، موتی لال ساقی، ساز کی لے تیز کرو، زبان وادب نمبر، ص ۲۹۵

''کلچرل اکیڈمی کے اہتمام سے ملک اور ریاست کے عظیم رہبروں کی صدی تقریبات منائی گئی ہیں اور روشنی کے ان میناروں پر شاندار لٹریچر فراہم کیا گیا۔ ان میں ٹیگور، نندریشی، اقبال، پریم چند، غالبؔ وغیرہ ہجری صدیاں قابل ذکر ہیں''۔۳۵

غرض تہذیبی سرمایہ کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے میں متذکرہ بالا تقاریب اہم رول ادا کرتی ہیں۔ یہ ماضی کی سراہنا بھی ہے اور مستقبل کی بشارت بھی، قدیم سرمایہ کا تعارف بھی اور نوجوان ادیبوں کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی بھی۔ کشمیر کی تہذیبی عملی اور ادبی روایات اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ ایسی سینکڑوں تقاریب کا اہتمام بہ آسانی ہوسکتا ہے۔ اکیڈمی نے اپنے ورثے سے فائدہ اٹھا کر ایسی تقاریب منانے سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کر لی ہے۔

سمینار:

جیسا کہ کلچرل اکیڈمی کے آئین میں درج ہے کہ ریاست کے مختلف خطوں کے درمیان خیالات اور فنی مہارت کو وسعت عطا کرنے کے لیے اکادمی مشاعروں، سمیناروں، مباحثوں، کانفرنسوں وغیرہ کا اہتمام کرے گی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمینار ہے۔ ان تقریبات کے سلسلے میں سمینار خاص اہمیت رکھتے ہیں جو جموں سرینگر اور دوسرے علاقوں میں منعقد کیے جا چکے ہیں۔ ان سمیناروں کا بنیادی مقصد بحث و مباحثہ کرنا ہوتا ہے۔ اردو کے حوالے سے بھی اس قسم کے سمینار منعقد ہوئے ہیں۔ اس بارے میں برج پریمی لکھتے ہیں:

''اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان فنکاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے ہر سال نوجوان فنکاروں کی ادبی نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔ یہاں نوجوان فنکار افسانے، مقالات اور دوسری تخلیقات پڑھتے ہیں۔ جن پر تعمیری تنقید ہوتی ہے اس طرح اکٹھا کئے ہوئے مواد سے ہر سال ''اُردو شیرازہ'' کا نوجوان نمبر مرتب ہوتا ہے۔ یہ نشستیں ان نشستوں سے مختلف ہوتی ہیں جو دوسرے ادیبوں اور شاعروں کے اشتراک سے بزم مقالات، بزم شعر، محفل افسانہ یا محفل

---

۳۵ خطبہ استقبالیہ، محمد یوسف ٹینگ، ساز کی لے تیز کرو، زبان و ادب نمبر

موسیقی کے طور پر ہر سال منعقد ہوتی ہیں۔ان نشستوں میں اپنی تخلیقات پیش
کرنے والوں کو باضابطہ معاوضہ ملتا ہے۔''۳۶

یہ سمینار پھر نوجوان فنکاروں تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ ان میں اردو ادب کی عظیم شخصیتوں نے بھی حصہ لیا۔وادی کشمیر میں محمد الدین فوقؔ جو کہ مشہور تاریخ داں مانیجاتے ہیں۔ان کی یاد میں یادگاری دن منایا گیا پھر اس تقریب کی تمام روداد''شیرازہ'' کے خاص نمبر میں شائع کی گئیں۔۱۹۶۲ء میں سبھی زبانوں پر مشتمل ادیبوں کا ایک سمینار منعقد ہوا جس میں مقالات پڑھے گئے پھر کتابی شکل دے دی گئی۔اُردو کے بے تاج بادشاہ غالبؔ کی یاد کو منانے کے لیے غالب صدی تقریبات کا اہتمام کیا گیا اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ سمینار منعقد ہوا۔بعد میں''شیرازہ'' کے غالبؔ نمبر بھی شائع کیے گیے۔ان تقریبات میں نہ صرف مقالات پڑھے گئے بلکہ غالب فن اور شخصیت اور شاعری کے تراجم بھی غالب کے شیدایوں نے پڑھ کر سنائے۔پریم چند ایک بہت بڑے افسانہ نویس اور ناول نگار گزرے ہیں۔ان کی یاد میں اکیڈمی نے ۱۹۸۰ء میں صد سالہ جشن پیدائش منایا جس کا اہتمام ٹیگور ہال میں کیا گیا تھا۔اس سمینار کی خاص بات یہ تھی کہ ایک ساتھ اردو ادیبوں اور ہندی ادیبوں نے نہ صرف ان کی ادبی خدمات کو سراہا بلکہ ان کی یاد میں بے مثال خراج عقیدت بھی ادا کیا۔بعد میں''شیرازہ'' کا خصوصی پریم چند نمبر شائع کیا گیا۔کشمیر کے مایہ ناز شاعر، مفکر، دانشور اور فلسفی نگار علامہ اقبالؔ پر جموں اور سرینگر میں دو سمینار منعقد ہوئے اور بعد میں''شیرازہ اقبال نمبر'' اور محفل اقبالؒ کتاب شائع ہوئی۔ان تقریبات میں امتیاز حاصل کرنے والے طلباء وطالبات میں انعامات تقسیم کیے گئے اور اعزازی اسناد بھی دی گئیں۔شاعروں اور ادیبوں کے سلسلے میں ان تقاریب کے علاوہ جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا گیا ہے پچیس سالہ کارکردگی پر ایک تاریخی سمینار ہے اس سمینار کا افتتاح سابق وزیر تعلیم محمد شفیع صاحب نے کیا۔اس سمینار کا مقصد زبان اردو کے مسائل پر غور کرنا تھا۔چونکہ اس سمینار میں ریاست کی تمام زبانوں کے ادیبوں نے حصہ لیا اس سمینار کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ بحث ومباحثے کا اہتمام تھا جس کی وجہ سے اکیڈمی کی وہ تمام کارکردگی زیر بحث آئی جس طریقے سے ارکان اکیڈمی نے کام کیا تھا۔اس سمینار میں تمام ادیبوں نے اکیڈمی کے پچیس سال کی کارکردگی بڑی زبردست ستائش کی تھی اور پیشن گوئی کی

---

۳۶ ساز کی لے تیز کرو، زبان وادب نمبر، مقالہ از برج پریمی، ص ۹۵

تھی کہ اگر اکیڈمی اس طرح کام کرتی رہی تو اردو زبان وادب کو ایک نیا گھر مل جائے گا۔اس سمینار کی روداد پیش کرتے ہوئے محمد یوسف ٹینگ رقم طراز ہیں:

> ''ایک حرف وضاحت یہ ہے کہ سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں یہ سمینار صرف زبان وادب کے شعبوں پر محیط ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ اکادمی کے دائرہ کار کی دوسری جہتوں مثلاً تھیٹر، رقص، موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی پر بھی اس سمینار میں بحث ومباحثہ کریں۔مگر انتظامی مشکلات اور مالی حد بندیوں کی وجہ سے ہم ایسا نہ کر سکے ہم نے ان شعبوں پر بھی مقالات تیار کروالیے ہیں اور انشاءاللہ ان پر دوسری کانفرنس اس سال سرینگر میں منعقد ہوگی''۔ ۳۷

سیلور جوبلی تقریبات کی تمام روداد کتابی شکل میں ''ساز کی لے تیز کرو'' کی صورت میں دو جلدوں پر مشتمل ہے جو کہ اکیڈمی نے شائع کی ہیں۔ان سمیناروں کی اپنی ایک خاص ادبی اہمیت وافادیت ہے یہی وجہ ہے کہ اکیڈمی ہر سال سمینار منعقد کراتی تھی ان میں مل بیٹھ کر ادیب اور شاعر ان الجھنوں اور مسائل کو زیر بحث لایا کرتے ہیں اور ایک واضح صورت سامنے آجاتی تھی۔اور ایک ادبی معیار مقرر ہوتا تھا مزید وسعت کے لیے کام کی نشاندہی کی جاتی ہے۔۱۹۸۱ء میں جموں کے ابھینو تھیٹر میں دوروزہ کل ہند اردو کانفرنس منعقد کی گئی اس کانفرنس میں ریاستی شعراء اور ادیبوں کے شانہ بشانہ دوسری ریاستوں کے ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی۔اس کانفرنس کے لیے مقالہ نگاروں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کو بھی دعوت دی گئی تھی جن میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، جگن ناتھ آزاد، حامدی کاشمیری، شری جوگندر پال، شری مالک رام آنند، شہریار، کمار پاشی قابل ذکر ہیں۔اس کانفرنس میں کچھ ادیبوں کو بحثیت مبصر بھی شامل کرلیا گیا تھا اور ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔بعد میں اس کانفرنس کی تمام کاروائی ''شیرازہ'' کی شکل میں شائع ہوئی۔اس کے علاوہ ایک عالی شان تقاریب بھی منعقد ہوئیں۔جن میں ظ۔انصاری، اختر الایمان، کرشن چندر، رحمٰن راہی، علی محمد لون، ٹھاکر پونچھی جیسے ادیبوں اور شاعروں کو مدعو کیا گیا اوران کے لیے استقبالیہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔بعد میں مقالات پڑھے گئے اوران مقالات اور تخلیقات کو کتابی شکل دی گئی۔

---

۳۷ ساز کی لے تیز کرو، خطبہ استقبالیہ، محمد یوسف ٹینگ، زبان وادب نمبر

جموں وکشمیر اکیڈمی نے آج تک جتنے سمینار کروائے ان سب سمیناروں میں عصری تقاضوں کوملحوظ نظر رکھا گیا۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں اضافہ ہوا۔ ترقی کی نئی منزلیں سامنے آگئیں۔ سمینار، سمپوزیم اور مشاعروں کے انعقاد کے لیے ادبی اور تہذیبی اداروں کو امداد دی گئی۔ جب کبھی سمیناروں کا انعقاد ممکن ہوسکا تب اُردو کی ترقی کے لیے نئی راہیں تلاش کی گئیں اور اردو ادب کے نئے اور ابھرتے ہوئے فنکاروں کو سننے اور سنانے کا موقعہ فراہم ہوا اوران کی صلاحیتوں کو سامنے لایا گیا۔ جیسے کہ ’’اسلامی نمائش‘‘ ۱۹۸۱ء میں منعقد کی گئی۔ ناظرین کے تاثرات کو بعد میں ایک کتابی شکل دی گئی۔ یہ کتاب ’’نظر اور نظارہ‘‘ کے عنوان سے آج بھی کتاب گھر میں موجود ہے۔

مذاکرات:

ایک طریقہ کار جموں وکشمیر اکیڈمی کا یہ بھی ہے کہ مشاعروں، سمیناروں کے ساتھ ساتھ ادیبوں اور شاعروں کو ایک دوسرے کے جذبات اور خیالات کو جاننے کے لیے اور تبادلہ خیالات اور افہام وتفہیم کے لیے سمیناروں اور مذاکرات کا انعقاد بسا اوقات کرواچکی ہے۔ شرکاء مقالات پڑھتے ہیں اور بعد میں باضابطہ بحث ومباحثے کا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ ان مباحثوں میں مشہور ومعروف ادیبوں اور فنکاروں کو ریاستی ادیبوں اور فنکاروں کے روبرو مدعو کیا جاتا رہا ہے تاکہ یہ لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل بیٹھ کر خیالات کا تبادلہ کرتے ہیں اور مختلف قسم کی تخلیقات کو سمجھ اور انھیں پرکھ کر آرائیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان مذاکرات کے لیے اردو ادب کی جن مشہور شخصیات کو ان محفلوں میں مدعو کیا گیا ہے ان میں عصمت چغتائی، کشمیری لال ذاکر، ملک راج آنند، علی سردار جعفری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے سلور جوبلی سمینار کے موقع پر محمد اسد اللہ وانی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ’’اقبالؒ کی شاعری، فلسفے، فن اور فکر سے متعلق مختلف موضوعات کے تحت ڈگری کالج پونچھ اور مولانا آزاد کالج جموں، امر سنگھ کالج سرینگر، ایس پی کالج سری نگر، اسلامیہ کالج سرینگر، وومنز کالج نوا کدل، وومنز کالج مولانا آزاد روڈ، مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ کالج سوپور ڈگری کالج سوپور، کالج آف ایجوکیشن سری نگر اور ڈگری کالج اننت ناگ میں مباحثے منعقد کیے گئے۔‘‘ ۳۸

۳۸ اسد اللہ وانی، ساز کی لے تیز کرو، زبان وادب نمبر، ص ۱۱۶

اس قسم کی ادبی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں اور آج بھی کروائی جاتی ہیں محفل کے اختتام پر مذاکرات کا سلسلہ ایک لازمی عمل ہوتا ہے۔ یوں ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کا جواب تلاش کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ایسے مذاکرات آئندہ نسل اور ادب کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ جب اکیڈمی نے اپنی سلور جوبلی تقریبات ۱۹۸۴ء میں منائی تو جن فنکاروں، ادیبوں اور شاعروں کو دعوت دی گئی تھی۔ پہلے ان کی تخلیقات سنی گئی اس کے بعد ان پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ اس کا اہتمام باضابطہ طور ارکان اکیڈمی نے ایک منصوبہ بند طریقے کے تحت کیا تھا اس بارے میں بقول محمد یوسف ٹینگ لکھتے ہیں:

''کلچرل اکادمی نے زبان وادب کے شعبے میں اپنی کارگزاری کو بحث کرنے کے لیے اپنے آپ کو سامنے کٹہرے میں لا کھڑا کر دیا ہے اکادمی کے کارکنوں نے اگرچہ اپنی بساط کے مطابق خوب لگن سے کام لیا ہے۔ لیکن وہ انسان ہیں اور انسانوں سے غلطیاں ہو جانا غیر معمولی نہیں۔ ہمیں بہت سے حالات میں خود اپنے راستے بنانے پڑے ہیں کہ بہت سے راستوں کو اس سے پہلے سفر کیلئے کھولا ہی نہیں گیا تھا۔ ہمیں خود اپنے تجربات کی کھٹائی میں پگھل کر اپنی منزل پہچاننی پڑی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سمینار کے بعد ہم نہ صرف ایسی غلطیوں کی نشاندہی کر پائیں گے بلکہ آپ کی انفرادی اور اجتماعی دانشمندی اور باتدبیر رہنمائی کی بدولت اکادمی کے آئندہ سفر کے لیے زیادہ بہتر اور کارآمد منزلوں کی سمت بھی مقرر کر پاسکیں گے۔''[۳۹]

''بزم شیرازہ'' کے سلسلے میں لالہ رخ ہوٹل میں ایک محفل کا انعقاد ہوا تھا جس میں مقالات پڑھے گئے اور بعد میں بحث ومباحثہ ہوا۔ اس محفل میں شمیم احمد شمیمؔ، پیر محمد افضل مخدومی، شمس الرحمان فاروقی، گوپی چند نارنگ وغیرہ شامل تھے۔ جن کے مقالات بعد میں ''شیرازہ اُردو'' میں شائع کیے جا چکے ہیں۔ ان مذاکرات سے کچھ فائدہ مند پہلو بھی سامنے آتے ہیں جیسے کہ اقبال فہیم نے ادیبوں کو ایک رائے یہ بھی دی کہ:

۳۹۔ ساز کی لے تیز کرو، زبان وادب نمبر، خطبہ استقبالیہ، محمد یوسف ٹینگ

''کل سے جو بحث یہاں مختلف مقالوں پر ہو رہی ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ ہمیں ہر ایک چیز کے لئے اکیڈمی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر جانا چاہئے اور اگر اکیڈمی ہماری امداد کے لئے سامنے نہیں آتی تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ میرے خیال میں یہ رجحان ہماری ساری ادبی اور ثقافتی زندگی کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اکیڈمی کے پاس فنڈ محدود ہوں۔ کیا ہمیں اس صورت میں بھی از خود کچھ نہیں کرنا چاہئے''۔[۴۰]

ارکان اکیڈمی بہت پہلے یہ بات بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ غلطیاں اور خامیاں ہوسکتی ہیں تاہم اس سلسلے میں آپ نشاندہی کر سکتے ہیں کہ ان کوتاہیوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے تاکہ ہماری حوصلہ افزائی ممکن ہو اور ہم جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں کے قلم کاروں کو ملک کی دوسری ریاستوں کے ادیبوں، فنکاروں اور شاعروں کے ہم پلہ بنا سکیں۔ اس میں بنیادی طور پر قارئین، دانشوروں، ادیبوں اور نقادوں کا تعاون چاہیے۔ اس بحث و مباحثے کے ذریعہ نوجوان ادب پروروں کو ایک نیا شعور دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو اچھے ادیبوں کے ساتھ مقابلے میں کھڑا کر سکیں۔ اس کوشش کے سلسلہ میں اکیڈمی نے ایسے مباحث بھی کروائے جس سے نوجوان نسل میں ایک نیا شعور بیدار رہا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''۱۲/اگست ۱۹۸۵ء کو کلچرل اکادمی کے صدر دفتر لال منڈی پر نوجوان اردو افسانہ نگاروں کی ایک محفل منعقد ہوئی جس میں وادی کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان اردو افسانہ نگاروں، راشد رشید، محمد اشرف بادل، شاہین مقبول، واجدہ تبسم اور اظہر نعیمہ احمد نے شرکت کی اور اپنے افسانے پڑھ کر سنانے ان کے علاوہ اس موقع پر ریاست کے معروف اردو افسانہ نگار جناب تسبیح بہادر بھان اور جناب شبنم قیوم کو بطور خاص دعوت دی گئی تھی کہ وہ بھی مدعو نوجوان افسانہ نگاروں کے سامنے اپنی کہانیاں پڑھیں۔ ان دونوں افسانہ نگاروں نے اپنے افسانے پڑھنے کے علاوہ افسانوں پر ہوئی بحث و

---

[۴۰] ساز کی لے تیز کرو، فنون لطیفہ نمبر، اقبال فہیم، ص ۷۸

> تمحیص میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اپنے تجربات کی بنا پر نئی نسل سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں کو کئی مفید اور کام کی باتیں بتائیں۔ محفل کی صدارت جناب تسبیح بہادر بھان نے کی''۔[۴۱]

مذاکرات کی یہ روایت نہ صرف مقالات کے لیے محدود رہی ہے بلکہ کلچرل اکیڈمی نے جس طرح کی بھی ادبی محفلیں منعقد کیں چاہے مقالات، مشاعرے، محفل افسانہ یا کوئی اور محفل ان تمام کے اختتام پر بحث ومباحثے ہوئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہاں کے ادیب، فنکار ایک صحیح سوچ اور صحیح سمت اختیار کرسکیں۔ جو کہ اردو ادب کے فروغ میں جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا ایک اچھا اقدام ہے۔ سمینار منعقد کرنے کے بعد بحث ومباحثے سے کئی نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ اور ایک تنقیدی شعور بیدار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا فن پارہ وجود میں آتا ہے جس کی وجہ سے ادب میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔

جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز نے اپنے قیام (۱۹۵۸ء) کے ساتھ ہی سمینار منعقد کروانے شروع کردیئے تھے لیکن بین الاقوامی سمیناروں کا انعقاد ۱۹۶۳ء سے شروع کیا ہے جو اب بھی جاری ہے۔ اکیڈمی نے ۱۹۶۳ء میں جب پہلی بار اردو زبان وادب پر بین الاقوامی سمینار منعقد کیا تو ایران سے اکیڈمی کی دعوت پر چند ادیب آئے تھے۔ بقول انوار احمد:

> ''۱۹۶۳ء میں ایران کے تمدنی اثاثی جناب تفضلی اور ان کے ساتھیوں نے اکیڈمی کی دعوت پر ایک سمینار میں شرکت کی۔ اس موقع پر اکیڈمی کی طرف سے معزز مہمانوں کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا جس میں اور بھی مقتدر اصحاب اور ادیبوں نے شرکت فرمائی''۔[۴۲]

اس سمینار سے پہلے ۱۹۶۲ء میں جموں میں ایک جشن منایا گیا جس میں ریاست میں بولی جانے والی تقریباً سبھی زبانوں کے ادیبوں نے شرکت کی اور انہوں نے تنقیدی وتحقیقی مقالات پڑھے یہ مقالے ''شیرازہ اُردو'' کی دوسری اور تیسری اشاعت میں شائع ہوچکے ہیں۔ سمیناروں کا یہ سلسلہ برابر ابھی بھی جاری وساری ہے اب بھی ریاستی سطح پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سمینار منعقد کرواتی

---

[۴۱] اکادمی کی سرگرمیاں، ص۱۷۲، شیرازہ، جلد۲۴، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۸۵ء

[۴۲] انوار احمد، جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی اردو ادبی خدمات، ص۲۳۴

ہے اور پھر ان سمیناروں میں پڑھی جانے والی تخلیقات کو شیرازہ میں شائع کروایا جاتا ہے ان سمیناروں کے بعد ''شیرازہ اُردو'' کے جو نمبر شائع ہوئے ہیں ان میں غالب نمبر، پریم چند نمبر، اقبال نمبر، فوق نمبر، افسانہ نمبر، شاہ ہمدان نمبر، سمینار نمبر، فضل اور کشمیر نمبر، صوفیانہ موسیقی اور کشمیر نمبر اور جموں وکشمیر میں اردو ادب نمبر قابل ذکر ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان سمیناروں کی وجہ سے جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے اردو زبان وادب کو پروان چڑھانے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے اور ان سمیناروں کی وجہ سے اردو ادب میں ایک بیش بہا خزانہ جمع کروایا اور پھر ''شیرازہ اُردو'' میں شائع کیا ہے۔

ان سمیناروں کے انعقاد کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ادبی افکار مسائل کے تجزیے اور تفہیم کا راستہ ہموار ہو اور نئے ادبی رویوں کو صحیح مناظر میں دیکھا جاسکے۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ کلچرل اکیڈمی سیمناروں کا انعقاد کر کے اچھے مقالوں کو'' شیرازہ اُردو'' میں شائع کیا جاتا ہے اس سلسلے کی ایک کڑی ''سمینار نمبر'' ہے۔ ''شیرازہ اُردو'' کا یہ خصوصی نمبر ۱۹۷۲ء میں شائع کیا گیا جو تین روزہ سمینار کے مقالوں پر مشتمل ہے بقول محمد یوسف ٹینگ:

> ''شیرازہ کا یہ شمارہ ان مضامین پر مشتمل ہے جو اکیڈمی کے اہتمام سے اس سال مارچ کے مہینے میں ہونے والے تین روزہ سمینار میں پڑھے گئے اور جن پر شرکاء نے بڑی تفصیلی بحث کی۔ یہ سمینار جدیدیت کے ادبی رجحان سے متعلق تھا اور اس میں ہم نے اردو کشمیری اور لداخی زبان پر اس رجحان کے اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی''۔[۳۴۳]

پچھلے تیس چالیس برس سے شعر وادب میں تبدیلیوں کی ایسی ہوائیں چلی ہیں جن سے ادب کی داخلی اور خارجی دونوں حیثیتیں واقع ہوگئی ہیں جدید سائنسی اور میکانکی ترقیوں کے زیر اثر بین الاقوامی اور ملکی سطح پر جو حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا، ان سے فنکارانہ حیثیت (Sensibility) کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ آج ہم قبائلی یا سامنتی سماج کے معیاروں سے ادب اور شعر کی کیفیت اور تاثر کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور ورنہ اس سے خاطر خواہ طور پر محفوظ ہو سکتے ہیں، اتنا ہی نہیں خود تخلیق کار کے Response اور Impulses بڑی حد

---

[۳۴۳] محمد یوسف ٹینگ، حرف آغاز، شیرازہ اُردو سمینار نمبر ۲، ۱۹۷۲ء جلد ۱۱، شمارہ نمبر ۲

تک تغیر اور تبدیلی کے اثر میں آچکے ہیں اور ان کے نتیجے میں ادبی اقدار اور تنقیدی معیارات میں تقریباً اتھل پتھل ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ نئے ادبی اظہارات واصناف کا مطالعہ اور ان کی تعین قدر ہمارے لیے ایک بڑے ادبی چیلنج کی حیثیت اختیار کرگئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں ایک اجتماعی تفہیم پیدا کرنے کے لیے جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے ریاست اور بیرون ریاست کے سرکردہ ادیبوں کو نظم ونثر میں نئے رجحانات اور نئے اظہارات پر اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم سمینار کی صورت میں مہیا کیا ہے۔ ہر سال کئی سمینار منعقد کیے جاتے ہیں جس میں قومی اور کبھی بین الاقوامی سمینار بھی منعقد ہوتے ہیں۔ ان سمیناروں کی کاروائی کے بعد مختلف ادبی مسائل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جاتی ہے جیسے ایک نیا ادبی شعور اور ایک نئی تحریک شروع ہوتی ہے جو اردو زبان وادب کے فروغ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔

3. تھیٹر اور ڈراموں کا تعین قدر:

کسی قوم کی پہچان بڑی بڑی تعمیرات، کشادہ سڑکوں، فیکٹریوں سے نکلتے ہوئے دھوئیں اور مادی ترقی کی دیگر شکلوں کو ہی دیکھ کر نہیں کی جاتی۔ ہر قوم کی اصل پہچان اُس کے لکھے ہوئے ادب، موسیقی، مصوری، سنگ تراشی اور دوسرے فنونِ لطیفہ کے تیوہاروں سے کی جاتی ہے۔ ایک فن پارہ چاہے اُسے لفظوں کا چولا پہنایا گیا ہو، چاہے اُن کی تشکیل میں لوہا یا تانبا برتا گیا ہو یا سنگِ مرمر، وہ فن پارہ فنکار کی ذاتی کاوش اور تحریک کا حاصل ہوتے ہوئے بھی پوری قوم کا ثقافتی ترجمان بن جاتا ہے کیونکہ اُس کی تخلیق کے دور کے پیچھے بیتے زمانوں کی اجتماعی سوچ، سماجی زندگی کی اُتھل پُتھل، قوم کا اپنا مزاج اور انسانی دلوں کے لافانی جذبے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عظیم فن پارہ ایک قوم یا ملک کی تہذیب کا عکس ہوتے ہوئے بھی پوری انسانیت کی جمالیاتی حس اور فکر کی تسکین کا باعث بنتا ہے۔

تھیٹر:

دنیا میں تھیٹر کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے لیکن ہم یہاں صرف تھیٹر ڈرامے کی بات کریں گے۔ ڈرامے اور تھیٹر کا فرق ایسا ہی ہے جیسا قول و فعل کا۔ ڈرامہ ادبی صنف ہے جو پیشکش کی متقاضی ہے۔ جب پیش کار اور ہدایت کار معاونت سے کھیل کو اداکاروں، روشنی، موسیقی، سیٹ اور دیگر لوازمات کے ساتھ تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جائے تو تھیٹر ڈرامہ تخلیق ہوتا ہے۔ تھیٹر ہال بنانے کے لیے فنی و تکنیکی لحاظ سے کئی طرح کی عمارتی انجینئرنگ کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ جب ہم اُردو تھیٹر کی تاریخ کے بوسیدہ اوراق پلٹتے ہیں تو یہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے دراصل اُردو تھیٹر کا نقطہ آغاز صحت مند انداز سے نہیں ہوا، راگ رنگ، رقص سرود اور محض عشق و محبت یہی اُردو تھیٹر کا نقطہ آغاز تھا۔ یوں آہستہ آہستہ ناچ گانا اُردو تھیٹر کے لیے ناگزیر ہو کر رہ گیا یہی نہیں برصغیر ہندو پاک کی فلم بھی آج تک اس حصار سے نہیں نکل سکی۔ اس سلسلے میں سید امتیاز علی تاج کا ایک حوالہ یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

> ''اُردو ڈرامے کا آغاز غلط طریقے سے ہوا اگر اس کا آغاز اندر سبھا کی راگ ناٹک کی بجائے معاشرتی یا کم از کم کسی دوسرے ایسے ڈرامے سے ہوتا جس

میں موسیقی زیادہ دخل نہ رکھتی تو غالباً ہمارے ڈرامے اور تھیٹر کی تاریخ بہت
مختلف بنتی''۔۴۴

تھیٹر سے موسیقی اور راگ رنگ کو مکمل طور پر حذف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قدیم یونان اور دیگر خطوں میں تھیٹر کی ابتداء ناچ گانے اور راگ رنگ ہی سے ہوئی اور جہاں اسے مذہب کی حمایت حاصل رہی وہاں یہ تیزی سے پروان چڑھا۔ برصغیر ہند میں بھی اسے کسی نہ کسی طرح سے مذہب کی حمایت حاصل رہی۔ لیکن محض تفنن طبع اور روپیہ کمانے کے لیے اس کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ پیش کاروں اور ڈرامہ نگاروں نے اس کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں اور نہ اس میں اپنے ملکی، علاقائی، سیاسی اور سماجی موضوعات کو جگہ دی۔ یوں اس دور کے موضوعات یکسانیت کا شکار ہو گئے اور محض محبت کے قصے، ہنسی مذاق اور کسی حد تک ناچ گانے ہی اُردو تھیٹر کا حصہ بن کر رہ گئے۔ ابتداء میں ناچ گانے اور غیر سنجیدہ عناصر کی بدولت تھیٹر ترقی کی منازل اس طرح طے نہ کر سکا جس کی اُسے ضرورت تھی۔ اُس دور میں تھیٹر کی گراوٹ میں یہ ایک اہم وجہ تھی اور اس دور کے بعد ریڈیو، سنیما اور ٹیلی ویژن کی یلغار کے سامنے ان لوک کلا کاروں کی اہمیت کم ہو گئی۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد میں اپنے اصل موضوع کی طرف آنا چاہتا ہوں جس میں یہ بات واضع کرنی ہے کہ جموں و کشمیر اکیڈمی کا کیا رول ہے تھیٹر اور ڈرامے کے حوالے سے۔

دوسرے بڑے ملکوں کی طرح ہمارے ملک میں بھی ادب اور دیگر فنونِ لطیفہ کی خاص اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ بیتے وقتوں میں شاعر، سنگیت کاروں، مصور، رقاص اور دوسرے فنکار سماج کی اعلیٰ صفوں میں شمار کیے جاتے رہے ہیں اور ان میں سے بیشتر شاہی درباروں سے منسلک رہے ہیں۔ اپنے فن کی پرورش اور آبیاری کے لیے سرکاری سرپرستی اور انعام واکرام حاصل کرتے رہے ہیں بقول پروفیسر مدن موہن شرما:

''سرکاری سرپرستی اور اہل حکومت کی پشت پناہی کی شاید فن کاروں کو اس لئے
ضرورت پڑتی ہوگی کہ فن کی آبیاری کے لئے صرف خداداد ذہانت اور قدرتی
صلاحیت ہی کافی نہیں ہوتی۔ مناسب حالات، فراغت، حوصلہ افزائی اور مالی
دشواریوں سے چھٹکارا بھی لازمی ہے۔ آخر کتنے فنکار کبھی تھے یا اب بھی ہیں جو

---

۴۴ سید امتیاز علی تاج، تھیٹر کی ضرورت، ادب لطیف، ڈرامہ نمبر، لاہور، جلد ۳۹، شمارہ نمبر ۵۔۴، ص ۳

صرف اپنے فن کے بل بوتے پر ہی اپنے حالات سے لڑ کر اوپر اُٹھے اور اپنے لئے کوئی مقام پیدا کر سکے"۔[۴۵]

ملک کے آزاد ہونے کے بعد جب ساہتیہ اکیڈمی اور للت کلا اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا تو یہی سوچ کارفرما رہی ہوگی کہ ملک کے ادیبوں اور فن کاروں کو اپنے فن کے اظہار کے لیے مناسب حالات اور سہولیات فراہم کی جائیں، اُن کے فن پاروں کو منظر عام پر لانے کے لیے ان کی مالی امداد کی جائے۔ انعام واکرام دے کر ان کی عزت افزائی کی جائے۔ ساہتیہ اکیڈمی اور للت کلا اکیڈمی کے قیام کے بعد اسی خیال کو عملی شکل دینے کے لیے ملک کے مختلف خطوں میں کلچرل اکیڈمیوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچرل اینڈ لینگویجز کی تشکیل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

۱۹۵۸ء میں ریاستی آئین کے تحت ریاست میں جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچرل اینڈ لینگویجز نام کا ادارہ قائم کیا گیا۔ یہ ایک خود مختار ادارہ ہے۔ جن کا اپنا آئین اور طریقہ کار ہے۔ اس کے دائرہ کار میں اگر چہ ریاست بھر کی زبانوں، فنون اور تمدنوں کی ترقی اور ترویج اور نشر و اشاعت کو فروغ دینا مقصود ہے اس کے دائرہ کار میں ریاست کے سبھی فنکار، عالم اور دانشور آگئے اور اس طرح اس ادارے نے اپنے قیام اور وجود دونوں کا جواز آج تک پیش کیا ہے۔ عوام اور سرکار دونوں کی نظروں میں۔

اکیڈمی کے قیام سے پہلے گو کہ تھیٹر کے تئیں ایک مثبت عوامی ردِ عمل سامنے آچکا تھا لیکن اس سلسلے میں ساری کوششیں بکھری اور بہت حد تک غیر سنجیدہ تھیں۔ جشنِ کشمیر ہوا کرتا تھا تو سات یا آٹھ ڈراما انجمنیں اپنے ڈرامے لے کر میدان میں اتر آتی تھیں لیکن ادھر جشنِ کشمیر ختم ہوا اور ادھر یہ انجمنیں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جایا کرتی تھیں۔ ایک باقاعدہ اور منظّم تھیٹر تحریک ان حالات میں بہت دور کی چیز نظر آتی تھی۔ جموں کشمیر اکیڈمی نے اس بارے میں اہم ترین کام یہ کیا ہے کہ اس نے تھیٹر کے علاوہ سبھی تمدنی اور ادبی سرگرمیوں کو ایک ٹھوس اور کارگر مرکزیت بخشی۔ اس لیے ان ڈراما انجمنوں میں ایک باقاعدگی اور تنظیم کی شکل میں آگئی۔ ان انجمنوں نے ایک حد تک بڑی سنجیدگی سے ڈرامے اسٹیج کرنے کے کام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ کلچرل اکیڈمی نے ان انجمنوں کو مالی معاونت اور تھیٹر پیش کرنے میں اشتراکیت دی۔ اس بات کی مزید وضاحت علی محمد لون کی اس قول سے ہوتی ہے:

---

[۴۵] پروفیسر مدن موہن شرما، جموں میں تھیٹر اور کلچرل اکیڈمی، ساز کی لے تیز کرو، ص ۸۲

''یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان انجمنوں کے وجود کا دوسرا روپ بذاتِ خود اکیڈمی ہی ہے''۔[۴۶]

جہاں تک تھیٹر کا سوال ہے تو اکیڈمی نے ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا ہے۔ اس کی سرگرمیوں اور کارکردگی کی وجہ سے اُردو ڈرامے خصوصاً ڈرامہ نگاری کو وادی میں غالباً فلموں کے بعد سب سے مقبول ترین ذریعہ تفریح بنایا ہے ریاست بھر میں لوگوں کو ایک ایسا ذریعہ تفریح میسر ہوا جو اس سے پہلے صرف لوک تھیٹر کی صورت میں ہی یہاں کے لوگوں کو نصیب ہوا تھا۔ علی محمد لون اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں جو انھوں نے اکیڈمی کی سلور جوبلی سمینار میں پڑھا تھا کہتے ہیں:

''میں اس (Comparision) یا تقابل کا عین شاہد ہوں اور بڑے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ لوگ ڈرامے کے مقابلے میں آج کا یہ نیا ڈراما زیادہ تماشائیوں کو اپنی اور کھینچتا ہے۔ بات لوک تھیٹر کے دلدادوں شاید گوارا نہ ہو لیکن ایسے کیا کہئے کہ بدلے ہوئے مزاج یا پسند کی وجہ سے یہ حقیقت اپنی جگہ پر بالکل قائم ہے''۔[۴۷]

یہ بھی اکیڈمی کا ایک کارنامہ ہے کہ اس سے پہلے اس طرح کی فضا کا تصور بھی ناممکنات میں سے تھا۔ کلچرل اکیڈمی نے ریاستی سطح پر یہ نئے ڈرامے لوگوں تک پہنچائے اور لوگوں نے بھی ان ناٹکوں کو نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ انھیں اپنی دلوں میں بھی جگہ دی ہے یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب اکیڈمی کی طرف سے کوئی پروگرام منعقد ہوتا ہے تو لوگ بڑی شوق اور بڑی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ ان ناٹکوں میں عوام کی اس کثیر شمولیت کے سبب صحت منداور مثبت نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں جب تماشائی اسٹیج کے سامنے بڑے بے تابی اور بڑے شوق سے اور تجسس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں تو اداکاروں کو ایک زبردست چیلنج کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اگر انھیں اپنے فن اور اپنی پیشکش پر اعتماد ہے تو تماشائیوں کی کثرت سے اُن کے اعتماد اور فنکاری کو آب حیات مل جاتا ہے۔ اور وہ شہروالی مصنوعی اداکاری کو، جو اکثر صورتوں میں ہماری کمرشیل فلموں سے متاثر ہوتی ہیں۔ بھول بھال کر بڑے فطری اور حقیقت پسندانہ انداز میں اسٹیج پر آتے

---

[۴۶] کشمیر میں تھیٹر اور اکیڈمی، علی محمد لون، ساز کی لے تیز کرو، ص ۵۷

[۴۷] کشمیر میں تھیٹر اور اکیڈمی، علی محمد لون، ساز کی لے تیز کرو، ص ۵۷

ہیں۔اپنے اپنے رولز میں سما جاتے ہیں۔ڈرامہ نگار کی بے جان سطور اور ہدایت کاری کی ضرورت سے زیادہ تنبیہ دونوں کو اپنی روح کی جدّت اور جسم کی سرشاری بخش کر ایک کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔

جب ۱۹۵۸ء میں جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو ریاست کے ادب ،مصوری،موسیقی، ڈراما اور دیگر فنون لطیفہ کو فروغ دینے کا فریضہ کافی حد تک اسی ادارہ کو اپنے ذمہ لینا پڑا۔ابتدائی برسوں میں اکیڈمی کی طرف سے تھیٹر کو بڑھاوا دینے کی کوئی کارآمد کوشش نہیں کی گئی۔لیکن ۶۵۔۱۹۶۴ء میں جب اکیڈمی کی طرف سے سالانہ ڈراما فیسٹول کا سلسلہ شروع کیا تو بلاشک پہلے جموں میں تھیٹر کی سرگرمیوں میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ڈراما فیسٹول کے سالانہ مقابلوں میں شامل ہونے کے لیے کتنے ہی نئے کلب قائم کیے گئے اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔تھیٹر کے کلاکاروں میں صحت مند مقابلے کا جذبہ اُبھرا۔ ان ڈراموں میں حصہ لینے والے فنکاروں نے اپنے فن کی گہری چھاپ چھوڑی اور تماشائیوں سے بے پناہ داد حاصل کی۔

ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے کئی کئی ماہ پہلے تیاریاں شروع ہو جاتیں اچھی سی اچھی سکرپٹ ڈھونڈی جاتی،سکرپٹ کے مطابق اداکاروں کا چناؤ کیا جاتا۔اکیڈمی کے ارکان کے مطابق وسائل کی کمی کے باوجود کئی کئی ہفتے ریہرسل ہوتی ہے اور جب فیسٹول شروع ہوتا ہے تو فنکاروں اور تماشائیوں میں ایک نیا جوش دکھائی دیتا ہے۔

۶۵۔۱۹۶۴ء سے لے کر ۷۷۔۱۹۷۶ء تک ان سالانہ مقابلوں میں ہندی ،اُردو، ڈوگری ، پنجابی اور کشمیری زبان میں تقریباً سات ناٹک کھیلے گئے جن میں سے اُردو کے کچھ ایک نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

1. موت کے گیت
2. راستہ کانٹے اور ہاتھ
3. نیا زمانہ
4. گیارہ بجے
5. پھندا
6 . بھوک
7. تمہارے چہرے
8. زہر
9. برف کے مینار

چوں کہ ناٹک منڈلیوں کو نئے کھیلوں کے سکرپٹ بہت کم ملتے تھے اور خاص کر مقامی زبانوں میں بہت کم ناٹک لکھے جا رہے تھے اس لیے ۶۴-۱۹۶۳ء میں کلچرل اکیڈمی نے سالانہ Play Script مقابلوں کا پروگرام شروع کیا اور ہر برس ریاست کی تسلیم شدہ زبانوں میں دو دو انعام اچھے ناٹکوں کو دیئے جانے لگے جو اب بھی جا رہی ہیں۔

اسی طرح ۱۹۷۵ء میں پہلی بار کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام Instruction in Dramatics کا ٹریننگ کورس شروع کیا گیا۔ یہ کورس سات ماہ تک چلا اور اس کورس سے ۲۵ فنکار مستفید ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں ہی پہلی بار تھیٹر ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا اس ورکشاپ میں شامل ہونے کے لیے اکیڈمی نے نیشنل اسکول آف ڈراما کے پرنسپل مسٹر الکا جی کو خاص طور مدعو کیا تھا۔ بقول پروفیسر مدن موہن شرما:

> ''الکا جی صاحب نے تھیٹر ورکشاپ اور دوسرے تھیٹر شائقین کو ماڈرن تھیٹر کے بارے میں جانکاری دی''۔[۴۸]

۱۹۷۵ء میں دوبارہ تھیٹر ورکشاپ لگایا گیا یہ ورکشاپ چھ مہینوں تک چلا اور اس میں پندرہ نوجوانوں نے حصہ لیا ان امیدواروں کو ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ تب سے لے کر آج تک اکیڈمی تقریباً ہر سال پندرہ دن کے تھیٹر ورکشاپ کا اہتمام کرواتی آ رہی ہے اور اس میں شرکت کرنے والوں کو اکیڈمی کی جانب سے وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

تھیٹر کو فروغ دینے کی غرض سے اکیڈمی نے ایک اہم کام اُس وقت انجام دیا جب ۱۹۷۸ء میں ابھینو تھیٹر جموں بنایا گیا جو جموں شہر کی اعلیٰ عمارتوں میں شمار ہوتا ہے جموں کے فنکاروں اور تھیٹر شائقین کو ایک قیمتی تحفہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سری نگر میں ٹیگور ہال میں تھیٹر کو اعلیٰ طریقہ سے سجایا گیا ہے اور اب اکیڈمی کی طرف سے ۱۹۷۹ء میں ٹیگور ہال میں اکیڈمی کی طرف سے ایک تھیٹر ورکشاپ شروع کیا جو چھ مہینوں تک چلا۔

''تہذیب محل'' کے نام سے ایک عالی شان عمارت بنائی گئی ہے جس پر ۶۵ کروڑ روپیہ خرچ کیے گئے ہیں۔

تھیٹر سرگرمیوں میں قابل قدر اضافہ اُس وقت ہوا جب ۱۹۷۰ء میں اکیڈمی کی جانب سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ تھیٹر کے کلاکاروں کو اپنے فن کے مظاہرہ کے لیے ضلع سطح پر ڈراما فیسٹول کا اہتمام کیا جائے گا۔ جن دور

[۴۸] جموں میں تھیٹر اور کلچرل اکیڈمی، پروفیسر مدن موہن شرما، ساز کی لے تیز کرو، فنونِ لطیفہ نمبر، ص ۹۷

افتادہ دیہاتوں میں یہ پروگرام منعقد کیے گئے ہیں۔ اُن میں بھڈوا، رام کوٹ، رام نگر، اننت ناگ، بارہ مولہ، کرگل، لیہہ، یوس مرگ، کپواڑہ، بانڈی پورہ، سونہ مرگ، ٹنگ مرگ، راجوری، ڈوڑہ، رام بن اور پونچھ قابل ذکر ہیں۔

جموں کشمیر کلچرل اکیڈمی نے تھیٹر کے لیے قابل قدر کام انجام دیئے ہیں اور اب بھی اس فن کو فروغ دینے کے لیے ریاست کے تینوں خطوں میں پروگرام منعقد ہو رہے ہیں اور لوگ بھی ان پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اکیڈمی کی طرف سے تھیٹر ورکشاپ کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اکیڈمی کی جانب سے سلور جوبلی سمینار میں علی محمد لون نے ان باتوں کا اظہار کیا:

> ''اکیڈمی سال میں ایک آدھ بار تھیٹر ورکشاپ کا اہتمام کراتی ہے س میں شوقین نوجوانوں کو تھیٹر آرٹ کے تمام شعبوں کے بارے میں بنیادی واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے پیش کاری، ہدایت، اداکاری وغیرہ کے علاوہ پروڈکشن سے متعلق سبھی شعبوں کے بارے میں ورکشاپ میں شامل لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے ہر شعبے کے ماہرین کو لیکچر اور ڈیمانسٹریشن کے لئے مدعو کیا جاتا ہے اس کے علاوہ تھیٹر ورکشاپ اپنی معیاری تربیت کے دوران خود بھی کوئی ناٹک تیار کر کے اسے اسٹیج کرتا ہے یہ عملی تربیت اگر چہ کم مدت کے لیے ہوتی ہے پھر بھی اس کے بڑے دوررس نتیجے نکلتے ہیں کم از کم تھیٹر کے بارے میں شامل لوگوں کو بنیادی باتوں کا پتہ چل جاتا ہے اور یہ بھی کہ ڈراما، فلم، اسٹوڈیو اور ٹیلی ویژن سے کس حد تک مختلف ہے''۔[۴۹]

تھیٹر میں فرض شناسی کی تعلیم ہوتی ہے عشق ومحبت میں دل لگانے والوں کے لیے نفس پرستی کا سامان موجود ہوتا ہے۔ جو بدتمیز اور غیر مہذب ہیں انھیں تہذیب کے راستے پر لانے اور جو تہذیب یافتہ ہیں انھیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کا طریقہ کار بتلایا جاتا ہے۔

---

۴۹ کشمیر میں تھیٹر اور اکیڈمی، ساز کی لے تیز کرو، فنونِ لطیفہ نمبر، ص ۶۷

تھیٹر بزدلوں کو حوصلوں، بہادروں کو ہمت، جاہلوں کو علم حاصل کرنے اور عالموں کو برے اور بھلے کی تمیز دینے کا نام ہے۔ یہ صاحب دولت کو تفریح کا سامان غم میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے دلوں کو برداشت کرنے کی قوت اور شادمانی فراہم کرتا ہے۔ ریاست جموں وکشمیر میں جب کہیں تھیٹر سجایا جاتا ہے تو لوگوں کا ایک سمندر جمع ہو جاتا ہے اس کی ایک وجہ وہاں کے لوگ غموں میں ڈوبے ہوتے ہیں جب تھیٹر، ڈراما، ناٹک کے ذریعہ لوگوں کو شادمانی اور ہنسنے کا موقعہ فراہم ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے غموں کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جاتے ہیں۔ اس فن کے مختلف جذبوں سے بھرپور اور مختلف حالات کی تصور پیش کی جاتی ہے اسی وجہ سے یہ فن آج بھی لوگوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے۔

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی جانب سے تھیٹر کی تدریس یا نمائش کی جاتی ہے اس سے اُردو زبان وادب کا فروغ لازمی امر ہے کیونکہ ریاست کی مختلف زبانوں پر مشتمل اوپیرا وغیرہ کی نمائش ہوتی ہے اس کی تدریس اکثر اُردو زبان میں ہوتی ہے اس کے علاوہ اکیڈمی کی جانب سے جو تھیٹر ورکشاپ منعقد کیے جاتے ہیں ان میں شرکت کرنے والے فن کار اور اداکاروں کے لیے اُردو زبان کا جاننا ضروری ہے کیونکہ تحریر (اسکرپٹ) اُردو زبان سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لیتا ہے یہ اپنی جگہ اہم ہے اسی صورت میں وہ بہترین فن کاری کا مظاہرہ کر سکتا ہے کیونکہ ریاست کے تینوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اس لیے ہر خطے کے فن کار کو اپنی فن کاری اور اداکار کو اُردو زبان ہی میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تھیٹر کے وجود میں آنے سے اکیڈمی کے ذریعہ سے اُردو زبان کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا ہے۔

ڈراما:

ڈراما ایک قدیم صنف ہے۔ ڈراما نقالی کو کہتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ ڈراما کیا ہے؟ اور یہ کیسے عوام کے لیے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ اس بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ ڈراما کسی واقعہ کی داستان یا قصے کو عملی طور پر پیش کرنے کا فن ہے اور قصے کی تشکیل ڈرامے کو دلچسپ یا غیر دلچسپ بنانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ اصل میں ڈراما حرکت اور عمل کا نام ہے۔ جب بھی ڈراما کی ترقی وترویج پر غور کیا جاتا ہے تو یونانی ڈرامے کے دو اہم قسمیں سامنے آجاتی ہیں۔ نمبر ایک ٹریجڈی یعنی المیہ اور نمبر دو کامیڈی یعنی طربیہ۔

کشمیر میں اگرچہ اُردو ڈراما کی ابتدا تاخیر سے ہوئی لیکن اس کو ترقی دینے میں ڈراما نگاروں، اداکاروں ، پیش کاروں اور موسیقاروں کے رول کو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اُردو ڈراما کے عناصر خمسہ کی بات ہو تو بھانڈوں کی نقل کا ذکر بھی سامنے آجاتا ہے۔ بھانڈ کشمیر الاصل تھے جو ہر رُوپ بدلنے میں کمال رکھتے تھے۔ یہ شادی بیاہ یا دیگر تہواروں کے موقع پر کرتب دکھانے میں ماہر تھے۔ اور حاضر جوابی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسکے علاوہ عوام کو تفریح کا سامان بہم پہنچانے میں بھی ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگرچہ یہ فن ختم ہو گیا ہے لیکن کشمیر کے کچھ گاؤں دیہاتوں میں اب بھی یہ لوگ موجود ہیں۔ جو کبھی کبھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے خوب صورت لڑکے خواتین کا کردار ادا کرتے ہیں۔ جس کی ایک مثال آج بھی شادی بیاہ کے موقع پر ملتی ہے۔ پہلے زمانے میں تو اسی کو ایک چلتا پھرتا تھیٹر کہا جاتا تھا۔ بقول ڈاکٹر پریمی رومانی:

> ''ملا غنیمت کی فارسی مثنوی 'نیرنگ عشق' کے مطابق یہ پیشہ ور بھانڈ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں گانے بجانے اور نقلیں کرنے کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ طوائف عموماً بازاروں میں گھومتے پھرتے اور دوکانوں کے سامنے یا بازار کے چوک میں نقلیں کیا کرتے تھے۔ تماشے کے اختتام پر ایک ایک روپیہ دو دو روپیہ دے کر ان کا حق خدمت ادا کرتے۔ اس طرح سے یہ لوگ اپنی روزی کماتے تھے''۔ ۵۰

ریاست جموں و کشمیر میں جہاں تک اُردو ڈرامے کا تعلق ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں پہاڑی ڈرامے کے خدوخال صحیح معنوں میں ابھرنے لگے جب راس لیلا کا چلن ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کلچرل تہذیب تمدن اور ادب کے شوقین تھے۔ ان کا عہد علم و فن کی قدر و منزلت کا عہد تھا۔ انھوں نے ریاست میں ایک لائبریری، ایک سنسکرت کالج اور ایک ادارہ دارالترجمہ قائم کیا تھا۔ اس طرح سنسکرت زبان کے کئی شاہ پارے انگریزی، ڈوگری، فارسی، عربی کے علاوہ خاص کر اُردو زبان میں منتقل کیے گئے۔ رنبیر سنگھ کے انتقال کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دور ۱۸۵۷ء کا تھا اس کے بعد ۱۸۸۵ء میں

---

۵۰ ڈاکٹر پریمی رومانی، ریاست جموں کشمیر میں اُردو ڈراما، شیرازہ اُردو جلد ۱۵، شمارہ ۴، ص ۷۳

پرتاپ سنگھ گدی نشین ہوئے۔ یہ بھی علم وادب کے بڑے پرستار تھے۔ان کے عہد میں ریاست میں تعلیم، فن، کلچر اور تہذیب کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔اسی دوران ۱۸۸۹ء میں اُردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔مختلف اصناف کی طرف توجہ دینے کے ساتھ ڈرامے بھی لکھے جانے لگے۔ کچھ لوگ ریاست سے باہر کسی بھی سلسلے میں آتے اور فرصت کے اوقات میں انھیں ہندوستانی تھیٹر، ڈرامے دیکھنے کا موقعہ فراہم ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شوق ان لوگوں کے دل میں گھر کرنے لگا۔ واپس آ کر وہ بھی اکثر ریاست میں ڈراما کھیلنے کی کوششوں میں مصروف ہونے لگے تھے۔اس طرح سے ریاست کے گردونواح میں ڈرامے اسٹیج کرنے کی کوشش شروع کی گئی۔

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو ڈراما کو ترقی وفروغ دینے میں سب سے بڑا کارنامہ محمد عمر نوراہی کا ہے جو اُردو ڈراما نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ان کی تصنیف ''ناٹک ساگر'' اُردو ڈراما نگاری میں مستند حیثیت رکھتی ہے اور غالباً اُردو ڈراما کی پہلی کتاب ہے جو ۱۹۲۴ء کو لاہور سے شائع ہوئی۔اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر برج پریمی یوں رقم طراز ہیں:

> ''ناٹک ساگر کی تقریب یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ یہ وہ کتاب ہے جو ادیبوں اور ڈرامانویسوں اور اسٹیج کمپنی تھیٹر کے ہر قسم کے متعلقین کے لئے روزنامچہ ہدایات کام دے گی''۔ [۵۱]

نوٹ: یہ انھوں نے پنڈت برج موہن تاتر یہ کیفی الفاظ درج کیے ہیں جو انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔

اُردو زبان ریاست کی سرکاری زبان ہے اس زبان میں کئی دوسری زبانوں کے ڈرامے منتقل کیے گئے۔ اس کے علاوہ ریاست جموں وکشمیر کی زرخیز مٹی سے ہرفن مولا لوگ پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے ریاست کا نام پوری دنیا میں روشن کیا ہے۔ جہاں تک ڈراما نگاری کا تعلق ہے۔ ریاست میں ڈراما نگاری کے میدان میں کئی نام پیدا ہوئے جنھوں نے اس فن کو برتا اور خوب سے خوب ترقی کی جانب قدم بڑھایا۔ان ہی ادبی شخصیات میں اُردو کے مشہور اور معارف ڈرامانگار آغا حشر کاشمیری بھی ہیں۔انھوں نے کئی سبق آموز ڈرامے لکھے جن کو ریاست میں جگہ جگہ کھیلا گیا۔اس طرح سے ڈراما نگاری کی دنیا میں ایک نئے باب کا آغاز ان کی ڈراموں کی وجہ سے بھی ہوا۔

---

۵۱ برج پریمی، جموں کشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما،ص ۱۰۱

۱۹۴۷ء کا ہنگامہ جو سیاسی انقلاب کہلاتا ہے ایک کند چھُری تھی۔ جو بے تحاشا برصغیر پر پھیر دی گئی۔ برصغیر تقسیم ہوا تو انسانی خون میں لت پت دو الگ الگ مملکتیں وجود میں آئیں۔ وہ زمانہ بہت ہی لرزہ خیز رہا ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ سماجی اور اخلاقی قدریں بری طرح مجروح ہو رہی تھیں۔ بٹوارے کی وجہ سے انسانی رشتے بھی دو حصوں میں بٹ گئے لیکن برصغیر میں صدیوں سے پنپ رہا ہمارا تہذیبی ورثہ بٹ نہ سکا۔ ہماری مشترکہ ثقافت اور ادب تقسیم نہ ہو سکا۔ بلکہ ہماری تمام تر قدیم روایات جوں کی توں رہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں ان تمدن اور ادبی روایات پر ہندی کا لبادہ چڑھا اور پاکستان میں ان روایات کا اصلی روپ اُردو کا ہی رہنے دیا گیا۔ تاہم دونوں جانب پنپ رہی مشترکہ روایات کا مزاج نہ بدل سکا۔ اس دور کے سبھی ڈرامے ان ہی حالت کی عکاسی کرتے ہیں بقول سجود سیلانی:

> ''۱۹۴۷ء کے انقلابی ماحول میں جنم لینے والا فنکاروں کا ریلا ترقی پسند تحریک کی محدود چاردیواری سے باہر نہ آ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ موضوع کے اعتبار سے اس عہد کے ڈرامے نویس وطن پرست، قومی یکجہتی اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے سوا کوئی تخلیقی شاہکار منظر عام پر نہ لا سکے جو ادبی کسوٹی پر کھرا ثابت ہوتا اور جن کی بے دریغ سراہنا ہوتی''۔[52]

جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے ۱۹۴۷ء کے بعد اُردو کا جو پہلا ڈراما تحریر کیا گیا وہ پروفیسر محمود ہاشمی کا تھا۔ یہ ڈراما خالص وطن پرستی کے نعروں سے لبریز ہے اور ڈرامے کی نوعیت کا اندازہ اس کے عنوان سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس ڈرامے کا عنوان ''یہ کشمیر ہے'' اس کے ساتھ ہی کئی اور ڈرامے تحریر ہوئے اور عارضی اسٹیجوں پر کھیلے بھی گئے۔ پریم ناتھ پردیسی نے بھی یکے بعد دیگر کئی ڈرامے لکھے اس دور میں علی محمد لون نے ایک ڈراما ''پوانے کا خوب'' بھی لکھا۔ ان کے بعد پیش منو یررائے زادہ، رام کمار ابرول، زیڈ سیمی اور پروفیسر مدن موہن شرما قابل ذکر ہیں۔

سری نگر ٹیگور ہال تعمیر ہوتے ہی اوتار کرشن رہبرؔ، علی محمد لون اور سجود سیلانی کے علاوہ ڈراما نویسوں کی ایک نئی پود اُبھر کر سامنے آئی جو صرف اور صرف سٹیج کے لیے ہی لکھنے لگے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اُبھرنے والی ڈراما نگاروں کی اس تیسری نسل میں شبنم قیومؔ، بھوشن بتیابؔ، سی پروانہؔ، وجے سوری، جتندر شرما وغیرہ قابل ذکر نام ہیں۔

---

[52] سجود سیلانی، جموں وکشمیر میں اُردو ڈراما، شیرازہ اُردو ۱۹۴۷ کے بعد، جلد ۳۷، شمارہ ۶۔۸، ص ۱۹۰

ٹیگور ہال کے بعد ریاستی کلچرل اکیڈمی نے جموں میں ابھینو تھیٹر کا قیام عمل میں لایا جس کی وجہ سے جموں میں اُردو ڈراما کو ایک اہم پلیٹ فارم ملا۔ ریاستی کلچرل اکیڈمی ان تھیٹروں میں سالانہ ڈراموں کے میلے منعقد کرتی ہے۔ ان ڈراما میلوں میں غیر ریاستی ناٹک کاروں کے علاوہ کئی مقامی ڈراما نویسوں کے اُردو ڈرامے بھی کھیلے جاتے ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ریاست جموں وکشمیر میں ڈراما نگار، ادیب، شاعر اور تمثیل نگاروں نے علاقائی زبانوں میں ادب تخلیق کرنے کی سوجھ لی ہے نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اکثر قلمکار اُردو سے منہ موڑ کر کشمیری اور ڈوگری زبان میں طبع آزمائی کرنے میں مصروف ہیں۔ راقم الحروف نے کشمیر کے مشہور ومعروف ادیب محمد یوسف ٹینگ سے جب یہ سوال کیا کہ اُردو زبان میں لکھنے والے ادیب اب کشمیری زبان میں کیوں لکھ رہے ہیں تو ان کا کہنا تھا:

''اُردو زبان میں ہمارا مقابلہ ہندوستان کے بڑے بڑے ادیبوں سے ہوتا ہے مثلاً شمس الرحمان فاروقی جیسے ادیبوں سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں کوئی ایوارڈ نہیں ملتا۔ لیکن جب ہمیں کشمیری زبان میں کوئی چھوٹی سی کتاب لکھتے ہیں تو ایوارڈ سے نوازا جاتا ہے۔ حامدی کاشمیری کو بھی اُردو کی کتاب پہ نہیں کشمیری میں لکھی گئی کتاب پر ساہتیہ اکیڈمی نے ایوارڈ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے اُردو زبان میں لکھنے والے ادیب اب کشمیری یا ڈوگری زبان کا رُخ کر رہے ہیں''۔[۵۳]

وادی میں اُردو میں سٹیج ڈرامے تخلیق کرنے والے مصنفین کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہے مگر جموں خطے میں اُردو ڈراما اب بھی زندہ ہے لیکن کشمیر میں اُردو ڈراما آخری سانس لے رہا ہے۔

جہاں تک اُردو زبان اور ڈراموں کے فروغ کا تعلق ہے کچھ اداروں نے بہت اہم رول ادا کیا ہے جن میں اس وقت سرفہرست جموں کشمیر کے ریڈیو اسٹیشن، دوردرشن اور جموں وکشمیر اکیڈمی کا نام ہے۔ ریاستی کلچرل اکیڈمی نے اپنی نگہداشت اور مالی کفالت سے کئی اُردو کے ڈرامے ابھینو تھیٹر اور ٹیگور ہال میں منعقد کروائے ہیں ان ڈراموں میں ''جھیل بلا رہی ہے''، ''ٹیپو سلطان''، ''ہمالہ کے چشمے'' اور پیا باج پیالہ ایسے ڈرامے ہیں جو بیرون ریاست جا کر کئی شہروں میں ان کی نمائش کی اور وہاں کے لوگوں سے داد تحسین حاصل کی۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے اسداللہ وانی لکھتے ہیں:

۵۳؎ انٹرویو از خود، محمد یوسف ٹینگ، ۲۵/ اگست ۲۰۱۳ء ان کے دولت خانہ پر

''اکیڈمی کی طرف سے اُردو کو موثر ڈھنگ سے مقبول بنانے کے وسیلے سے بھی مستحس کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ گزشتہ برسوں میں اکیڈمی کے زیر اہتمام کئی معیاری ڈرامے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پیش ہوئے ان میں زبیر رضوی کا ''پیا باج پیالہ'' علی محمد لون کا ''جھیل بلا رہی ہے'' اور ہمالیہ کے چشمے قابل ذکر ہیں''۔۵۴؎

ریاست جموں و کشمیر میں اسٹیج ڈرامے کی روایت کو سب سے زیادہ فروغ گزشتہ برسوں میں کلچرل اکیڈمی کی کوششوں سے نصیب ہوا ہے۔ اپنے قیام کے بعد ہی اکیڈمی نے اسٹیج ڈراموں کے مقابلوں کا جو سلسلہ شروع کیا وہ اس صنف (ڈراما) کے لیے ایک نیک فال ثابت ہوا۔ جموں و کشمیر اکیڈمی جب بھی کوئی ڈراما فیسٹول نمائش کرتی ہے تو ادیب اور فنکار جوق در جوق حصہ لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس طرح سے نہ صرف ڈراما اسٹیج کرنے کی روایت کو تقویت ملتی ہے بلکہ ایک تخلیقی ادب بھی سامنے آتا ہے۔ اکیڈمی کی جانب سے ایک اہم اور قابل ستائش کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ادیبوں کو ڈراموں کے مسودات پر معقول معاوضہ کا بھی اہتمام کرتی ہے۔ لیکن اکثر ادیبوں کی یہی شکایت ہوتی ہے کہ انھیں معاوضہ کی رقم کم دی جاتی ہے اگر اکیڈمی کی جانب سے اس رقم کی مقدار کو بڑھا دیا جائے تو زبان و ادب کو فروغ دینے میں ایک اہم مثبت قدم ہوگا۔

اُردو زبان و ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں اُردو ڈرامہ اسٹیج کروانا ایک نیک شگون ہے اس سے ڈرامہ نگاری کی یہ صنف ادبی سطح پر بلکہ عوامی سطح پر بھی مقبولیت حاصل کر رہی ہے جہاں تک اُردو ڈرامے کا تعلق ہے۔ جموں و کشمیر اکیڈمی نے پہلے پہل زیادہ تر زور اُردو ڈراموں پر ہی دیا جس کی بدولت ریاستی کلچرل اکیڈمی کو بیرون ریاست بھی کافی شہرت حاصل ہوئی بلکہ جب یہ ڈرامے ''جھیل بلا رہی ہے''، ''ہمالیہ کے چشمے'' اور ''پیا باج پیالہ'' پیش کیے گئے تو ہندوستان کے اخباروں کی شہہ سرخیوں میں کئی دنوں تک ان ڈراموں کا چرچا رہا ہر طرف سے داد تحسین حاصل ہوئی اور جب پیا باج پیالہ ڈراما شہر حیدر آباد میں پیش کیا گیا تو لوگوں کی ایک جم غفیر کی طرح جمع ہوئے جس کی وجہ سے کھلے عام دوسرے دن یہ ڈراما اسٹیج کیا گیا پھر جب دوبارہ ان ڈراموں کی فرمائش بڑھ گئی تو پھر ایک بار اسی شہر میں ان ڈراموں کو دیکھایا گیا۔

۵۴؎ اکیڈمی کی اُردو خدمات، اسداللہ وانی، ساز کی لے تیز کرو، ص ۱۱۲

جموں کشمیر کلچرل اکیڈمی نے ڈرامے اسٹیج کرنے کا یہ سلسلہ ریاست کے دونوں تھیٹروں سے باہر بھی شروع کیا ہے۔ اکیڈمی کی جانب سے اس اہم قدم کے بعد ہر ضلع میں یہ میلے سال میں ایک بار منعقد کرنے سے ساری وادی میں تھیٹر کے تئیں ایک مثبت ردِعمل ظاہر ہوا۔ یہ سلسلہ دیہات میں اتنا مقبول ہوا ہے کہ اب وہاں کی تمدنی زندگی کا ایک اہم ترین جز مانا جاتا ہے۔ گاؤں میں جو ڈرامے اکیڈمی کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں وہ زیادہ صحت مند ثابت ہوتے ہیں برعکس شہر کے، کیونکہ گاؤں کا نوجوان طبقہ اس اکیڈمی کے کام کو اپنا کام سمجھ کر ان میلوں کو کامیاب اور بامقصد بنانے میں رضا کارانہ رول ادا کرتے ہیں مثال کے طور پر جگہوں کا انتخاب، لوگوں کے بٹھانے کا انتظام اور امن وامان برقرار رکھنے میں اکیڈمی کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اکیڈمی کے ڈراما میلوں کی وجہ سے ایک موافق ماحول اور سازگار فضا قائم ہوگئی ہے اور ڈراموں کا اسٹیج کرنا بہت ہی مقبول ذریعہ تفریح کے طور پر لوگوں کے سامنے آیا ہے کیونکہ لوگ حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے تنگ آکر اب ڈراموں اور ناٹکوں کے اسٹیجوں کو اپنے لیے تفریح اور شغل کا ذریعہ بناتے ہیں۔

ڈراموں کو فروغ دینے کی غرض سے اکیڈمی کی طرف سے نوجوانوں کو اسکالرشپ دے کر نیشنل اسکول آف ڈراما میں تربیت دلوائی جاتی ہے ان لوگوں نے تربیت حاصل کرنے کے بعد پوری وادی میں بڑا نام کمایا ہے اور اُردو ڈرامے کی بھی خدمت کی ہے۔ علی محمد لون اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اکیڈمی نے اب تک کئی نوجوانوں کو اسکالرشپ دے کر نیشنل اسکول آف ڈراما میں تربیت دلائی۔ ان اسکالروں میں سے کچھ اس وقت ملک گیر شہرت کے مالک ہیں۔ میرا مطلب ایم۔ کے دینہ اور بنسی کول سے ہے''۔[۵۵]

ان خدمات کے علاوہ اکیڈمی اچھے مشوروں کی تلاش میں برابر مصروف رہتی ہے۔ چنانچہ ڈرامے کے مشوروں کا مقابلہ سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ اور ریاست کی زبانوں کے علاوہ اُردو زبان میں بھی لکھے گئے ڈراموں کے اچھے مشوروں کو چھان بین کر کے ان کے مصنفوں کو نقد انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

۵۵۔ کشمیر میں تھیٹر اور اکیڈمی، علی محمد لون، ساز کی لے تیز کرو، ص ۷۵

اس بات کی وضاحت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وادی کشمیر میں اکیڈمی کی جانب سے اب کبھی کبھار کوئی ایک اُردو ڈراما اسٹیج کیا جاتا ہے اگر چہ یہاں پر ہر ضلع میں ڈرامے اسٹیج کیے جاتے ہیں مگر یہ تمام ڈرامے کشمیری زبان میں ہوتے ہیں۔ البتہ جموں میں ابھی بھی اُردو ڈراموں کو زیادہ تقویت حاصل ہے۔ جموں کشمیر اکیڈمی کی جانب سے جن اُردو مصنفین کے اُردو ڈراموں کو اسٹیج پر کھیلا گیا اور ان ڈراموں کو انعامات سے نوازا گیا۔ ان میں سے چند ڈرامے پرانے دیپ نئے اُجالے (شری نرہاری رائے زادہ)، انجمن (وجے سُمن)، سلطان زین العابدین (شری شکیل الرحمان) الغرض اُردو ڈراما کو تقویت دینے میں جموں و کشمیر کی کوشش کو کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ گزشتہ پچاس برسوں سے یہاں کی اکیڈمی نے بڑے ادبی اور ثقافتی کارنامے انجام دیے ہیں اور ریاست کے بے شمار ادیبوں، ڈراما نگاروں، شاعروں اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی کی ہے یہ ادارہ سالہا سال سے زبان، ادب، موسیقی، رقص اور مصوری کے مختلف شعبوں کی آبیاری کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرامے اسٹیج کرنے کے لیے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ ڈراموں کے بہترین مسودات پر ڈراما نگاروں کو گراں قدر اعزازت سے نوازا جاتا ہے۔ مختلف تھیٹروں اور ڈراما کلبوں کو نہ صرف مالی تعاون پیش کرتا ہے بلکہ اداکاروں، پیش کاروں اور فنکاروں کو گراں قدر انعامات سے بھی نوازتا ہے۔ اس طرح سے ریاست میں بے شمار ڈراما کلب وجود میں آئے۔ اکیڈمی نے ملک کے مختلف شہروں میں وقتاً فوقتاً ڈرامے اور اوپیرا بھی پیش کیے ہیں جن میں جھیل بلا رہی ہے، ہمالیہ کے چشمے اور پیاباج پیالہ وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ملک کی باقی ریاستوں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اس طرح سے ڈراما کے ذریعہ بھی اس ادارے نے ریاست جموں و کشمیر سے باہر بھی جموں و کشمیر کا نام روشن کیا۔

نمبر شمار	مصنف	ڈرامہ
۱	شری نریاری رائے زادہ	پُرانے دیپ نئے اُجالے
۲	وِجے سُمن	انجمن
۳	شری شکیل الرحمان	سُلطان زین العابدین
۴	آفاق احمد	آرائش محفل
۵	آفاق احمد	ڈرامہ ابھی ادھورا ہے

۶	آفاق احمد	قصہ پانچ درویشوں کا
۷	آفاق احمد	چنگیز
۸	زیڈ سیمیؔ	جہانگیر کی موت
۹	پنڈت دینو بھائی پنت	سورگ کی کھوج
۱۰	نریندر کھجوریہ	راستہ کانٹے اور ہاتھ
۱۱	وجے سُمن	انگمان
۱۲	زبیر رضوی	پیاباج پیالہ
۱۳	علی محمد لون	جھیل بھُلا رہی ہے
۱۴	علی محمد لون	ہمالیہ کے چشمے
۱۵	بشیر دار	فن کار

باب۔ ہفتم

ماحَصَل، تجزیہ اور تجاویز

ادب کی مختصر ترین تعریف کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ادب زندگی کا شارح اور ترجمان ہے۔ کسی معاشرے میں ذہنی، جذباتی اور روحانی سطح پر رو بہ عمل رویوں اور مسلسل تبدیلیوں کے باعث پیدا ہونے والے جذبات، افکار، خیالات اور ان کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہونے والے حالات، موزوں الفاظ کے پیرائے میں حسن تخیل کی آمیزش کے ساتھ لطیف انداز میں بیان کیے جائیں تو وہ تحریر داستان کے روپ میں یا ناول اور افسانے کے انداز میں ہو، شاعری ہو یا ڈرامہ دراصل وہ ادب ہی کی کوئی نہ کوئی شکل ہوتی ہے۔

ادیب اور معاشرے کے باہمی روابط بالواسطہ بھی ہوتے ہیں اور بلاواسطہ بھی، معاشرتی رجحانات کا جو عکس شعر و ادب میں نظر آتا ہے وہ ادیب ہی کی وساطت سے سامنے آتا ہے۔ معاشرے کو کیسا ہونا چاہیے اس کا تصور بھی شعر و ادب میں ادیب کے ذریعے سے ملتا ہے۔ شاعر یا ادیب کی حیثیت معاشرے اور ادب کے درمیان ایک ایسے مرکز کی سی ہے جو معاشرے کے اثرات وصول بھی کرتا ہے اور ان میں شخصی رجحانات کو شامل کر کے شعر و ادب میں ان کے انعکاس کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ معاشرے کا اثر شاعر یا ادیب قبول کرتا ہے۔ ادیب اور معاشرے کے باہمی ربط سے ادب کا پس منظری مواد تشکیل پاتا ہے اور ادیب ادب پارے کو تخلیق کر کے نہ صرف معاشرتی رجحانات کو سمونے کی کوشش کرتا ہے بلکہ معاشرے کے لیے نئی جہتوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

اُردو برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیبی شناخت رہی ہے۔ مسلم تشخص کا اظہار جتنا اس زبان میں ہوا ہے، برصغیر کی کسی دوسری زبان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ زبان برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی امانت دار رہی ہے۔ اسی بنیاد پر مسلمانوں کو اُردو ہمیشہ عزیز رہی ہے۔ اس کی نشو نما اور فروغ میں یوں تو برصغیر کی تمام اقوام نے حصہ لیا ہے لیکن اس عمل میں مسلمانوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ شاید اسی سے برصغیر کی سیاسی کشمکش میں اسے مسلمانوں کی زبان قرار دیا گیا اور اس کے مقابلے میں ہندی کی سرپرستی کی گئی۔

1. ریاست جموں و کشمیر کا جغرافیائی تعارف

کشمیر کے متعلق تمام ماہرین ارضیات، علم اللسانیات اور دیومالائی روایات کا اتفاق ہے کہ قدیم زمانے میں تقریباً ۱۰ کروڑ سال پہلے وادی کشمیر پانی سے بھری ہوئی تھی۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں روایت ہے کہ وادی کشمیر ایک وسیع جھیل تھی جس کا نام ستی سر تھا ایک ''جالو بھاؤ'' نامی دیو نے اس جھیل پر قبضہ کر لیا اور

اردگرد کی آبادی کو پریشان کرنے لگا۔ایک بزرگ جن کا نام کشپ ریشی بتایا جاتا ہے۔انھوں نے اپنی روحانی طاقت سے اس جھیل کو خشک کر کے دیو کو مار ڈالا اور اس علاقے میں رہنے لگے ان کے نام کی مناسبت سے اس علاقے کا نام یعنی کشپ مار رکھا گیا اور پھر یہی لفظ کشمیر بنا۔لیکن بعض محققین کے مطابق یہ حضرت نوح کے بیٹے کش سے مناسبت رکھتا ہے۔ کش کی اولاد جہاں جہاں آباد ہیں انھوں نے اپنے جد کے نام کی مناسب سے ان جگہوں کا نام بھی رکھے اس طرح کش سے کشمیر بنا۔

کشمیر تاریخی، جغرافیائی اور ثقافتی رشتوں کے اعتبار سے سینٹرل ایشیاء کا حصہ ہے۔اس کے رقبہ کے بارے میں محققین اور مورخین کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔قدیم اور جدید ماخذوں سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے اس کے مطابق کشمیر کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے۔ کشمیر کی تقسیم سے قبل صوبوں کے رقبہ جات سے یہی بات سامنے آتی ہے۔اس کا ۴۹۵۲۳ مربع میل ہندوستان کے قبضے میں ہے۔۵۱۳۴ مربع میل پر آزاد حکومت قائم ہے اور ۲۹۵۲۳ مربع میل علاقہ گلگت بلتستان کی شکل میں پاکستان کے براہ راست کنٹرول میں ہے۔اور الگ سے کشمیر کا رقبہ ۵۹۰۳ مربع میل جموں کا ۹۸۸۰ مربع میل اور لداخ کا ۳۳۷۴۰ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کی سرحدیں شمال میں چین، شمال مغرب میں افغانستان، جنوب مغرب میں مغربی پاکستان سے ملتی ہیں۔

2. تاریخی وسیاسی پہلو

کشمیر کی قدیم اور مستند تاریخ راج ترنگنی سے ۶ ہزار سال قبل کے حالات وواقعات کا پتہ چلتا ہے۔اس کے مطابق کشمیر پر ہندوؤں نے ۴ ہزار سال حکومت کی اور ۲۱ غیر مسلم حکمران برسراقتدار رہے۔ ہندوؤں کے بعد بدھ حکمران اشوک کا دور (۲۳۱ تا ۲۷۲ ق م) آیا۔ بدھوں نے کشمیر پر ۹ سو سال حکومت کی۔ بدھوں کے بعد ۷۹۱ سال (۵۲۸۔۱۳۱۹ء) ہن قوم نے حکومت کی۔۱۳۱۹ء میں حکمران سہدیو کی حکومت تھی تو ایک تاری حکمران زوالچو نے کشمیر پر حملہ کیا راجہ سہدیو مقابلہ نہ کر سکا اور فرار ہو گیا تو سہدیو کے ایک وزیر رنچن نے حکومت سنبھالی جو ۱۳۱۹ء سے ۱۸۱۹ء تک مسلسل مسلمان حکمرانوں کا دور رہا۔رنجن بدھ مت کا پیرو کار تھا۔اس نے اسلام قبول کیا اور سلطان صدرالدین کے نام سے کشمیر پر حکومت کرنے لگا۔ یہ کشمیر کا پہلا مسلم حکمران تھا ۱۴۳۹ء میں شاہ میر سلطان شمس الدین نے شاہ میری سلطنت کی بنیاد رکھی ۱۴۲۰ء سے ۱۴۷۰ء تک سلطان

زین العابدین کا دور رہا۔۱۵۴۱ء میں ہمایوں کے جنرل مرزا حیدر نے کشمیر پر قبضہ کیا اور دس سال حکومت کی۔ ۱۵۵۵ء میں چک برسر اقتدار آئے۔۱۵۸۶ء میں مغل بادشاہ اکبر کی فوج نے کشمیر پر قبضہ کیا اور ۱۵۸۶ء سے ۱۷۵۲ء تک کشمیر کو مغلیہ سلطنت کے صوبے کی حیثیت حاصل رہی۔۱۸۶۵ء میں احمد شاہ ابدالی نے حملہ کر کے اسے کابل کی سلطنت میں شامل کر دیا اور افغانوں نے ۶۷ برس تک حکومت کی۔۱۸۱۹ء میں پنجاب کے سکھ حکمران رنجیت سنگھ نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔۔۱۸۴۵ء میں انگریزوں نے سکھوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کیا تو کشمیر بھی ان کے کنٹرول میں چلا گیا۔اس کے بعد انگریزوں نے کشمیر کو ۱۸۴۶ء میں معاہدہ امرتسر کے تحت ڈوگرہ گلاب سنگھ کو اپنا وفادار سمجھتے ہوئے ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپئے کے عوض فروخت کر دیا۔ یہ دور ۱۹۴۷ء تک چلا۔

۱۹۳۱ء میں ڈوگروں کے خلاف ایک زبردست تحریک شروع ہوگئی یہ تحریک ڈوگروں کے ظلم و جبر کے خلاف شروع ہوئی اور اس تحریک کی قیادت شیخ محمد عبداللہ کر رہے تھے۔بل آخر ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء میں پہلی دفعہ کشمیر میں قومی حکومت قائم ہوئی اور شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت وزیر اعظم ملک کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے بعد کشمیر کو لے کر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان دو جنگیں ہو چکی ہیں ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ کا یہی سیاہ باب اب تک چل رہا ہے اور تاریخ بنی جا رہی ہے۔

3. سماجی وتہذیبی پہلو

کشمیر کی سماجی و تہذیبی زندگی کی خوشنما عمارت انسانی قدروں کے روشن تصور پر استوار ہوئی ہے۔ ہمدردی، محبت، مہمان نوازی، توکل، عمل اور مذہبی رواداری کی قدریں کشمیری نسل کے خون میں تحلیل ہوگئی ہیں۔خاص طور پر مذہبی رواداری اس کی شناخت بن گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں مختلف ادوار میں مختلف مذاہب کے حکمران مثلاً بدھوں، ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور ڈوگری کی عمل داری کے باوجود لوگوں میں ایک سیکولر نظریہ ہر دور میں رہا جو ایک قیمتی ورثے کے طور پر نسل بہ نسل منتقل ہوتا جا رہا ہے۔

مخصوص جغرافیائی حالات کے باوصف کشمیر کے لوگوں کا طریقہ زندگی بھی دنیا کے باقی علاقوں میں رہنے والے لوگوں سے مختلف ہے۔ یہاں کے لوگوں کا مخصوص لباس جیسے فرن، سردیوں میں استعمال کی جانے والی کانگڑی، اسی منفرد جغرافیہ کی بدولت ہے۔ یہاں کے لوگوں کا طرز طعام اور مشروبات جیسے نون

چائے، زعفرانی قہوہ یا پھر شادیوں اور خاص دنوں پر پکایا جانے والا وازوان، جس میں گوشت کی مختلف قسمیں تیار کی جاتی ہیں اور یہاں کے لوگوں کی انفرادیت میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ ان خصوصیات کے علاوہ یہاں کے لوگوں کے خدوخال چاہے مرد ہوں یا عورتیں سیاحوں کے لیے توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس بنا پر چند محققین نے کشمیریوں کو بنی اسرائیل کے ''گم گشتہ قبائل'' سے بھی بتایا ہے۔

ہر سماج کی اپنی مخصوص رسوم اور اخلاقی قدریں ہوتی ہیں جن کے مطابق اس سماج کے فرد کو ان زندگی کے تمام انجام دینے پڑتے ہیں۔ وادی کشمیر کا سماج ذات پات، خاندانوں اور مذہب کی بنیادوں پر کئی خانوں میں بٹا ہوا ہے۔ یہ تقسیم کشمیر میں آباد تمام قوموں جیسے کشمیری، ڈوگری، گوجری، پہاڑی، لداخی میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ شادی کے معاملے میں اس تقسیم کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر ایسی سرزمین ہے جو وسط ایشیاء، جنوبی ایشیاء اور مشرق بعید کا قیام ملاپ ہے قدرت نے اپنی فیاضوں سے اس سرزمین کو اس قدر مالا مال کیا ہے کہ وہ بجا طور پر نہ صرف گلزار دنیا کہلائی بلکہ جس نے بھی اس خطہ ارض کو ایک جھلک دیکھا تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھا ؎

گر فردوس برروئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

4. ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کی ابتدائی نقوش ایک جائزہ:

ریاست جموں و کشمیر کا برصغیر اور پنجاب سے علاقائی، معاشرتی، سماجی اور تہذیبی تعلق ہے۔ جموں اور مغربی پنجاب کے مسلمانوں کے درمیان مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی روابط تھے۔ علاقائی، سماجی اور تجارتی تعلقات کے سبب جموں کے لوگ نئی زبان اُردو سے کسی حد تک آشنا ہوئے تو ڈوگری زبان کے ساتھ اُردو کے اثر و نفوذ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ریاست میں اُردو زبان کے رواج پانے کا یہ نقش اولین ہے۔ دیگر عوامل میں ذرائع مواصلات میں اضافہ برصغیر سے اہل علم کی کشمیر آمد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اثرات، سیاحوں کی آمد اور موسیقی و شاعری شامل ہیں۔ فوجی درباروں، کمپنیوں، مذہبی تنظیموں اور اداروں کا کردار بھی بڑا واضح ہے۔ ان عوامل سے اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کہ تقسیم ہند اور تحریک آزادی کشمیر کے عروج کے وقت (۱۹۴۷ء) اُردو جموں و کشمیر میں رابطہ کی زبان تھی۔ اس کا اپنا ادب اور حلقہ اثر تھا۔

ریاست جموں و کشمیر میں اُردو زبان کے ابتدائی خد و خال پر بحث کا یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ لالہ بوٹا مل کا رسالہ (تحریر کردہ ۱۸۵۷ء) اور چودھری شیر سنگھ کے سفرنامہ سمرقند و بخارا (تحریر کردہ ۱۸۶۶ء) اُردو نثر کی ابتدائی تحریریں ہیں۔ جب کہ ۱۷۷۱ء میں میر پور کے شاعر غلام محی الدین میر پوری نے اُردو میں مثنوی لکھ کر پورے شمالی ہندوستان میں اولیت کا اعزاز حاصل کیا۔

تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ریاست میں اُردو زبان کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ۱۸۸۸ء میں سرکاری زبان کا درجہ دے دیا تھا اور پھر ۱۹۵۶ء میں جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی نے آئین کی دفعہ ۱۴۵ کے تحت اُردو کو ریاست کی سرکاری زبان تسلیم کیا۔

5. ریاست جموں و کشمیر میں اُردو شاعری

زبانوں کی نشو و نما اور ارتقائی سفر میں شاعری بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور اسی اثاثہ پر زبانوں کے محل تعمیر کیے جاتے ہیں۔ اُردو زبان کی تاریخ کا اگر ہم بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ابتدائی آثار شاعری کی صورت میں ہی دستیاب ہوتے ہیں جو صوفیائے کرام کی دین ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں بھی اُردو زبان کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں بھی اُردو کے ابتدائی آثار شاعری کی شکل میں ملتے ہیں ریاست میں فارسی کے سرکاری زبان ہونے کے نتیجے میں کشمیری زبان پر لسانی اور تہذیبی اعتبار سے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر جب اہل کشمیر اُردو سے متعارف ہوئے تو انھیں اس زبان کو سیکھنے میں دشواری محسوس نہ ہوئی کیونکہ اُردو بھی لسانی اعتبار سے فارسی ہی سے متاثر ہے۔ کشمیر میں اُردو شاعری کے ابتدائی شکل کشمیری اور دیگر زبانوں کے زیر اثر دکھائی دیتی ہے بعد میں جب اُردو شاعری ترقی یافتہ دور میں داخل ہوئی تو کشمیر کے مائے ناز ادیبوں، تاریخ دانوں اور شاعروں نے اس کو جلا بخشی۔

بقول پروفیسر عبدالقادر سروری:

> ”میر کمال الدین حسین اندرابی رسؔوا اور ہر گوپال خستہ سے کشمیر میں اُردو کے ترقی یافتہ دور کا آغاز ہوتا ہے“۔ [1]

---

[1] پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اُردو، جلد دوم، ص ۴۸

کشمیر میں اُردو شاعری جب ترقی یافتہ دور میں داخل ہوئی تو اُسے شیخ نصیر الدین، خواجہ شیدا، علم الدین سالک، خوشی محمد ناظر اور سالک جیسے شعراء نے چار چاند لگائے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے شعرا کی ایک خاص تعداد سامنے آئی اور وہ برابر شعر گوئی میں مصروف رہے ان میں کشن لال حبیب، ہدایت اللہ فوق، رسا جاودانی میکش کاشمیری، عشرت کاشمیری، تنہا انصاری، نندلال کول، شہ زور کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، مرزا کمال الدین شیدا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک ریاست میں اُردو شاعری ایک نئے موڑ پر آئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ملکی سطح پر شعرا اور ادباء کے زمینی رویوں میں انقلابی تبدیلی وقوع پذیر ہونے لگی۔ نئے شعرا جدیدیت کے تحت بنیادی طور پر انسانی اقدار کی پامالی اور بے حرمتی کے دلدوز مناظر کے نوحہ خواں بن گئے اور انھوں نے اپنے عہد کے آشوب کی علامتی پیکر تراشی کی نئے شعراء میں حکیم منظور، حامدی کاشمیری، خالد بشیر، رفیق راز، اقبال فہیم، پرتپال سنگھ بے تاب، رخسانہ جبین شفق سوپوری، فرید پربتی اور رفیق راز قابل ذکر ہیں۔

6. جموں و کشمیر میں اُردو نثر

ریاست میں اُردو کا چلن اُن سیاسی و سماجی، تہذیبی و تمدنی اور علمی و ادبی روابطہ کی دین ہیں جو قدیم زمانے سے ہی اُس کے اور برصغیر ہندو پاک کے مابین قائم چلے آرہے ہیں۔ ملک میں نمودار ہونے والی ہر تبدیلی کے اثرات یہاں مرتب ہوتے رہے ہیں۔

ہر زبان کی طرح ریاست میں اُردو کے تحریری چلن کی روایت کا آغاز بھی نظم سے ہوا۔ نثر کا آغاز بہت بعد میں ہوا۔

ریاست میں اُردو نثر کا قدیم نمونہ ہرگوپال خستہ کی ''گلدستہ کشمیر'' ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی رسالے، فرامین، اشتہارات اور تراجم اُردو میں لکھے گئے ہیں لیکن لسانی اعتبار سے ان کی اہمیت مسلم ہے، ادبی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

۱۸۷۶ء میں گلدستہ کشمیر کے لکھنے کے بعد محمد دین فوق نے تاریخ اقوام کشمیر، تاریخ بڑشاہی، تاریخ پونچھ اور تاریخ کشمیر مکمل جیسی کتابیں لکھیں اور ادبی افق پر ایک تابناک ستارے کی طرح نمودار ہوئے۔ وہ صاحب کمال اہل قلم، مورخ، صحافی، شاعر اور نثر نگار تھے۔

صحافتی میدان میں ’’بدیابلاس‘‘ کے بعد اُردو زبان کے اخبارات نے یکے بعد دیگرے جنم لینا شروع کیا۔ چنانچہ سرینگر، جموں اور پونچھ سے رنبیر، اخبار صداقت، حقیقت، ہمدرد، چاند، دیش وغیرہ مختلف اوقات پر منظر عام پر آتے رہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

7. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا تعارف

اکادمی یا اکیڈمی، یونانی لفظ ہے جو اصل میں اس جگہ کا نام تھا جہاں افلاطون درس دیا کرتا تھا۔ اب ہر جگہ ہر قسم کے اعلیٰ تعلیمی ادارے کے لیے یہ نام مستعمل ہے۔ ریاست جموں وکشمیر، جموں، کشمیر اور لداخ تین اکائیوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی یہ تینوں اکائیاں مذہب، آب وہوا، جغرافیائی اور لسانی تہذیبی اعتبار سے مختلف ہیں۔ ریاستی حکومت نے ان تینوں اکائیوں کو ایک ہی لڑی میں پرونے کی غرض سے جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگوئجز کا قیام صدرِ ریاست کے حکمنامہ نمبر SR/۵۸-۴ مورخہ ۷/جولائی ۱۹۵۸ء کو ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت عمل میں آیا اور صدرِ ریاست اکادمی کے سرپرست بنے۔

اکیڈمی کا افتتاح ۱۴/اگست ۱۹۵۸ء کو اُس وقت کے صدرِ ریاست اور اکیڈمی کے سرپرست ڈاکٹر کرن سنگھ نے اُن کی سرکاری رہائش گاہ طالع منزل میں کیا۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچرل اینڈ لینگوئجز کے دفتر کا افتتاح وزیر اعظم جموں وکشمیر بخشی غلام محمد جو کہ مرکزی کمیٹی کے چیرمین بھی تھے نے ۲۴/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو کیا۔ اکیڈمی کا یہ دفتر پرتاپ پارک کے سامنے میونسپل بلڈنگ میں تھا۔ جو اب لال منڈی میں ایک خوبصورت عمارت میں ہے جو اکیڈمی کی اپنی ملکیت ہے۔ جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے جموں، لداخ اور کرگل میں سب آفس بھی ہیں۔

8. جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے اغراض ومقاصد

ریاست میں اُردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے ریاستی کلچرل اکیڈمی نے جو رول ادا کیا ہے۔ اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جب کبھی بھی ریاست میں اُردو زبان وادب کی تاریخ لکھی جائے گی، کلچرل اکیڈمی کی گراں قدر خدمات کو بھی سراہا جائے گا کہ ریاست میں اُردو کی مخصوص پوزیشن، مرتبہ اور تشخص کو متعین کرنے میں اکیڈمی کی کارکردگی قابل ستائش رہی ہے۔

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کا آئین ایس۔آر۔او نمبر ۳۴۰ مورخہ ۱۴/اگست ۱۹۶۳ء منظور ہونے کے بعد اکیڈمی کے اغراض ومقاصد بھی متعین کیے گئے۔ یہ اغراض ومقاصد نکات کی صورت میں ذیل میں درج ہیں:

1. اکادمی ایک خودمختار ادارہ ہوگی۔اس کا اپنا ایک نشان ہوگا اوراس کے خلاف عدالتی کارروائی سیکرٹری کے نام پر ہوگی۔
2. ریاست کے مختلف خطوں کے درمیان خیالات اور فنی مہارتوں کا تبادلہ خیال کرنا۔
3. مشاعرے،سمینار، مباحثے، تقریریں، عصرانے، کانفرنسیں، نمائش، فلم شو، موسیقی، ڈراما، رقص اور تمدنی تہوار وغیرہ منعقد اور منظّم کرنے کا اہتمام کرنا اوراس قسم کی تقریبات علاقائی، ریاستی یا کُل ہند بنیادوں پر کرنا۔
4. ضلعی، علاقائی اور دوسری سطحوں پر اکادمی کے مقاصد کو آگے بڑھانے والی تنظیموں کی سرگرمیوں کے درمیان میل پیدا کرنا۔
5. مرکزی اور ریاستی اکادمیوں دوسرے اداروں اور تنظیموں کے ساتھ اشتراک کرنا۔
6. قلم کاروں، مصوروں، ادبی، تمدنی اور ثقافتی تنظیموں کے درمیان اشتراک کو بڑھاوا دینا تاکہ ریاست میں ادب اور فن کی رفتار تیز ہوسکے۔
7. اپنے کام اور مقاصد کے حصول کے لیے گرانٹ حاصل کرنا، عطیہ جات وغیرہ حاصل کرنا اور ایک فنڈ قائم کرنا جس میں وہ تمام رقومات جمع کی جائیں جو ریاست یا مرکزی حکومت سے ملیں۔
8. ادب کی اشاعت کرنا اور کتابیں شائع کرنے میں مدد کرنا۔
9. ریاستی آئین کے چھٹے شیڈول اور دفعہ نمبر ۱۴۶ میں شامل زبانوں میں یا اُن کے متعلق کتاب نامے، ڈکشنریاں، مصوری میں کتابیں، رسالے اور البم وغیرہ ڈھونڈنا اور شائع کرنا۔
10. ریاست کے بارے میں ترجیحی طور پر موسیقی، رقص اور ڈراما کے بارے میں حوالے کی کتابیں اور تکنیکی اصطلاحات وغیرہ۔ اور ماہرین کے ساتھ مشورے کے بعد پرانے عربی، سنسکرت اور فارسی کے نایاب مسودات مرتب کرکے شائع کرنا۔
11. ریاست کی مختلف زبانوں میں لکھے گئے فن اور ادبی کارناموں کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا اوراسی طرح ہندوستانی زبانوں اور غیر ملکی زبانوں کو ریاستی زبانوں میں منتقل کروانا اور ریاستی زبانوں کے ادب کا دوسری ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کروانا۔

12. انعامات، اعزازت، مالی امداد، الاؤنس اور دیگر مالی امداد منظور کرنا۔

13. مطالعے اور تحقیق کو بڑھاوا دینا۔ خاص کر زبان، ادب، موسیقی، رقص، ڈراما، مجسمہ سازی، مصوری اور فن تعمیر اور فن کے عملی شعبوں میں اور اس مقصد کے لیے فیلوشپ، مالی امداد اور وظائف دینا، تحقیق اور تفتیش کے لیے لائبریریاں، عجائب گھر اور گیلریاں وغیرہ قائم کرنا۔

14. مخصوص شعبوں میں تربیت دینے کے لیے ادارے قائم کرنا یا ایسے ادارے قائم کرنے میں مدد دینا جو تھیٹر، موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی اور خطاطی کو فروغ دیتے ہوں۔

15. لوک ادب، فن موسیقی، رقص، ڈرامے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس شعبے میں علاقائی سروے، الفاظ کا جمع کرنا، کلاسیکی اور لوک گیت دُھنیں محفوظ کرنا بھی شامل ہیں ایسے افراد اور انجمنوں کی مدد کرنا جو ان اصناف کی بازیافت اور تحفظ کے لئے کام کرتے ہوں۔

16. ادب، فن، موسیقی، ڈراما اور تمدن کے دوسرے شعبوں سے متعلق اداروں اور تنظیموں کو تسلیم کرنا اور اُن کو تکنیکی اور مالی اِمداد دینا۔

17. اکیڈمی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے یادگاریں، تہذیبی مراکز وغیرہ تعمیر کرنے کے لئے اقدامات کرنا۔

9. جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی کے قواعد و ضوابط

جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کیلیئے سال ۶۴-۱۹۶۳ء کچھ خاص تبدیلیوں کا حامل رہا ہے۔ اس سال کے دوران مورخہ ۱۴/اگست کو اکیڈمی نے ایک خودمختار ادارے کی حیثیت حاصل کی۔ جموں و کشمیر ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۶ کے تحت اس ادارے کو اپنا جدا آئین بنانے کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔ اکیڈمی کا صدر دفتر سرینگر میں ہے لیکن اکیڈمی کے دفتر کو موسم سرما کے دوران کلی یا جزوی طور پر جموں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر کے گورنر اکیڈمی کے سرپرست ہوں گے اور ریاست کے وزیر اعلیٰ اکیڈمی کے صدر ہوں گے۔ معتمد (سیکریٹری) کا انتخاب اکیڈمی کی جنرل کونسل کرتی ہے۔ اس کے لیے بہترین تجویز یہ رکھی گئی ہے کہ نائب صدر معتمد (سیکریٹری) کو غیر سرکاری ممبران میں سے منتخب کیا جائے۔ اکیڈمی کے انتظامی

افسر اعلیٰ اس کے سیکریٹری ہوں گے جن کا تقرر صدرِ اکیڈمی حکومت جموں وکشمیر کے مشورہ سے کریں گے۔
جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی با اختیار مجالس مندرجہ ذیل ہیں۔

1. جنرل کونسل
2. مرکزی کمیٹی
3. مالی کمیٹی
4. ایسی دوسری کمیٹیاں جن کو مرکزی کمیٹی اکیڈمی کے لیے با اختیار یا مجاز قرار دے۔
5. حکومت جموں وکشمیر کے نامزد کیے ہوئے پانچ افراد جن میں سے ایک محکمہ اطلاعات اور ایک محکمہ تعلیم سے متعلق ہو۔
6. جموں وکشمیر کے آئین میں درج زبانوں میں سے ہر ایک کی نمائندگی کرنے والا ایک ایک شخص۔
7. جموں وکشمیر یونیورسٹیوں کے مطالعاتی بورڈوں کا ایک ایک نمائندہ، اُردو، ہندی، پنجابی، موسیقی اور فنونِ لطیفہ سے ہوں یا کوئی اور زبان جس کا مطالعاتی بورڈ یونیورسٹی میں موجود ہو۔ اس کے علاوہ ڈوگری اور کشمیری کے مطالعاتی بورڈ کے دو دو نمائندے۔
8. ایسے دو نمائندے جن کو آل انڈیا ساہتیہ اکیڈمی، ریاستی کلچرل اکیڈمی سے انعام و اعزاز ملا ہو یا دوسری ریاستوں کی ایسی اکیڈمیوں کے انعام یافتگان یا اعزاز یافتگان جن کو ریاستی کلچرل اکیڈمی تسلیم کرتی ہے۔
9. ریاست کی قانون ساز کونسل میں زبان وثقافت کا نمائندہ۔
10. اپنی ذاتی حیثیت میں جنرل کونسل کے نامزد کیے ہوئے افراد جن کی تعداد چار سے زیادہ نہ ہو۔

ان قواعد وضوابط کے علاوہ مشاورتی کمیٹیاں ہیں جو ان کتابوں اور مسودوں کو دیکھتی ہیں جو اکیڈمی کو اشاعت کے لیے یا مالی معاونت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

10. کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والی اُردو کی کتابوں کا اجمالی جائزہ

تہذیب ایک ایسا متنوع، رنگا رنگ، ہمہ جہتی لفظ ہے جس کے سائے میں انسانی سماج ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہے۔ تہذیب انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں کسی بھی سماج کے لیے لازمی خیال کی جاتی ہیں۔ تہذیب ایک آرزو ہے، ایک تمنا ہے اپنے سماج میں رواداری، محبت،

خیر سگال، وسیع النظری اور مساوات جیسے اقدار کے پیش نظر اپنے انفرادی مفادات کے بجائے پورے سماج کی ترقی اوراس کی فلاح و بہبود کے لیے مل جل کر کام کرنے ،تہذیب میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کا تعلق اقدار اعلیٰ سے ہے۔جن کا تعلق انسان کی علمی جدوجہد، اس کی ذہنی کاوش اور سوچ اور فکر سے ہے۔ تہذیب میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جن کا تعلق مادّی مظاہر سے ہے۔مادّی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو تہذیب میں لباس،مصوری، سنگتراشی اور فن تعمیر وغیرہ کے مظاہر سبھی کچھ شامل ہیں۔اگر روحانی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو علوم وفنون کے شعبے، ادب وفلسفہ، امداد، خیالات، احساسات اور تصورات وغیرہ تہذیبی مظاہر کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

جموں وکشمیر اکیڈمی نے از خود جن اُردو کی کتابوں کو شائع کیا ہے ان کی فہرست درجہ ذیل ہیں:

نمبرشار	کتاب کا نام	مصنف	تدوین وترتیب کار	جلد	سن اشاعت
۱	کشمیری زبان اور شاعری	عبدالاحد آزاد	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۵۹
۲	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات	حامدی کاشمیری			۱۹۵۹
۳	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات	پروفیسر شمس الدین احمد			۱۹۵۹
۴	سلسلہ منتخب کشمیری منظومات حقانی	مولانا فطرت کاشمیری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۵۹
۵	سلسلہ انتخاب منظومات (شاعر رسول میر)	ترجمہ ارجن دیو مجبور	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۶۰
٦	کشمیری زبان اور شاعری	عبدالاحد آزاد	محمد یوسف ٹینگ	۳	۱۹۶۳/۱۹۸۳
۷	مثنویاں فانی	ڈاکٹر امیر حسن عابدی			۱۹٦۴
۸	وطن کی پکار	محمد یوسف ٹینگ	محمد یوسف ٹینگ		۱۹٦۴
۹	اُردو کشمیری فرہنگ (بارہ جلد)	کلچر اکیڈمی		۱۲	۱۹٦۷
۱۰	کلیات آزاد	عبدالاحد آزاد ترجمہ ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو			۱۹٦۷
۱۱	دیوان غنی	ملا محمد طاہر غنی کشمیری	علی جواد زیدی		۱۹٦۸
۱۲	ڈوگری لوک ادب اور پہاڑی	لکشمی نارائن وسنسار چند	نیلامبر دیو شرما		۱۹٦۹
۱۳	تفسیر غالب	ڈاکٹر گیان چند	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۷۱/۱۹۸٦
۱۴	پربت اور پنگھٹ	پروفیسر شمس الدین احمد	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۷۱

۱۵	غنی کشمیری	ڈاکٹر ریاض احمد شیروانی	اکبر علی خاں		۱۹۷۲
۱۶	دیوان میر	کلچرا کیڈمی	ڈاکٹر اکبر حیدری		۱۹۷۳
۱۷	انتخاب اُردو ادب		نورشاہ		۱۹۷۳
۱۸	نئی حسّیت اور عصری اُردو شاعری	حامدی کاشمیری			۱۹۷۴
۱۹	مٹک یاردے	پدم بھوشن ڈاکٹر بھائی ویر سنگھ، ترجمہ ہربنس سنگھ آزاد	علی جوادزیدی		۱۹۷۵
۲۰	ریشیات	محمد یوسف ٹینگ	رشید نازکی	۲	۱۹۷۸/۱۹۹۲
۲۱	بُرج نور: حیات وحالات حضرت شیخ نورالدین نورانی	پروفیسر عبدالقادر سروری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۸۱
۲۲	نظر اور نظارہ	کلچرا کیڈمی	محمد احمد اندرابی		۱۹۸۲
۲۳	ریشی نامہ	ملا بہاءالدین متو	محمد اسداللہ وانی		۱۹۸۲
۲۴	لل دید	ترجمہ پروفیسر نندلال کول	پروفیسر جیالال کول		۱۹۸۴
۲۵	کشمیر میں اُردو (تین جلد)	پروفیسر عبدالقادر سروری	محمد یوسف ٹینگ	۳	۱۹۸۴
۲۶	ساز کی لے تیز کرو (دوجلد)	کلچرا کیڈمی	محمد یوسف ٹینگ	۲	۱۹۸۴۔۱۹۸۵
۲۷	کشمیر میں عربی شعروادب کی تاریخ	ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری			۱۹۹۳
	تذکرہ قدیم شاعرات اُردو	ڈاکٹر اکبر حیدری	محمد یوسف ٹینگ		۱۹۹۴
۲۸	خیابانِ کشمیر	انتخاب	غلام نبی خیالی		۱۹۹۸
۲۹	کلام اقبال (نادر اور نایاب رسالوں کے آئینے میں)	ڈاکٹر حیدری	محمد یوسف ٹینگ		۲۰۰۱
۳۰	جموں کشمیر کے اُردو مصنفین	جان محمد آزاد			۲۰۰۴
۳۱	نیل مت پوران	ترجمہ ارجن دیو مجبور	پروفیسر جیالال کول		۲۰۰۷
۳۲	تحسین جعفری	منشور بانیالی	غلام نبی خیال		۲۰۰۹
۳۳	غلام رسول نشاط کشتواڑی	ولی محمد اسیر کشتواڑی	بشیر اطہر		۲۰۰۹
۳۴	کلیات میجور	ترجمہ سلطان الحق شہیدی	محمد اسداللہ وانی		۲۰۰۹
۳۵	چناررنگ	غلام نبی آزاد	محمد یوسف ٹینگ		۲۰۱۰
۳۶	خواب زار (شعری مجموعہ)	شجاع سلطان	محمد احمد اندرابی		۲۰۱۳
۳۷	چناررنگ	انتخاب	غلام نبی خیال		

۳۸	چنار رنگ (کشمیر کے بارے میں لکھی گئی نظمیں)	انتخاب	بشیر اطہر	
۳۹	ملفوظات نظامیہ	حضرت میاں محمد طہر اللہ المعروف حضرت باباجی صاحب لاروی	محمد احمد اندرابی	
۴۰	منظر اور پس منظر	رسول پونیر	محمد احمد اندرابی	
۴۱	خیابان خیابان	راوش صدیقی	محمد احمد اندرابی	
۴۲	سید گل	شمس فقیر	محمد احمد اندرابی	
۴۳	اکیڈمی مخطوطات	کلچرا کیڈمی		۲
۴۴	جدید ڈوگری ادب کا ارتقاء	ٹھاکر پونچھی	محمد احمد اندرابی	
۴۵	محفل اقبال	کلچرا کیڈمی	محمد احمد اندرابی	
۴۶	شمس العارفین	کلچرا کیڈمی	محمد احمد اندرابی	
۴۷	وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا	انور صابری	محمد احمد اندرابی	
۴۸	انوار ابوالکلام آزاد	کلچرا کیڈمی	علی جواد زیدی	
۴۹	ریشیات	کلچرا کیڈمی	اسداللہ وانی	
۵۰	نکات ورقعاتِ غالب	اکبر علی خاں	اکبر علی خاں	

11. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی مالی معاونت سے شائع شدہ اُردو کتابوں کا تعین قدر

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۶۱ء سے مختلف زبانوں کے مصنفین کو ان کی کتابوں پر مالی معاونت کرنے کا کام شروع کیا تھا جو اب بھی جاری ہے۔ کلچرا کیڈمی نے آج تک اپنی مالی معاونت سے جو کتابیں منظر عام پر لائیں وہ خود اپنے آپ میں ایک مثال اور ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور خصوصاً اُردو زبان وادب کے فروغ، ترقی وترویج کے لئے یہ کام سب سے زیادہ معاون ومددگار ثابت ہو رہا ہے۔

جموں اینڈ کشمیر کلچرا کیڈمی مصنفین کو ان کی کتابیں شائع کرنے کے لیے کل رقم کا تخمینہ لگا کر خرچ کی آدھی رقم سبسڈی کے طور پر دیتی آ رہی ہے۔ اس رعایت سے اُردو زبان وادب سے متعلق وہ بہت ساری کتابیں بھی منظر عام پر آئیں جو مالی مسائل کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکی تھیں اور اس فیصلے سے بہت سے ایسے

ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے جنھیں اپنی تخلیقات منظر عام پر لانے کی استطاعت نہیں۔اکیڈمی کی مالی معاونت سے تقریباً دوسو اُردو کی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کی طرف سے ۱۹۶۴ء میں بہترین کتاب پر ایوارڈ دینا شروع کیا گیا جو آج تک جاری ہے۔ یہ انعامات ہر زبان میں ہر سال چھپی ہوئی بہترین کتاب کو دیا جاتا ہے۔۱۹۶۴ء سے آج تک سب سے زیادہ جن کتابوں کو انعامات دیے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعداد اُردو زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کی ہے۔ مالی معاونت سے اُردو زبان میں شائع شدہ کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے:

نمبر شمار	عنوان	مصنف
۱	آریجن آف ہندوستانی ماڈرن لٹریچر	عتیق صدیقی
۲	آزاد نظم	کنول کشن بالی
۳	آتش چنار	شیب زید پوری
۴	آخری سکور	آفاق احمد
۵	آسمانی گیڈر	آفاق احمد
۶	اورادِفتحیہ	مولانا عبدالکبیر
۷	ادبی قدریں اور نفسیات	ڈاکٹر شکیل الرحمان
۸	اے جنتِ کشمیر	عابد مناوری
۹	اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا	کشوری منچندا
۱۰	انجمن	وجے سمن
۱۱	اُفق نو	منظر اعظمی
۱۲	اپنا اپنا نصیب	شریمتی این۔اے۔بیگم
۱۳	ایک زخم اور سہی	شبنم قیوم
۱۴	افسانے	پریم ناتھ در
۱۵	اقبال نمبر	ایڈیٹر علم ودانش

۱۶	ارغمانِ المست	دنیاناتھ المستؔ
۱۷	احساس کے گھاؤ	کیشوری منچندا
۱۸	الانور	عبدالرحمان کوندو
۱۹	اقبال اور غالب	ڈاکٹر حامدی کاشمیری
۲۰	اردو شاعری کی نئی جہتیں	پریمی رومانی
۲۱	اجناب	شری راج کمار چندن
۲۲	اوراق	پریمی رومانی
۲۳	ابجد	مظفر ارتج
۲۴	بلندیوں کے خواب	ایچ۔یو۔حامدی
۲۵	بہار کشمیر	ہر بھگوان شاد
۲۶	بکھرے خواب	گُلدیپ رینہ
۲۷	بہرُوپ	شری محمد یاسین
۲۸	بنجر دھرتی پتھر لوگ	گیان چند
۲۹	بیسویں صدی کے انگریزی ادب میں اُردو ادب کے رجحانات	ڈاکٹر ظہور الدین
۳۰	تحقیق وتنقید	ڈاکٹر اکبر حیدری
۳۱	پولیٹکل ورکس آف پروفیسر تلوک چند محروم	شری جی۔این۔آزاد
۳۲	دیارِ غزل	عابد مناوری
۳۳	کارگہہ شیشہ گری	حامدی کاشمیری
۳۴	پیام ولی	امر چند ولی
۳۵	پیام مشرق اقبال	مترجم،سلطان الحق شہیدی
۳۶	پیش خیمہ	پریتپا سنگھ بیتابؔ

۳۷	پونچھ	شری کے۔ڈی۔مینی
۳۸	پائل کے زخم	نورشاہ
۳۹	تاریخ کشمیر	محمدامین پنڈت
۴۰	تنہائی سے تماشہ تک	آفاق احمد
۴۱	تاریخ ہند کے چند خاکے	ڈاکٹر محمد یاسین
۴۲	تین ڈرامے	آفاق احمد
۴۳	تفکرّات	ظہورالدین
۴۴	تاریخی ڈرامہ	آفاق احمد
۴۵	تکون کا کرب	کیشوری منچندا
۴۶	تحقیقات حیدری	ڈاکٹر اکبر حیدری
۴۷	تلاش وتعبیر	منظر اعظمی
۴۸	تذکرۃ الاخیر	شری محمدامین رفیقؔ
۴۹	ٹھنڈی کانگڑی کا دُھواں	خالد حُسین
۵۰	جہلم اورتوی	شری موہن یاور
۵۱	جنرل زوراورسنگھ	سیاح سونامی
۵۲	جدید اردو نظم کاارتقاء	ڈاکٹر حامدی کاشمیری
۵۳	جہلم کے کنارے	مس منظوراختر
۵۴	جانے وہ کیسے لوگ تھے	ملک رام آنند
۵۵	جوہرآئینہ	پروفیسر این۔ایل۔کے۔طالبؔ
۵۶	جہاں دھرتی ملے آکاش سے	سُکھ دیوسنگھ
۵۷	جیپ جی صاحب	جسونت سنگھ
۵۸	جیل	آفاق احمد

۵۹	جامِ کوثر	نسرین فاطمہ
٦٠	جذب دروں	شوریدہ کاشمیری
٦١	چشمِ نیم باز	عرش صہبانی
٦٢	چراغِ معرفت	عبدالسلام
٦٣	حرفِ جستجو	ڈاکٹر برج پریمی
٦۴	خرامِ حیات	شری مہندر رینہ
٦۵	خواجہ حافظ شیرازی کا مفصل مطالعہ	کے۔این۔پنڈتا
٦٦	خاطرِ احباب	شری سعیدالدین قادری
٦٧	خیابان	قاضی بلال دلنوی
٦٨	خطابِ خیام	شوریدہ کاشمیری
٦٩	دُرجِ بہار	قیصر قلندر
٧٠	دوآتشہ	فاروق نازکی
٧١	دیوانہ سالک	اے۔این۔رینہ
٧٢	دھان کی بالیاں	ساگر کشمیر
٧٣	دیوانِ حرفی	شری حبیب اللہ
٧۴	دوخط ایک کہانی	سومناتھ ڈوگرہ
٧۵	دیوی کا بلیدان	شری سریندر دت عزیزؔ
٧٦	دیوانِ نامی	ڈاکٹر اکبر حیدری
٧٧	ذوقِ نظر	برج پریمی
٧٨	رستے انجانے	آنند سروپ
٧٩	رموزِ بیخودی	شری جی۔آر۔کامگار
٨٠	زعفران زار	امر مالموہی

۸۱	زاویہ	رفیقہ منظور الامین
۸۲	زوجیلا کے آرپار	عبدالغنی لداخی
۸۳	سازِ جمال	قیصر قلندر
۸۴	سمندر پیاسا ہے	شری جی۔آر۔سنتوش
۸۵	سلیکٹیڈ شارٹ سٹوریز	دیپک کول
۸۶	سازِ شکست	اکبر جے پوری
۸۷	سراب	حامدی کشمیری
۸۸	سُنبل و ریحان	ڈی۔این۔رفیقؔ
۸۹	سڑک انصاف کرتی ہے	کشوری منچندا
۹۰	سڑک جارہی ہے	وحشی سعید ساحلؔ
۹۱	سنگ وآئینہ	شیخ فاروق مضطرؔ
۹۲	سبز شعلے	صابر مرزا
۹۳	سراب در سراب	شری پرتپال سنگھ بیتابؔ
۹۴	شہر کی خوشبو	مالک رام آنند
۹۵	شیشے کی دیوار	شیخ بشیر احمد
۹۶	شناخت	مظفر آیرجؔ
۹۷	شیرین کے خطوط	محمد زماں آزردہؔ
۹۸	شاہکار	سجود سیلانی
۹۹	شمنستان	نشاط انصاری
۱۰۰	شاخ صنوبر کے تلے	محمد یاسین بیگ
۱۰۱	شمیم گل	عابد مناوری
۱۰۲	شعلۂ موسم کی بیاض	حکیم منظور

۱۰۳	صوفیانہ موسیقی اور وادن سنگیت	نور محمد بٹ
۱۰۴	صرف پانچ ہزار	بھوش لال بھوشن
۱۰۵	صدائے نیم شب	شری خالد بشیر
۱۰۶	عرسِ تمنا	حامدی کاشمیری
۱۰۷	عصر جدید اور شاعری	کمال احمد صدیقی
۱۰۸	منزلوں کا آنگن	ایس۔ایس۔بخشی
۱۰۹	تیار کاروان	مرزا محمد زماں آزردہ
۱۱۰	غالبؔ کی جمالیات	شکیل الرحمان
۱۱۱	فکر وخیال	اکبر جے پوری
۱۱۲	قُربتوں کی خوشبو	آفاق احمد
۱۱۳	قدیم تحقیقی سرمایہ	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۱۴	کیفی اعظمی	شاہ زور کشمیری
۱۱۵	کشمیر اور کشمیری ادب	شری ایم۔وے۔ٹینگ
۱۱۶	کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ	اے۔کیو۔سروری
۱۱۷	کشمیر میں پنجابی زبان اور ادب	پروفیسر سیوا سنگھ
۱۱۸	کشمیر جاگ اُٹھا	شری جان محمد آزاد
۱۱۹	کشمیر میں اسلام کی اشاعت	سعید محمد فاروق بخاری
۱۲۰	کلامِ دلگیر	اکبر حیدری
۱۲۱	کارگہہ شیشہ گری	حامدیؔ کشمیری
۱۲۲	کفِ گل	ڈاکٹر برج پریمی
۱۲۳	کہرے کی وادی	کیشوری منچندا
۱۲۴	گُل ہائے تبسم	مس واجدہ تبسمؔ

۱۲۵	گُلشنِ خفر	خفر مغربی
۱۲۶	گلدستۂ نساء	میمون النساء
۱۲۷	گُلاب اور کانٹے	ایچ۔ ایس۔ ساگر
۱۲۸	لاوا کا سمندر	شکیل الرحمان
۱۲۹	لداخ کی کہانیاں	شری ایم۔ اے۔ پنڈت
۱۳۰	لہولمس چنار	حکیم منظور
۱۳۱	لاحرف	حامدی کاشمیری
۱۳۲	لداخ کی سیر	شری عبدالغنی شیخ لداخی
۱۳۳	لامحدود	جی۔ این۔ غمگین
۱۳۴	موتی مالا	خفر مغربی
۱۳۵	متعلقاتِ انشا	ڈاکٹر ایس۔ ایل کالرا
۱۳۶	مضامین حیدری	اکبر حیدری
۱۳۷	میرا کوئی گھر نہیں	شری ظفر احمد
۱۳۸	میری پسند	پدم ناتھ گنجو
۱۳۹	منظومات دلگیر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۴۰	متاعِ خیال	محمد حسن محمود
۱۴۱	میر ضمیر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۴۲	میر تقی میرؔ کی مثنویاں	ضیا آفریدی
۱۴۳	مطالعہ زورؔ	اکبر حیدری
۱۴۴	نظمِ ثریا	رضا جاودانیؔ
۱۴۵	نُورِ سحر	بسملؔ دہلوی
۱۴۶	نشۂ گُل	سُلطان الحق شہیدی

۱۴۷	نار بوزنگپو	کاچوسکندر خان سکندر
۱۴۸	نگارشات	مشعل سلطان پوری
۱۴۹	ندائے آوردگی	اقبال فہیم
۱۵۰	ناصر کاظمی کی شاعری	حامدی کاشمیری
۱۵۱	وقت کا گھاؤ	واجدہ تبسم
۱۵۲	لل دید	جے۔ ایل گیرو
۱۵۳	گلشنِ خضر	خضر مغربی
۱۵۴	متعلقاتِ اِنشا	ڈاکٹر ایس۔ ایل کالرا
۱۵۵	وادیاں اور ویرانے	جان محمد آزاد
۱۵۶	غبارِ کارواں	ڈاکٹر محمد زمان آزردہ
۱۵۷	چادر	کے۔ ڈی۔ مینی
۱۵۸	جوشِ جنون	شوریدہ کشمیری
۱۵۹	شناخت	مظفر ایرج
۱۶۰	باقیات انیسؔ	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۶۱	سنگ و آئینہ	شیخ فاروق مظفر
۱۶۲	تحقیقی فوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۶۳	ویرانہ	شمس الدین شمیم
۱۶۴	ہوا کے دوش پر	و جے سُمن
۱۶۵	منظوماتِ دلگیر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۶۶	اپنا گھر	موہن یاور
۱۶۷	حرف پانچ ہزار	بھوش لال بھوشن
۱۶۸	سنبل و ریحان	ڈی۔ این۔ رفیق

۱۶۹	لداخ کی کہانیاں	شری ایم۔اے۔پنڈت
۱۷۰	وردالمریدین (متاعِ نور)	سعیدالدین قاری
۱۷۱	کلامِ دلگیر	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۷۲	تحقیق مطالعہ	ڈاکٹر اکبر حیدری
۱۷۳	عصر جدید اور شاعری	کمال احمد صدیقی
۱۷۴	گلاب اور کانٹے	ایچ۔ایس۔ساگر
۱۷۵	یہ میری دنیا	نور شاہ
۱۷۶	ہندو مذہب کی جھانکیاں	ڈاکٹر محمد یاسین
۱۷۷	شاخ صنوبر کے تلے	محمد یاسین بیگ
۱۷۸	متاع خیال	محمد حسن محمود
۱۷۹	ہرے پودے بنجر زمین	کشوری منچندا
۱۸۰	یادگار کلثوم	اکبر جے پوری

12. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے ذریعے ادبی تنظیموں اور ادیبوں کو دی جانے والی مالی معاونت کا تعین قدر

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگو یجز اپنی تہذیبی میراث کی ہمہ جہتی اور رنگارنگی کی ترویج کی آئینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے رضا کارانہ ادبی اور ثقافتی تنظیموں کو امداد دینے کا سلسلہ شروع کیا یہ امداد ایسی تنظیموں کو دی جاتی ہے جو ریاست میں موسیقی، رقص، ادب اور زبانوں کے فروغ کے لیے کام کرتی ہیں۔

اکیڈمی ۱۹۶۱ء سے ریاست کی تینوں اکائیوں میں مختلف زبانوں کی ترقی و ترویج کے لیے کام کر رہی ادبی تنظیموں کو مالی امداد دیتی آ رہی ہے۔ اُردو، کشمیری، ڈوگری، گوجری، لداخی، پنجابی، ہندی اور پہاڑی وغیرہ زبانوں کی ایسی منظور شدہ ادبی انجمنوں کو مالی معاونت کی ہے جو ادب، موسیقی، رقص اور زبانوں کے پھیلاؤ کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔

اُردو کی ایسی انجمنوں میں بزم ادب بھدرواہ، کرشن چندر میموریل کلب پونچھ، انجمن ترقی ادب بڈگام کاروان ادب گاندربل، مجلس ادب راجوری، اقبال بزم ادب بیدرواہ جموں، آل جموں وکشمیر یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن اور بزم فروغ اُردو جموں کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً پانچ سو انجمنوں کی مالی معاونت آج تک اکیڈمی کی جانب سے ہوئی ہے۔

۱۹۷۱ء سے اکیڈمی نے ان لوگوں کے حق میں مالی معاونت کا فیصلہ کیا جنھوں نے ادب فن اور دیگر شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور نامساعد حالات کے شکار ہیں۔ ایسے شعراء اور ادیبوں کے لواحقین کو بھی یہ مالی امدادی جاتی ہے۔ جن کے لیے آمدنی کے دیگر وسائل نہ ہوں۔ یہ امدادی رقم ابتدا میں ماہانہ ۵۰ روپیہ سے ۱۵۰ سو روپیہ تک تھی اب ۶۰۰۰ ہزار سے ۸۰۰۰ ہزار سالانہ کردی گئی ہے۔

13. خطاطی وخوشنویسی

خط عربی زبان کا لفظ ہے اور اسی سے خطاطی نکلا ہے جس کے معنی ''انداز تحریر'' کے ہیں۔ خطاطی کے بہت سے طرز رائج رہے ہیں جن میں خط نسخ، خط نستعلیق، خط گلزار، خط ماہی، خط ناخن، خط ابری، خط انجم، خط شکستہ، خط درمیانہ، خط رقاع، خط کوفی، خط قحر ام اور خط بنگلہ نما وغیرہ ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ہی ایسے خط ہیں جو عام طور سے رائج رہے ہیں۔ خط نسخ، خط تعلیق اور خط شکستہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

خط نستعلیق یہ ایرانی خط ہے جس کو چوتھی صدی ہجری کے آخر میں میر علی تبریزی نے نسخ اور تعلیق کی آمیزش سے ایجاد کیا۔ آج کل اُردو کے لیے نستعلیق ہی رائج ہے۔

کشمیر فارسی اور اُردو خطاطی کا مرکز رہا ہے اور مغل دربار کے چند نامور خطاط کشمیر سے ہی اُبھرے ہیں۔ لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ یہ فن بھی زوال کی نظر ہوگیا اور اس صدی کی چھٹی دہائی میں یہ فن تقریباً ختم ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس لے اکیڈمی نے اس مرتے ہوئے فن کو بچانے کے لیے ٹھوس پروگرام مرتب کیا۔ اکیڈمی نے پہلی بار جنوری ۱۹۵۹ء سے اس فن میں ترتیب دینے کی غرض سے فنِ خطاطی کے قابل استاد جناب حسام الدین خانیاری کا تقرر عمل میں لایا۔ اس فن کو مزید اوپر اُٹھانے کے لیے اور اس تخلیقی عمل کی طرف مزید لوگوں کو راغب کرنے کے لیے اکیڈمی نے ۱۹۷۶ء سے کئی کل ہند خطاطی کے مقابلے منظّم کیے ہیں۔

تعلیم گاہ خوشنویسی کا افتتاح ۳۱ر جولائی ۱۹۷۴ء کو جناب شیخ محمد عبداللہ نے ٹیگور ہال میں کیا اس تعلیم گاہ کے پہلے انچارج ریاست کے معروف خوشنویس جناب میر محمد افضل مخدومی مقرر ہوئے اب ان دونوں شعبوں کے ایک ہی پرنسپل ہیں۔ پہلے سال اس تعلیم گاہ خوشنویسی میں بیس طلباء وطالبات کو داخلہ دیا گیا جن میں سے تین سالہ تربیت مکمل کرنے کے بعد ۷۸۔۱۹۷۷ء میں سولہ کو امتحان میں شرکت کے بعد کامیاب قرار دیا گیا۔ اس کورس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے طلباء وطالبات کو ماہنامہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

14. اُردو ٹائپ ومختصر نویسی

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے ریاست میں اُردو کی ترقی وترویج کے سلسلے میں حتی الامکان کوششیں کی ہیں جن میں اُردو ٹائپ اور مختصر نویسی کی ایک کلاس کا قیام بھی شامل ہے۔

اس کلاس کا قیام مارچ ۱۹۸۲ء میں عمل میں لایا گیا اور دس طلبہ وطالبات کے لیے اُردو ٹائپ اور مختصر نویسی میں تربیت دینے کے انتظامات کیے گئے۔ اس فن میں تربیت دینے کے لیے دہلی کے ایک ماہر استاد نجم الاسلام کی خدمات حاصل کی گئیں۔ تربیت کے دوران امیدواروں کو ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں یہ فن اب زوال پذیر ہے۔

15. انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس

اس انسٹی ٹیوٹ کا مقصد تلاش ہے ان ہونہاروں کی جو اپنے اندر قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ کشمیر کا واحد ادارہ ہے جو فنونِ لطیفہ کی ترقی وترویج کے لیے کام کرتا ہے۔ اس ادارے کے ذریعہ موسیقی، میوزک، فائن آرٹس اور رقص وغیرہ کی تربیت دی جاتی ہے۔

اس ادارے کے پہلے پرنسپل ڈاکٹر وسنت راؤ راجو تھے۔ ڈاکٹر موصوف ہندوستان کے ایک جانے مانے موسیقار اور موسیقی کے استاد تھے انھوں نے موسیقی پر بہت ساری تصانیف تحریر کی ہیں۔ ڈاکٹر وسنت راؤ راجو نے ۱۹۶۷ء میں اس انسٹی ٹیوٹ میں اپنا عہدہ سنبھالا۔ ۱۹۷۹ء میں اس انسٹی ٹیوٹ نے بہت سارے ایسے طلباء وطالبات کو پانچ سال مسلسل تربیت کے بعد ڈگریاں دیں جنھوں نے فن موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی اور رقص میں داخلہ لیا تھا۔ اس ادارے کا الحاق باضابطہ طور پر جموں اور کشمیر یونیورسٹیوں کے ساتھ ہے یہ انسٹی

ٹیوٹ طلباء و طالبات کو مواقع فراہم کرتا ہے تا کہ وہ ماہرین کے ذریعہ منظّم تربیت و رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس ادارے کے ذریعہ ان طلباء طالبات کو زندگی سنوارنے اور سجانے کے لیے نادر مواقع فراہم ہوتے ہیں جن کے اندر موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی اور رقص کا شوق ہو۔ یہ انسٹی ٹیوٹ جموں، کشمیر یونیورسٹیوں کے ساتھ منسلک ہے۔

جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی نے جن آرٹسٹوں کو انعامات سے نوازا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے:

سال 1966 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب رتن پریمود
2 جناب تریلوک کاؤل
3 جناب پی این کچرو
4 جناب ایم کے بھٹ
5 جناب ایس کے کاؤ
6 جناب بھوشن کاؤل
7 جناب اجیت کاؤل
8 جناب شجاع سلطان
9 جناب آر ایم سرکار

سال 1974 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب تریلوک کاؤل
2 جناب بنسی پریمو
3 جناب اے آر جان
4 جناب بی کے سلطان

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ جیان کور

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب بشیر احمد شورا
2 جناب کیول کرشن

سال 1975 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بھوشن کاؤل
2 جناب ایم اے محبوب
3 جناب غور حسن

کیملن ایوارڈ

1 جناب اشوک مہرا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شبیر مرزا　　2 جناب وجے صرف

سال 1976 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب صادق محمد　　2 جناب اے کے رائنا

3 جناب آے آر جان　　4 جناب غیور حسن

5 جناب وی آر کھجوریا

کیملن ایوارڈ

1 جناب شجاع سلطان

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ شائقہ موجی　　2 جناب وجے کول

3 جناب آفتاب احمد　　4 مس چندرلتا سادھنا

5 جناب منظور احمد راتھر

سال 1977 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بھوشن کول　　2 مس نسرین شہزادی

3 جناب اے آر جان　　4 مس گووند کور

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ فرخانہ موجی

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب آر این سنگھ　　2 جناب کرشنجی کاؤ

3 جناب نریش کول

سال 1978 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب اے آر جان　　2 جناب وجے گپتا

3 جناب شبیر مرزا　　4 جناب راجندر ٹکو

کیملن ایوارڈ

1 جناب بھوشن کول

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 مس نسیم شورا
2 جناب کیلاش ناتھ
3 جناب برج موہن
4 جناب نیاز احمد میر

سال 1980 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بشیر شورا
2 محترمہ نصرین شہزادی
3 جناب اشوک مہرا
4 جناب بھوشن کیسر

کیملن ایوارڈ

1 محترمہ اپدیش کور

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب راکیش کول
2 محترمہ نسیم شورا
3 جناب نیرج اپمنیو
4 جناب راجیشور سنگھ
5 محترمہ فاتیہ شہزادی

سال 198 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب گوکل ڈیمی
2 جناب نوشاد نثار
3 جناب اعجاز ملک
4 جناب مشتاق احمد خان
5 جناب سورج کھجوریا
6 جناب امرک سنگھ نامدھاری

کیملن ایوارڈ

1 جناب آفتاب احمد

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ آشا کول
2 محترمہ تنوجا مجو
3 محترمہ نسیم شورا

سال198 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بھوشن کیسر 2 محترمہ فاتیہ شہزادی

3 جناب روی دھار 4 جناب بی کے سلطان

کیمل ایوارڈ

1 جناب مقصود حسین

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب سشیل کمار بھولا 2 محترمہ پنچ شیل کول

3 محترمہ فمیدہ علی

سال198 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 محترمہ نسرین شہزادی 2 محترمہ پنچ شیل کول

3 محترمہ شائقہ موحی 4 جناب سشیل کمار بھولا

کیملن ایوارڈ

1 جناب ونود ملہوترا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شفیع چمن 2 جناب ایس سی کار

3 محترمہ رمنی رائنا 4 محترمہ نگہت نسرین

سال1984 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب راجیشور ٹھاکر 2 محترمہ پنچ شیل کول

3 محترمہ نصرین شہزادی 4 جناب برج موہن شرما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شفیع چمن 2 محترمہ پرنسی بھٹ

3 جناب اشوک کمار کول

کیملن ایوارڈ

1 جناب گیان چند دھمن

براڈوے ایوارڈ

1 جناب کندن کمار 2 جناب شبیر مرزا

سال 1985 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب شبیر مرزا 2 جناب بی جی حسن

3 جناب گیان چند دھمن 4 جناب آفتاب احمد

کیملن ایوارڈ

1 جناب کمل نین بھن

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ایم اے محبوب 2 جناب برج شرما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب نیرج شرما 2 محترمہ پرنسی بھٹ

سال 1986 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب ایم اے محبوب 2 جناب شفیع چمن

3 محترمہ نسرین محسن 4 جناب ہمایوں قیصر

کیملن ایوارڈ

1 جناب بشیر شورا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب رندھیر سنگھ پٹھانیا 2 جناب میر امتیاز

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 محترمہ پرنسی بھٹ 2 محترمہ ہروبندر کور

سال 1987 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب بشیر شورا — 2 جناب کندن کمار

3 جناب کمال نین بھن — 4 محترمہ شرمیلا اوستھی

کیملن ایوارڈ

1 جناب اندر سلیمی

براڈوے ایوارڈ

1 جناب اشوک مہتا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب سنجے سرف — 2 جناب ستپال شرما

سال 1988 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب کمال نین بھن — 2 جناب شبیر حسین سنتوش

3 جناب شمیم فاروقی — 4 جناب اعجاز ملک

کیملن ایوارڈ

1 جناب ٹی ایس بترا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب امرک سنگھ — 2 محترمہ ساحل میر

سال 1989 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب ظہور زرگر — 2 محترمہ نسرین محسن

3 جناب ستپال شرما — 4 جناب راجندر کمار

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب آشوتوش سپرو — 2 جناب مسعود نقشبندی

کیملن ایوارڈ

1 جناب ایم اے محبوب

براڈوے ایوارڈ

1 جناب نجم الحسن کاظمی — 2 جناب این ڈی سنگھ جوال

سال 1990 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب وجئے سرف میناگھے — 2 جناب ظہور زرگر

3 جناب ٹی ایس بترا — 4 جناب جے پی سنگھ

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب سریش کمار شرما — 2 محترمہ سجاتا مگوترا

کیملن ایوارڈ

1 جناب اشوک مہرا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب سبھاش آنند — 2 جناب گنیش کمار شرما

سال 1991 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب مسعود نقشبندی — 2 جناب ہرش وردھن

3 جناب مدن ورما — 4 جناب بی آر بلدھوترا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب شیرین جان — 2 ریچا مہاجن

کیملن ایوارڈ

1 جناب راکیش کے کول

براڈوے ایوارڈ

1 جناب بھوشن کیسر — 2 جناب وویک جمول

سال 94-1993 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب رویندر جمول — 2 جناب ہرچرن سنگھ

3 محترمہ تنوجا مجو — 4 جناب ہرش وردھن

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب نوشاد غیور 2 محترمہ آرتی بھسو

کیملن ایوارڈ

1 جناب ٹی سرنگ وانگڈو

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ملند کمار 2 جناب بی ایل پروانا

سال 1995 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب غلام مصطفیٰ 2 جناب کمل نین بھن

3 جناب بھوشن کیسر 4 جناب سورج کھجوریا

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب عاشق حسین 2 جناب جسبیر ورک

کیملن ایوارڈ

1 جناب منو گپتا

براڈوے ایوارڈ

1 جناب نوشاد غیور 2 جناب راجیش ہنڈو

سرٹیفکٹ میرٹ

1 کے ایم رچا کوہلی 2 جناب روہت ورما

3 جناب ونئے کھجوریا

سال 1997 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب جگدیش سیٹھی 2 جناب محمد اسلم نقشبندی

3 جناب ہرش وردھن 4 جناب رمیش چندر ورما

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب واقر احمد لون 2 جناب دیپک کیسر

کیملن ایوارڈ

1 کنور شکتی سنگھ

براڈوے ایوارڈ

1 جناب ارون ڈوگرا
2 جناب چندر پرکاش

سرٹیفکٹ میرٹ (آرٹسٹ)

1 جناب ککل سکھ جیت سنگھ
2 جناب سبھاش آنند
3 محترمہ ربینہ
4 جناب ایم اکرم خان

سرٹیفکٹ میرٹ (اسٹوڈنس)

1 جناب طارق احمد وانی
2 جناب بشارت حمید شاہ
3 جناب راجو
4 ملن شرما
5 جناب برج پال آنند

سال 1998 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1 جناب جگپال سنگھ
2 جناب ششی کمار
3 جناب سمن گپتا
4 جناب آفتاب احمد

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1 جناب چندر پرکاش
2 جناب اجے شرما

کیملن ایوارڈ

1 جناب مسعود تبش نقشبندی

براڈوے ایوارڈ

1 محترمہ شوکت نظیر
2 جناب اختر رسول

سرٹیفکٹ میرٹ (آرٹسٹ)

1 جناب سکھجیت
2 جناب راجیش ہنڈو

سرٹیفکٹ میرٹ (اسٹوڈنس)

1 جناب انیل بھٹ
2 محترمہ مسرت محبوب

سال2001 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1	جناب غلام مصطفیٰ	2	جناب برجپال آنند
3	جناب بھوشن کیسر	4	جناب راکیش کمار

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1	محترمہ سنندھا رانی کھجوریا	2	جناب راجیش آنند
3	محترمہ رجنی بالا چب		

سال2002 میں کلچرل اکیڈمی کے ایوارڈ یافتگان

1	جناب روندر جمول	2	جناب ویر منشی
3	جناب ارشد صالح		

کیملن ایوارڈ

1 جناب شفیع چمن

اسٹوڈنٹس ایوارڈ

1	محمد اشرف منشی	2	محترمہ سنندا کھجوریا
3	جناب جوگیندر پال	4	محترمہ سمن چب

براڈوے ایوارڈ

1	محمد اقبال	2	جناب ہردے کانت سندل

16. اُردو ماہنامہ ''شیرازہ'' کے ادبی قیام کا تعین قدر

''شیرازہ'' لغت میں اُس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے کتاب کے اوراق کو باندھا جاتا ہے۔اس رسالے نے اپنے نام کے مصداق ریاست میں اُردو زبان کے ذریعہ ریاست کی تاریخ،ثقافت اور تہذیب کو ایک لڑی میں پرویا ہے۔اس رسالے کا نام اُس وقت کے سیکریٹری جواد علی زیدیؔ نے تجویز کیا تھا جب یہ رسالہ پہلی بار ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔جنوری ۱۹۶۲ء سے لے کر مارچ ۱۹۷۹ء تک ''شیرازہ اُردو'' دوماہی شائع ہوتا رہا۔مارچ ۱۹۷۹ء سے ماہنامہ کر دیا گیا۔اس رسالے کی فائل میں ادبی ،فنی ،تاریخی،تہذیبی ، سائنسی ، مذہبی، ثقافتی وغیرہ موضوعات پر نہایت کار آمد مواد موجود ہے۔اس رسالے کے اغراض ومقاصد

کے بارے میں میں ''شیرازہ'' کے پہلے مدیر جواد علی زیدی اس رسالے کے صرف آغاز میں لکھتے ہیں:

''ہماری کلاسکی زبان میں اُردو ''شیرازہ'' کی اشاعت کا مقصد ہی ہے کہ صالح تحقیق و تفتیش کے لئے سہولت بہم کی جائے ہمارے ملک میں مسائل کی کمی نہیں ہے لیکن یہ اس طرح کا ادبی رسالہ نہیں بنانا چاہئے جس میں کچھ افسانے کچھ نظمیں اور دو ایک مقالے جمع کر کے ادارتی فریضے سے سبکدوشی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ ریاست کی تمام زبانوں اور علوم وفنون پر پرمغز مقالے اور تحقیق مضامین یکجا کئے جائیں اور ریاست کے ثقافتی ذخیروں کو ہندوستان بھر میں عام کیا جائے''۔ ۲

اس میں شک نہیں کہ یہ رسالہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ خالص ادبی تحقیقی اور علمی مزاج کو قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کی کامیابی کا سہرا محمد یوسف ٹینگ کے سر ہے۔

''شیرازہ اُردو'' کے پچھلے شماروں کے مندرجات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے مختلف خطوں اور لسانی گروپوں کی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کو اُجاگر کرنے کی جانب خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ''شیرازہ اُردو'' کے حوالے سے ریاست میں خالص ادبی تحقیق وتنقید کا تعلق سے اس کا سرمایہ اتنا وسیع اور ہمہ جہت ہے کہ ریاست کی یونیورسٹیوں میں کوئی بھی تحقیقی مقالہ اس سرمایہ سے استفادہ کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق پروفیسر قدوس جاوید کے اس قول سے ہوتی ہے:

''اگر کشمیر یونیورسٹی کا اُردو شعبہ اس سرمایہ سے رجوع کریں تو پھر ان کی تحقیق و تنقید کے دائرے اتنے رسمی اور تنگ نہیں رہیں گے''۔ ۳

''شیرازہ اُردو'' نے علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کے حوالے سے جو متعدد نمبرات شائع کیے ہیں مثلاً ثقافت نمبر، کشمیری عجائبات نمبر، صوفیانہ موسیقی، پنڈت جواہر لال نہرو نمبر مولوی حسن نمبر، اُردو کانفرنس نمبر، افسانہ نمبر، غالب نمبر، پریم چند نمبر، محمد ین فوق نمبر، محی الدین قادری زور نمبر، شاعر کشمیر مہجور نمبر، علامہ اقبال نمبر، حامدی کاشمیری نمبر، مغل اور کشمیر نمبر، شاہ ہمدانی نمبر، ہم عصر شعری انتخاب نمبر اور جموں کشمیر ولداخ نمبر

---

۲ شیرازہ اُردو، جلد اول، شمارہ۔۱، ۱۹۶۲ء، ص ۶

۳ شیرازہ گولڈن جوبلی نمبر، جلد ۵۰، شمارہ ۵ تا ۸، ۲۰۱۳ء، ص ۴۱

جیسے اہم اور خصوصی شمارے نہ صرف خاص کی چیزیں ہیں بلکہ اُردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ان نمبروں میں شامل تحقیقی وتنقیدی مضامین کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ’’شیرازہ‘‘ کے قلم کاروں نے ریاست کی بلندیوں اور پستیوں کو عروج اور زوال کو امکانات اور تسامحات کو ہر زاوے سے سمیٹا ہے اور سمیٹ کر پوری بصیرت کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے ’’شیرازہ‘‘ ایک رسالہ ہی نہیں ایک تحریک کا نام ہے جو کشمیر میں اُردو زبان کی آئینہ دار ہے۔

17. سالنامہ ’’ہمارا ادب‘‘ کے ادبی مقام کا تعین قدر:

اردو زبان پورے ہندوستان میں صرف ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان ہے۔اس زبان کی ترقی وترویج میں جموں وکشمیر کلچرا کیڈمی کا نام سنہرے حروف سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔اکیڈمی ریاست کی ادبی اورتمدنی وراثت کے احیاءنو اور خاص کر اُردو ادب کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کام کر رہی ہے۔اس سلسلے میں اکیڈمی نے ہر ممکن ذریعہ کو اپنایا چنانچہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ’’ہمارا ادب‘‘ ہے۔

اکیڈمی نے اپنے قیام کے ایک سال بعد ایک اعلیٰ پائے کا ادبی رسالہ ’’ہمارا ادب‘‘ شائع کیا جو ریاست کے ادیبوں، اعلیٰ شخصیات جو ریاست کے ساتھ منسلک رہے ہوں یا ریاست سے باہر گئے ہوں ان کی نگارشات کو زیور طباعت سے آراستہ ہو کر کے ۱۹۵۹ء میں اس رسالے کا پہلا شمارہ مدیر اعلیٰ حامدی کاشمیری کے نگرانی میں منظر عام پر آیا۔حامدی کاشمیری اس رسالے کی خصوصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’ہم نے ماضی میں بھی اردو زبان وادب کی تعمیر وترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے، اس زبان کے شعروادب میں ناقابل فراموش تخلیقات پیش کی ہیں ہم نے کئی شعراءاور ادباء پیدا کئے ہیں جنھوں نے شعروادب کو نئی زندگی توانائی اور وسعت دی ہے۔ہم یہاں ان فنکاروں کے نام گنوانا یا اُن کے کارناموں کا جائزہ لینا نہیں چاہتے یہ کام تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ آج ادبی دنیا میں ہماری حیثیت کیا ہے اور ہم کیا کچھ کر رہے ہیں اور آج جب کہ ریاست کی سبھی زبانوں کی ادبی تواریخ ایک نئے اور اہم موڑ سے گزر رہی ہے ایک ایسے موڑ سے جہاں سے نئی اور روشن منزلوں کے نشان نظر آ رہے ہیں۔اردو زبان وادب بھی دوسری

زبانوں کے دوش بدوش، احیاء اور ترقی کی نئی رفعتوں کے خواب دیکھ رہا ہے، ہم اپنی پلکوں پر عزم و یقین کے چراغ جلائے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم اپنی ادبی اور ثقافتی قدروں کو حسن جاوداں عطا کرنا چاہتے ہیں، ہم اس موقع پر انتہائی مسرت کے ساتھ کلچرا اکادمی کی طرف سے یہ سالانہ انتخاب نظم و نثر (۱۹۵۹ء) پیش کر رہے ہیں۔ یہ انتخاب اب ایک آئینہ ہے۔

اس انتخاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ریاست کے ادیبوں اور شاعروں کی سال رواں کی بہترین تخلیقات شامل ہیں، ہمارا مقصد ہے کہ کشمیر کے ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کی خوبصورت اور معیاری نگارشات کو ہندوستان کے ادبی حلقوں تک پہنچائیں''۔ [۴]

''ہمارا ادب'' دو بڑی خصوصیات لے کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں لکھنے والے حضرات اُردو میں ہی طبع آزمائی کرتے ہیں دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل ہونے والے زیادہ تر اہل قلم کشمیری ہوتے ہیں اور ان کے شائع ہونے والے بیشتر مضامین کشمیری ادب، کشمیری ادیبوں اور کشمیر کی تاریخ سے متعلق ہوتے ہیں۔ ریاستی کلچرل اکیڈمی کی اس گراں قدر ادبی خدمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب کشمیری ادب کی گونج پہاڑوں سے پرے ہندوستان کی وسیع فضاء میں بھی سنائی دینے لگی ہے۔ ۱۹۷۵ء کے بعد اس سالنامے ''ہمارا ادب'' کو بھی خاص موضوعات کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں لوک ادب نمبر اس کے بعد مشاہیر نمبر، شخصیات نمبر، جموں و کشمیر نمبر، اولیاء نمبر، ڈوڑہ نمبر، مولانا رومی نمبر، منٹو نمبر اور فیض احمد فیض نمبر قابل ذکر ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ''ہمارا ادب'' کے یہ خاص نمبر ریاست سے متعلق تحقیق کرنے والوں کے لیے دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔

18. جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سے شائع ہونے والا خبرنامہ ''اکیڈمی، ثقافت'' کا ادبی مقام:

''اکیڈمی'' نام کا خبرنامہ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی نے ۱۹۷۳ء میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا، جس کو ۱۹۸۸ء میں بند کیا گیا۔ اس خبرنامہ میں کلچرل اکیڈمی کی کارکردگی شائع ہوتی تھی۔ اس طرح سے عوام اکیڈمی

---

[۴] 'ہمارا ادب' سالانہ شمارہ ایک، ۱۹۵۹ء حرف اول، ص ۹

کی ثقافتی تمدنی اور ادبی سرگرمیوں سے واقفیت وسکیں۔ اس کے علاوہ اس خبر نامہ میں آنخضور صلعم کا مکتوب مبارک بنام شاہ چین، یوسف شاہ چک کے مدفن کی دریافت، پری محل کی تاریخی حیثیت، صبہ خاتون بسواک میں دفن، جواہر لال نہرو کی مورخانہ لڑکھڑاہٹیں، کشمیر کی تہذیب پر یہودیوں کے اثرات وغیرہ تحقیقی وجستجو سے متعلق پرانے اور اہم مضامین، تاریخی اعتبار سے کچھ بھی سہی چونکا دینے والے ضرور ہیں۔ اس خبر نامہ کی مقبولیت ہندوستان تک ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ادبی حلقوں میں اس نے دھوم مچا رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اراکین اکیڈمی کو ۲۰۱۲ء میں دوبارہ اس خبر نامہ کو شائع کرنا پڑا۔

''ثقافت'' خبر نامہ:

اس خبر نامہ میں اکیڈمی کی کارکردگی کے علاوہ نایاب مخطوطات کی تصویریں، جموں وکشمیر کے مختلف مکتب فکر اور مختلف اکائیوں کی تہذیبی اور تمدنی سرگرمیوں کی مختصر جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان ہی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کلچرل اکیڈمی کے سابق صدر اور ریاست کے سابق چیف منسٹر عمر عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''جموں کشمیر کے تینوں خطے اپنے آپ میں مکمل ثقافتی اکائیاں ہیں اور اپنی رنگارنگی کے لیے مشہور ہیں۔ یہ رنگارنگی مجتمع ہو کر ریاست کو ایک منفرد اور توانا ثقافتی شناخت عطا کرتی ہے جسے ریاست اور ریاست سے باہر عوام میں متعارف کرانا اہمیت کا حامل ہے۔
>
> مجھے یقین ہے کہ ''ثقافت'' کی اشاعت سے نہ صرف یہ اہم ضرورت پوری ہوگی بلکہ اکیڈمی کی سرگرمیوں کا بھی منضبط احاطہ ہوگا۔
>
> میں اکیڈمی کو اس پہل پر مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔ [۵]

19. مشاعرے کی اہمیت اور افادیت

مشاعرہ ہمارے یہاں ایک ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں یہ اس مخصوص تہذیبی اور ثقافتی فضا اور شعری روایات کا امین ہے۔ جس میں اس کا آغاز ہوا اُردو زبان کے فروغ میں مشاعروں کی اہمیت تسلیم شدہ ہے۔ دکن میں اُردو زبان کا آغاز وارتقاء شمال ہند سے پہلے ہوا اور دکن کے والیان ریاست خود

---

[۵] ''ثقافت'' خبر نامہ جلد ا شمارہ ا، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۳

اُردوزبان کے شاعر اور شاعروں کے قدر دان تھے۔ان کی سرپرستی نے دکن میں مشاعروں کو عام کیا اور اُردو زبان کو فروغ ہوا۔شمال ہند میں شاہی سرپرستی میں ہونے والے مشاعروں نے بھی اُردو شاعری کو بڑا فائدہ پہنچایا درباروں میں شاعروں کو جو عزت اور پذیرائی ملتی تھی وہ دیگر شعراء میں مسابقت کا جذبہ ابھارتی تھی۔

قدیم مشاعروں نے تہذیب وشائستگی کا درس بھی دیا اور آداب مجلس کے برتنے کا سلیقہ بھی سکھایا شریک شعراء اور سامعین کو آداب محفل کی پاسداری کا خاص خیال رکھنا ہوتا تھا۔عہد حاضر میں مشاعروں کا معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ جس اخلاقی اور تہذیبی تنزل کی طرف گامزن ہے اس کے اثرات مشاعرے پر بھی مرتب ہو رہے ہیں۔

بہر کیف مشاعرہ آج بھی سخن گوئی اور سخن فہمی کی تربیت کا ذریعہ ہے اس کی افادیت مسلمہ ہے اگرچہ مشاعروں کا وہ پہلا سا معیار اور وقار باقی نہیں رہا مگر اُردو زبان کے فروغ کے سبب پوری دنیا میں مشاعرے منعقد ہو رہے ہیں۔

20. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں اور سمیناروں کا تعین قدر

ادب فنونِ لطیفہ کی سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور لطیف صورت ہے اور ادب کی سب سے زیادہ مقبول،قدیم اور فطری شکل شاعری ہے۔تاریخ انسانی کا شاید ہی کوئی دور ایسا گزرا ہو جب شعر کہنے اور سننے والے موجود نہ رہے ہوں۔اسی طرح کلام شاعر بہ زبان شاعر سنانے کی روایت بھی دنیا کی ہر زبان کے ادب میں موجود ہے۔

جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے معرض وجود میں آتے ہی مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا جس میں مقامی اور غیر مقامی شعراء حصہ لیتے ہیں۔ریاست گیر پیمانے پر لگ بھگ سبھی بڑے قصبوں اور دیہاتوں میں گاہ بگاہ اُردو شعری نشستوں کا اہتمام ہوتا رہتا ہے جہاں پر مقامی اُردو شاعر اپنے قلم کا جادو جگاتے ہیں۔

۱۹۶۰ء سے اکیڈمی ہر سال جشن یوم جمہوریہ کے سلسلے میں جموں میں ایک کل ہند اُردو مشاعرے کا اہتمام کرتی آرہی ہے۔ان مشاعروں کی تعداد ۵۵ سے زیادہ ہے۔ان کے علاوہ قومی یکجہتی کا ایک آل انڈیا اُردو مشاعرہ ، یوم آزادی کے سلسلے میں سرینگر میں متعدد مشاعرے اور پورے جموں وکشمیر میں بے شمار مشاعرے آج تک ہوئے ہیں۔ان سبھی مشاعروں میں شرکاء کی مجموعی تعداد تقریباً ایک ہزار تک جا پہنچتی

ہے۔اکیڈمی کے ان مشاعروں میں جو چند اہم اُردو شعرا شریک ہوئے ہیں ان میں فراق گورکھپوری، جگر مراد آبادی، ساغر نظامی، اعجاز صدیقی، جاں نثار اختر، آل احمد سرور اور شمس الرحمان فاروقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اُردو مشاعروں کے علاوہ ایک خاص اہمیت ان سمیناروں کی ہے جن میں کونُ مشق ادیب مقالے پڑھتے ہیں ان مقالوں کو کتابی شکل میں یا ''شیرازہ'' کے خصوصی نمبروں میں کلچرل اکیڈمی شائع کرتی ہے۔

21. تھیٹر اور ڈراموں کا تعین قدر

دنیا میں تھیٹر کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔لیکن راقم یہاں صرف تھیٹر ڈرامے کی بات کرنا چاہتا ہے۔ڈرامے اور تھیٹر کا فرق ایسا ہی ہے جیسا قول وفعل کا۔ڈرامہ ادبی صنف ہے جو پیشکش کی متقاضی ہے۔ جب پیش کار اور ہدایت کار کی معاونت سے کھیل کو اداکاروں، روشنی، موسیقی، سیٹ اور دیگر لوازمات کے ساتھ تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جائے تو تھیٹر ڈرامہ تخلیق ہوتا ہے۔تھیٹر ہال بنانے کے لیے فنی وتکنیکی لحاظ سے کئی طرح کی عمارتی انجینرنگ کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ جب ہم اُردو تھیٹر کی تاریخ کے بوسیدہ اوراق پلٹتے ہیں تو ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے دراصل اُردو تھیٹر کا نقطہ آغاز صحت مند انداز سے نہیں ہوا، راگ رنگ، رقص سرور اور محض عشق ومحبت یہی اُردو تھیٹر کا نقطہ آغاز تھا۔یوں آہستہ آہستہ ناچ گانا اُردو تھیٹر کے لیے ناگزیر ہوکر رہ گیا یہی نہیں برصغیر ہندو پاک کی فلم بھی آج تک اس حصار سے نہیں نکل سکی۔ اس سلسلے میں سید امتیاز علی تاج کا ایک حوالہ یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

> ''اُردو ڈرامے کا آغاز غلط طریقے سے ہوا اگر اس کا آغاز اندرسبھا کی راگ ناٹک کی بجائے معاشرتی یا کم از کم کسی دوسرے ایسے ڈرامے سے ہوتا جس میں موسیقی کا زیادہ دخل نہیں رکھتی تو غالباً ہمارے ڈرامے اور تھیٹر کی تاریخ بہت مختلف بنتی''۔ ۶؎

تھیٹر سے موسیقی اور راگ رنگ کو مکمل طور پر حذف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قدیم یونان اور دیگر خطوں میں تھیٹر کی ابتداء ناچ گانے اور راگ رنگ ہی سے ہوئی اور جہاں اسے مذہب کی حمایت حاصل رہی وہاں یہ تیزی سے پروان چڑھا۔ برصغیر ہند میں بھی اسے کسی نہ کسی طرح سے مذہب کی حمایت حاصل رہی۔لیکن محض طبیعت کو خوش کرنے اور روپیہ کمانے کے لیے اس کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

۶؎ سید امتیاز علی تاج، تھیٹر کی ضرورت، ادب لطیف، ڈرامہ نمبر، لاہور، جلد ۳۹، شمارہ نمبر ۵۔۴، ص ۳

ریاست جموں وکشمیر میں اکیڈمی کے قیام سے پہلے گو کہ تھیٹر کے تئیں ایک مثبت عوامی ردِ عمل سامنے آچکا تھا لیکن اس سلسلے میں ساری کوششیں بکھری اور بہت حد تک غیر سنجیدہ تھیں۔ باقاعدہ اور منظّم تھیٹر تحریک نہیں تھی۔ جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے اس بارے میں اہم ترین کام یہ کیا ہے کہ اس ادارے نے تھیٹر کے علاوہ سبھی تمدنی اور ادبی سرگرمیوں کو ایک ٹھوس اور کارگر مرکزیت بخشی۔ جس کی مثال جموں میں ابینو تھیٹر اور کشمیر میں ٹیگور ہال ہے جہاں فن کاروں کو تربیت دی جاتی ہے اور جب اکیڈمی کی جانب سے سالانہ فیسٹول شروع ہوتا ہے تو فنکاروں اور تماشائیوں میں ایک نیا جوش دکھائی دیتا ہے۔ فنکار اپنے فن کا بھر پور مظاہرہ کرتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے سالانہ ڈراما، تھیٹر ورکشاپ کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اب بھی جاری ہے۔ ریاست جموں وکشمیر میں اسٹیج ڈرامے کی روایت کو سب سے زیادہ فروغ گزشتہ برسوں میں کلچرل اکیڈمی کی کوششوں سے نصیب ہوا ہے۔ بلکہ ایک تخلیقی ادب بھی سامنے آتا ہے کیونکہ ادیبوں کے بہترین ڈراموں کے مسودات پر معقول معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔

۱۹۶۴ء سے ڈرامہ نگاروں کو بہترین ڈرامے لکھنے پر سات سو روپیے اور پانچ سو روپیے کا دوسرا انعام دیا جانے لگا۔ آج یہ انعام پچیس ہزار روپیہ دیا جاتا ہے۔ جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی نے اُردو کو مؤثر ڈھنگ سے مقبول بنانے کی غرض سے کئی معیاری ڈرامے ہندوسان کے مختلف شہروں میں پیش کیے اور وہاں کے لوگوں سے دادِ تحسین حاصل کی۔ ان اُردو ڈراموں میں جھیل بلا رہی ہے، ٹیپو سلطان، ہمالیہ کے چشمے اور پیا باج پیالہ قابل ذکر ہیں۔

تجزیہ اور تجاویز:

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز نے ۵۷ برس کی عمر میں مختلف زبانوں کی فلاح و بہبود، ترقی وترویج، ارتقا و بقا کے سلسلے میں جن خطوط پر کام کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل فخر ہے۔ اس اکیڈمی کو ہم پہلی ہی نظر میں Three in one کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ساہتیہ، سنگیت اور کلا اور تین خطے جموں، کشمیر اور لداخ تینوں ایک ہی ادارے کے اندر اور ایک ہی سرپرست کی نگرانی میں ہیں۔

اگر ہم اُردو زبان کے حوالے سے اکیڈمی کی کارکردگی کا عمیق مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اکیڈمی کے دائرہ اختیار میں جو زبانیں شامل ہیں اُن سے عدل وانصاف برتنے میں ادارے نے توازن نہیں رکھا ہے۔

توجہ زیادہ علاقائی زبانوں کی طرف ہے۔محقق نے جو دیکھا اور محسوس کیا ہے تو اولیت کشمیری زبان کو حاصل ہے ۔ دوسرا درجہ ڈوگری اور پھر تیسرے درجے پر اُردو زبان آتی ہے۔ کشمیری اور ڈوگری زبانوں میں کتابوں کی اشاعت زیادہ تعداد میں ہورہی ہے۔ جب کہ اُردو کتابوں کی اشاعت اس تعداد سے کم ہے۔ اُردو جو ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان ہے اور جس کے تعلق سے اس کے حوالے دئے جاتے ہیں۔ یہاں بھی کسمپری کی حالت میں ہے۔ جو زبان سوا سو سال پہلے سرکاری زبان قرار پائی ہو وہ اس وقت تک اپنا حق کیوں نہیں حاصل کرسکی؟ کیا اس میں فرقہ واریت اور سیاسی عدم استحکام کا عمل دخل ہے؟ اگر نہیں تو اُردو کا وہ حلقہ جو اس دوران اس زبان سے وابستہ رہا کہیں وہ وقت کی رفتار کو سمجھنے سے قاصر تو نہیں رہا ہے؟ یا یہ حکومت تھی جو اس زبان کے لیے رُکاوٹ بنی۔ بقول محمد یوسف ٹینگ حکومتی سطح پر اس زبان کا جنازہ نکالا جارہا ہے۔مگر ہم کچھ کہہ نہیں پا رہے ہیں آخر یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے۔کیا ہم نے پہل نہیں کی؟ کیا ہم ذاتی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں؟ کیا ہمارا مقصد صرف پیٹ پالنا ہے یا سستے میں علاقائی زبانوں میں ایوارڈ حاصل کرنا ہے؟

یہاں پر میرا مقصد اُردو زبان کے ساتھ علاقائی زبانوں کا جھگڑا پیدا کرنا نہیں ہے۔لیکن لمحہ فکر یہ ضرور ہے کہ جہاں کسی زبان کے درخت کے پھل پہلے تیار ہوں اور شاخیں، پتے، پھول اور اس کے بعد جڑیں سب سے آخر پر زمین میں نصب ہوں تو وہاں پر اُردو کی بقا کی کیا ضمانت ہوسکتی ہے؟ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں اُردو زبان مظلومیت کی حالات میں ہے۔اُردو زبان کو کو جو آئینی حق دیا گیا ہے وہ صرف آئین کی کتابوں تک ہی محدود ہے جس کی جیتی جاگتی مثال خطہِ جموں کے تین اضلاع جموں، کٹھوعہ اور اُدھمپور ہیں جہاں پر اُردو زبان پڑھائی ہی نہیں جاتی، یہ کشمیر کے دانشور طبقے اور آئین نافذ کرنے والے اداروں کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔

تجاویز:

1. کتابوں کی اشاعت ترجیحی بنیادوں پر کی جانی چاہیے۔ وہی کتاب شائع کی جائے جو معیاری ہو اور جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہو۔ مختلف زبانوں کی معیاری کتابوں کا اُردو میں اور اُردو کی معیاری کتابوں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جانا موجودہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

2. ''شیرازہ'' اور ''ہمارا ادب'' میں عام طور پر تخلیقات کے معیار کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے جو کہ ایک ادبی رسالوں کی اصل روح ہے۔ مگر اس کے باوجود کچھ ایسے کہنہ مشق شاعروں اور ادیبوں کو اس کے اوراق میں جگہ نہیں مل پاتی جن کا معیار پرچے میں شامل تخلیقات سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ لہٰذا ''شیرازہ'' اور ''ہمارا ادب'' کے انتخاب و معیار کے اصولوں پر نظرِ ثانی کی جائے۔

3. اُردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں کچھ ایسے منصوبے ہاتھ میں لیے جائیں جن کی بدولت اس زبان سے وابستہ لوگوں کو واقعی یہ احساس ہو کہ یہ ریاست کی سرکاری زبان ہے۔

4. مسودوں کی اشاعت کے لیے جو مالی معاونت کی جاتی ہے اُس میں اضافہ کرنا چاہیے، اچھے اور معیاری فن پاروں کی اشاعت کے لیے معاوضہ بڑھا کر دیا جانا چاہیے۔ کیونکہ شائع شدہ مواد سے ہی کسی زبان و ادب کا معیار متعین ہوتا ہے۔

5. کلچرل اکیڈمی کے قیام کے بعد اُردو کے لیے جو کام ہوا ہے وہ مایوس کن نہیں۔ لیکن اکیڈمی کی ادبی سرگرمیوں کا دائرہ زیادہ تر جموں اور کشمیر تک ہی محدود رہا ہے جب کہ لداخ میں کوئی دوسرا عبدالغنی شیخ پیدا نہیں ہوا۔ لداخ میں اپنی سرگرمیوں کو بڑھایا جائے پونچھ، راجوری، بارہ مولہ، اننت ناگ، اور ڈوڈہ میں اپنے ذیلی دفاتر قائم کیے جائیں تاکہ ریاست کی تمدنی، ثقافتی، ادبی اور لسانی سرمائے کی مزید کھوج ہو سکے۔

6. محفلوں اور مذاکرات کے انعقاد کے دوران نوخیز ادیبوں اور نو عمر شاعروں کو مل بیٹھ کر فن پاروں کو پڑھنے اور اس پر بحث و مباحثہ کرنے کا موقعہ فراہم کیا جانا چاہیے۔ ان محفلوں اور مذاکروں کے لیے ملک کے بڑے بڑے ناقدین کو مدعو کیا جانا چاہیے تاکہ اُن کی فنی صلاحیتوں سے مقامی ادیب، شاعر اور فن کار بھرپور فائدہ اُٹھا سکیں۔

7. فنونِ لطیفہ پر کیمپوں اور سمیناروں کے مقابلے اسکولوں اور کالجوں میں منعقد کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہیے جو ایک وقت میں ہوا کرتے تھے۔ ان مقابلوں میں انعامات کا انتظام بھی ضروری ہونا چاہیے تاکہ طلبا و طالبات ادب اور فن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

8. اگر اُردو زبان کو عملی طور پر ریاست میں سائنسی بنیادوں پر استوار کرنا ہے تو اس کے لیے نئی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ اربابِ اقتدار اور محبانِ اُردو کو مل بیٹھ کر کام کرنا ہوگا۔ اُردو کے تجربہ کار اور باذوق افراد کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔

9. ادبی وفود کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ریاست سے باہر بھیجا جائے اور بیرونِ ریاست کی ادبی انجمنوں اور وخود کو کشمیر میں لانے کا انعقاد ہونا چاہیے۔

10. اُردو خطاطی کی ہمیشہ سے ریاست میں شاندار روایت رہی ہے اور یہاں کے خطاطوں نے بہت ہی عمدہ فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں مزید توسیع کی ضرورت ہے۔ خطاطی کے سینٹروں کا قیام ریاست کے دوسرے خطوں میں بھی ہونا چاہیے۔

11. انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس میں مختلف فنون کی جو تدریس ہوتی ہے وہ تسلی بخش ہے۔ لیکن آئین کی روح سے کچھ اور فنون بھی ہیں جن پر ابھی تک کام نہیں ہوا ہے اس سلسلے میں اربابِ انسٹی ٹیوٹ اور اربابِ اکیڈمی کو دوسرے فنون پر بھی کام شروع کرنا چاہیے تاکہ طلبا و طالبات کو ان فنون کو سیکھنے کے لیے بیرونِ ریاست جانے کی ضرورت نہ پڑے۔

12. انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹ کے بارے میں زیادہ لوگ نہیں جانتے جو فنون یہاں پر سکھائے جاتے ہیں اُن کے بارے میں بھی بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ اکیڈمی کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعہ سے کچھ ایسے پروگرام ٹیلی کاسٹ اور نشر کرانے چاہیے جس سے ریاست کے تمام لوگ باخبر ہوں اور اس ادارے سے مستفید ہو سکیں۔

13. اکیڈمی اُردو ڈراموں کو زیادہ سے زیادہ اسٹیج کروائے تاکہ ریاست میں اُردو زبان کو فروغ حاصل ہو اور لوگوں میں بھائی چارہ بھی قائم رہے۔ بیرونِ ریاست بھی زیادہ تعداد میں اُردو ڈرامے پیش کیے جائیں جیسا کبھی ہوا کرتا تھا۔

14. اکیڈمی کو چاہیے کہ جشنِ تمثیل، شام غزل، ایک ادبی محفل، ڈراما فیسٹول اور دوسری تقریبات کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ کرنے چاہیے تاکہ زبانوں کو بھی فروغ حاصل ہو اور اکیڈمی سے بھی لوگ متعارف ہو جائیں۔

15. مصنفین کے مسودوں کے بارے میں جو دیکھا اور سنا گیا ہے کہ مسودے ایسے تبصرہ نگاروں یا ماہرین کے پاس بھیجے جاتے ہیں جو اس فیلڈ کے نہیں ہوتے۔ شاعر کا مسودہ افسانہ نگار اور افسانہ نگار کا مسودہ شاعر یا ناول نگار کو دیا جاتا ہے ایسا کرنے سے تخلیقی مسودے کے ساتھ قطعاً انصاف نہیں ہوتا۔ ان مسودوں کے لیے اُسی شعبے سے ماہرین کو منتخب کرنا چاہیے اور ایسے ماہرین کا انتخاب ضروری ہے جو نظریات سے بالاتر ہو کر مسودوں کو جانچیں۔

16. ایک ریسرچ سنٹر کا الگ سے قیام عمل میں لانا چاہیے جس میں اُردو کے لیے بھی ایک شعبہ ہو جہاں تحقیق کا کام ہو۔ اس سنٹر میں نوادرات، مخطوطات، صوفی شاعری اور ریاست کے پرانے ادیبوں، فن کاروں، سیاست دانوں اور دانشوروں پر تحقیق کروائی جائے تاکہ ماضی سے واقفیت حاصل ہو اور مستقبل کے لیے راہیں تلاش کی جائیں۔

17. اکیڈمی کی جو لائبریری ہے ابھی تک اس کا کیٹلاگ نہیں بنایا گیا ہے ساری کتابیں گرد آلودہ اور بے ترتیب ہیں۔ لہٰذا اس لائبریری کو جدید طرز پر چلانے اور عملے کو جدید تکنیک کی تربیت دے کر لائبریری کو آن لائن رکھا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے مواد سے استفادہ حاصل کر سکیں اور اگر لائبریری کی عمارت اکیڈمی کی عمارت سے باہر ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

18. کلچرل اکیڈمی میں جو کام زبان و ادب کے حوالے سے ہو رہے ہیں وہ واقعی قابلِ فخر ہے۔ لیکن اُردو زبان کو اولیت حاصل ہونی چاہیے تاکہ کشمیر جو تین خطوں پر مشتمل ہے کا لسانی، ثقافتی اور تہذیبی رشتہ برقرار رہے۔ علاقائی زبانوں کو ترجیح دینے سے ایک لسانی جنگ شروع ہو جائے گی جس کو روکنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہوگا۔

19. اکیڈمی کی جانب سے ہر سال متعدد مشاعرے کے علاوہ ایک کُل ہند اُردو مشاعرہ کروایا جاتا ہے۔ ان مشاعروں کے ذریعہ سے واقعی اُردو زبان کو فروغ ہوا ہے لیکن ان مشاعروں میں تجارتی پہلو کو کم ادبی پہلو کو زیادہ مدِنظر رکھنا چاہیے۔ بار بار جاذبِ نظر شعرا کو ہی نہیں بلکہ نئے شعراء کو بھی موقع دیا جانا چاہیے۔

20. اکیڈمی کی جانب سے جو اُردو کی کانفرنس، مشاعرے، محفل افسانہ، جشن تمثیل، محفل شیرازہ، شامِ غزل، ایک ملاقات اور مذاکرات وغیرہ پروگرام کروائے جاتے ہیں۔ ان میں عام لوگوں کی کثرت نہیں دیکھی جاتی ہے ارباب اکیڈمی کو چاہیے کہ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ سے لوگوں کو خبر دی جائے اور مدعو کیا جائے تا کہ عوام الناس کے اندر بھی ادبی ذوق پید ہو سکے۔

21. جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی کے نگران، صدر اور نائب صدر (سیکریٹری) کو چاہیے کہ ایسے اہل قلم اور تحقیق نگاروں جو خود تحقیق کے رموز سے واقف ہوں کو اہم عہدوں پر فائز کریں تا کہ اکیڈمی کا اپنا منشور مکمل ہو سکے۔

22. اُردو اداروں خاص طور سے اُردو اکیڈمی، شعبہ اُردو، اقبال انسٹی ٹیوٹ، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ سے روابط اور تال میل قائم کیا جائے۔ اکیڈمی اپنی طرف سے وقتاً فوقتاً جن اُردو کی نامور شخصیات کو مدعو کرتی ہے ان کے پروگراموں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا جائے تا کہ اُردو کا دائرہ وسیع ہو سکے۔

23. ارباب اکیڈمی کو تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کام کے لیے ایک پروجکٹ پہلے سے تیار کرنا چاہیے تا کہ آئندہ سال میں اس پروجیکٹ پر کام ممکن ہو۔ جیسے محمد یوسف ٹینگ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ مثلاً اُردو کشمیری فرہنگ، لیکن آج کے دور میں ایسا کچھ نظر نہیں آتا حتیٰ کہ جب محقق نے چیف ایڈیٹر اُردو محمد اشرف ٹاک سے مستقبل کے پروگراموں کے بارے میں پوچھا تو ان کا جواب تھا۔

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہے

بہر کیف اُردو زبان عدم توجہی کا شکار ہو رہی ہے اس لیے اکیڈمی کا فرض بنتا ہے کہ اس کی طرف مزید توجہ دی جائے تا کہ اس زبان کو اس کا آئینی حق مل سکے اور جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اور لینگویجز اپنے اغراض ومقاصد کے حصول میں کامیاب ہو سکے۔

کتابیات

BIBLIOGRAPHY

نمبرشمار	مصنف	کتاب	مقام اشاعت	سن اشاعت
1.	آزاد، جان محمد	جموں کشمیر کے اُردو مصنفین	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2004ء
2.	آزاد عبدالاحد	کشمیری زبان اور شاعری	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2005ء سوم
3.	آزاد، محمد حسین	آب حیات	سنگ میل پبلیکیشنز	1991ء
4.	آزاد محمود سید	تاریخ پونچھ	ادارہ معارف، کشمیر باڑی	1975ء
5.	آزاد محمود سید	تاریخ کشمیر	سہادت پبلیسرز، مظفر آباد	1990ء
6.	آفتاب احمد خان	اشارات	مکتبہ دنیال	1992ء اول
7.	اکبر حیدری، ڈاکٹر	تذکرہ قدیم شاعراتِ اُردو	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1996ء
8.	ابواللیث صدیقی	آج کا اُردو ادب	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	2008ء
9.	ابوالفضل، سید	تاریخ ادبیات عربی	سب رس کتاب گھر حیدرآباد	1954ء
10.	احمد صغیر	اُردو افسانے کا تنقیدی جائزہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	2009ء
11.	اسلم فرخی، ڈاکٹر	محمد حسین آزاد اور تصانیف	انجمن ترقی اُردو	1940 دوم
12.	امداد صابری	گلدستہ صحافت	سیعد خان کونسلر، مٹیا محل دہلی	1984ء
13.	انور سدید، ڈاکٹر	اُردو ادب کی تحریکیں	کتابی دنیا، دہلی	2013ء
14.	انور سدید، ڈاکٹر	اُردو ادب کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد	1991ء
15.	ایم اے خان	کشمیر تاریخ کے آئینے میں	لالہ زار پبلیشرز......	1991 دوم
16.	برج پریمی	جموں و کشمیر میں اُردو ادب کی نشو ونما	رچنا پبلی کیشنز، جموش	1992ء
17.	برج پریمی	کشمیر کے مضامین (ادب اور ثقافت)	دیپ پبلی کیشنز، نئی پور سری نگر	1989ء
18.	برج پریمی	چند تصویریں	دیپ پبلی کیشنز، نئی پور سری نگر	1988ء
19.	برج پریمی	حرفِ جستجو	دیپ پبلی کیشنز، نئی پور سری نگر	1982ء
20.	برج پریمی	زوقِ نظر	دیپ پبلی کیشنز، نئی پور سری نگر	1987ء
21.	بخاری محمد یوسف	کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	1989ء
22.	بخاری محمد یوسف	کشمیری اور اُردو کا تقابلی مطالعہ	مرکزی اُردو بورڈ لاہور	
23.	ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر	اُردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر	ادبی پبلی کیشنز، کراچی	1975ء
24.	پریمی ارمانی	پیش رفت	رچنا پبلی کیشنز، جموں	2002ء
25.	پریمی ارمانی	برج پریمی شخصیت اور فن	رچنا پبلی کیشنز، جموں	2003ء

نمبر شمار مصنف	کتاب	مقام اشاعت	سن اشاعت
26. جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اُردو	مجلس ترقی ادب، لاہور	1982ء
27. جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اُردو	مجلس ترقی ادب، لاہور	1984ء
28. جین گیان چند	پرکھ اور پہچان	ایجوکیشن پبلیشنگ ہاؤس، دہلی	1990ء
29. جی ایم میر	کشمیر شناسی	مکتبہ رضوان میرپور	1999ء
30. جی ایم میر	جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں	نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر	1992ء
31. جوش ملیح آبادی	یادوں کی بارات	محمد نواز روڈ، لاہور	1975ء
32. حالی، الطاف حسین	مقدمہ شعر شاعری	انوار المطابع لکھنؤ	1969ء
33. حامدی کاشمیری	ریاست جموں و کشمیر میں اُردو ادب	گلشن پبلی کیشنز، گارکدل، سری نگر	1991ء
34. حامدی کاشمیری	نئی حسیّت اور عصری اُردو شاعری	جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، لال منڈی سری نگر	1974ء
35. حسن نظامی	شمالی ہند کی اُردو شاعری میں ایہام گوی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	1987ء
36. خان کبیر محمد	کشمیر کا تاریخ جغرافیہ	مقبول اکیڈمی، لاہور	1991ء
37. خلیل الرحمٰن اعظمی	اُردو میں ترقی پسند تحریک	قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، دہلی	2008ء
38. خواجہ محمد اعظم	واقعات کشمیر	جموں و کشمیر اسلامک ریسرچ سنٹر	1998ء
39. خواجہ غلام احمد	کشمیر اور وسط ایشیاء	جنگ پبلیشرز، لاہور	1993ء
40. رسول پونپر	منظر اور پس منظر	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	
41. سروری عبدالقادر	اُردو کی ادبی تاریخ	گلشن پبلی کیشنز گاؤکدل، سری نگر	1987ء
42. سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو۔ حصہ اول	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1982
43. سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو۔ حصہ دوم	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1984
44. سروری عبدالقادر	کشمیر میں اُردو۔ حصہ سوم	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1991ء
45. سروری عبدالقادر	جدید اُردو شاعری	شیخ غلام علی اینڈ سنز	1967ء
46. سرور آل احمد	اُردو تحریک	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی	1999ء
47. سردار بشیر احمد	بنتِ کشمیر	علوی پبلیشرز	1984ء

نمبرشار	مصنف	کتاب	مقام اشاعت	سن اشاعت
48.	سکسینہ رام بابو	تاریخ ادب اُردو	ادارہ کتاب الشفاء، نئی دہلی	2000ء
49.	سلیم اختر، ڈاکٹر	اُردو زبان کی مختصر ترین تاریخ	ایجوکیشنل پبلیسنگ ہاؤس، دہلی	2013ء
50.	ساگر کاشمیری	ادھورے سپنے	کاشر پبلیشرز، میر پور	1999ء
51	شاہپوریا ٹھاکر، اچھر چند	راج ترنگنی (اُردو ترجمہ)	عثمان بُک ڈپو، سری نگر	---
52.	شبلی نعمانی	موازنہ انیس و دبیر	مجلس ترقی ادب	1964ء
53.	شکیل الرحمٰن	زبان اُردو کلچر	سٹی بک سنٹر، سری نگر	2004ء
54.	شوکت سبزواری	اُردو زبان کا ارتقاء	چمن بک ڈپو، اُرود بازار، دہلی	
55.	شوکت سبزواری	اُردو لسانیات	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	2013ء
56.	شفق سوپوری، ڈاکٹر	اشاریہ شیرازہ اُردو	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2008ء
57.	شمیم احمد شمیم	آئینہ نما (مرتب قرۃ العین)	شمیم فاروقی پرنٹنگ پریش، نئی دہلی	2000ء
58.	شمیم احمد شمیم	آئینہ نما (مرتب قرۃ العین)	کمپیوٹر سنٹر گاد کدل، سری نگر	2005ء
59.	شمیم احمد شمیم	آئینہ نما (مرتب قرۃ العین)	کمپیوٹر سنٹر گاد کدل، سری نگر	2007ء
60.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	علی محمد اینڈ سنز، سری نگر	1986ء
61.	شیرازہ کاشمیری	کشمیری قوم اور قومیتیں	کشمیر اکیڈمی آف سوشل سائنسز، مظفر آباد	1993ء
62.	صابر آفاقی، ڈاکٹر	کشمیر اسلامی عہد میں	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور	1985ء
63.	صوفی محی الدین	جموں و کشمیر میں اُردو صحافت	اشرف بک سنٹر سری نگر	1972ء
64.	عبادت بریلوی، ڈاکٹر	اُردو تنقید کا ارتقاء	انجمن ترقی اُردو	1980ء سوم
65.	عنصر صابری	تاریخ کشمیر (زمانہ قبل از تاریخ تا قرارداد اقوام متحدہ)	پروگریسو بکس، اُردو بازار، لاہور	1991ء
66.	غلام حسین ذولفقار	اُردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر	سنگ میل پبلی کیشنز	1998ء
67.	فوق محمد دین، ڈاکٹر	مکمل تاریخ کشمیر	ویری ناگ پبلیشرز، میر پور	
68.	فوق محمد دین، ڈاکٹر	تاریخ اقوام کشمیر (اول)	شیخ محمد عثمان، گاد کدل سری نگر	1996ء
69.	فوق محمد دین، ڈاکٹر	تاریخ اقوام کشمیر (دوم)	شیخ محمد عثمان، گاد کدل سری نگر	2004ء
70.	فوق محمد دین، ڈاکٹر	تاریخ بڈ شاہی	پروگریسو بکس، اُردو بازار، لاہور	1944ء
71.	فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری	مجلس ترقی ادب، لاہور	1972ء اول

نمبر شمار	مصنف	کتاب	مقام اشاعت	سن اشاعت
72.	قادری، شمس اللہ	اُردوئے قدیم	جنرل پبلیشنگ ہاؤس، کراچی	1963ء
73.	قادری، حامد حسن	داستان تاریخ اُردو	اُردو اکیڈمی، سندھ	1966ء سوم
74.	قادری، حامد حسن	نقد و نظر	اُردو اکیڈمی، سندھ	1984ء اول
75.	قمر رئیش و عاشور کاظمی	ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر	نیا سفر پبلی کیشنز	1987ء
76.	کیفی، دتاتریہ	تمثیل مشاعرہ	انجمن ارباب ذوق لائل پور	1939ء
77.	گیان چند، ڈاکٹر	تفسیر غالب	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1986ء
78.	مجبور ارجن دیو	راج ترنگی (اُردو ترجمہ)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	
79.	مجبور ارجن دیو	نیل مت پوران (اُردو ترجمہ)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2007ء
80.	محمد احمد اندرابی	نظر اور نظارہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1982ء
81.	محمد احمد اندرابی	مشاہیر کشمیر	ویری ناگ پبلیشرز، میر پور	1991ء
82.	محمد عمر نور الٰہی	ناٹک ساگر	شیخ مبارک علی، اُردو بازار لاہور	1924ء
83.	محبّ الحسن، ڈاکٹر	کشمیر شلاطین کے عہد میں	دار المصنفین اعظم گڑھ	1947ء
84.	محمد حسن، ڈاکٹر	اُردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر	ادارہ تصنیف علی گڑھ	1964ء
85.	محمد حسنین ہسید	برزخ کا مشاعرہ	کتاب منزل پٹنہ	1972ء دوم
86.	ندوی، عبد السلام	شعر الہند	معارف اعظم گڑھ	1939ء دوم
87.	نور الحسن نقوی، پروفیسر	تاریخ ادب اُردو	ایجوکیشنل ہاؤس علی گڑھ	2001ء
88.	وہاب اشرفی	تاریخ ادبیات عالم	پورٹ اکیڈمی، اسلام آباد	2004ء
89.	ہاشمی، محمد نصیر الدین	دکن میں اُردو	مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد	1932ء
90.	ہاشمی، نور الحسن	دلی کا دستان شاعری	اُردو اکیڈمی سندھ	1966ء
91	ہاشمی رضا سعید	قیامِ انگلستان کی یادیں	مجلسِ ترقی ادب	---
92.		سازی کی لے تیز کرو	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1984ء اول
93.		سازکی لے تیز کرو	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	1985ء دوم

جرائد ورسائل

نمبر شمار	رسالہ کا نام	مقام اشاعت	ماہ/سال
1.	اذکار (سہ ماہی)	کرناٹک اُردو اکادمی، بنگلور	اپریل 2010ء
2.	اکادمی	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	مارچ 1981ء
3.	بازیافت (سالانہ)	شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کشمیر	2010ء
4.	بازیافت (جشن زرین نمبر)	شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کشمیر	2007ء
5.	ترسیل (سالانہ)	ڈائرکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر	2009ء
6.	ترسیل (سالانہ)	ڈائرکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر	2013ء
7.	دوماہی ثقافت (کے تمام شمارے)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2015ء
8.	ماہنامہ شیرازہ (جموں وکشمیر میں اُردو کے پچاس سال)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	2004ء
9.	ماہنامہ شیرازہ (گولڈن جوبلی نمبر)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	جنوری 2013ء
10.	ماہنامہ شیرازہ (جموں، کشمیر اور لداخ نمبر 7 جلد)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	مارچ 2010ء
11.	دوماہی شیرازہ (ثقافت نمبر)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	جون 1966

نمبرشمار	رسالہ کا نام	مقام اشاعت	ماہ/سال
.12	دوماہی شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	نومبر 1968ء
.13	دوماہی شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	ستمبر 1963ء
.14	دوماہی شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	نومبر 1963ء
.15	دوماہی شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	جنوری 1972ء
.16	دوماہی شیرازہ (سمینار نمبر)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	مارچ 1972ء
.17	دوماہی شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	نومبر 1972ء
.18	ماہنامہ شیرازہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	مارچ 1988ء
.19	ماہنامہ شیرازہ (جموں وکشمیر میں اُردو نثر)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	اپریل 2012ء
.20	سالنامہ ہمارا ادب (کے تمام شمارے 1959ء سے 2014ء تک)	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر	دسمبر 2014ء

انٹرویو:

محمد یوسف ٹینگ، سابقہ سکریٹری، کلچرل اکیڈمی، 5/ جون 2013ء

محمد احمد اندرابی، سابقہ چیف ایڈیٹر، شیرازہ، 5/ جون 2013ء

محمد اشرف ٹاک، مدیر اعلیٰ شیرازہ، 15/ جون 2013ء

خالد بشیر، سابقہ سکریٹری، کلچرل اکیڈمی، 25/ جون 2013ء

سلیم سالکؔ، معاون مدیر، شیرازہ، 15/ اپریل 2014ء

ڈاکٹر نذیر آزاد، 5/ جولائی 2014ء

سلیم ساغرؔ، ریسرچ اسسٹنٹ، شعبہ اُردو، کلچرل اکیڈمی، 5/ اگست 2014ء

پروفیسر نذیر احمد ملک، 1/ مارچ 2015ء

ویب سائٹ:

www.jkculture.nic.in

www.jkculture.in

www.kashmiruniversity.ac.in

www.svuniversity.ac.in

www.jammuuniversity.in

www.ugc.ac.in/printdeemeduniversity.aspx

www.urdumagazine.in

www.jklaw.nic.in

www.brabu.net

C E R T I F I C A T E

This is to certify that the thesis entitled "***Urdu Zuban-o-Adab ke Farogh mein Jammu & Kashmir Academy of Art, Culture & Languages ka Hissa***", submitted for the Award of the Degree of **Doctor of Philosophy (Ph.D.) inUrdu**, School of Languages, Linguistics & Indology, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, is the result of the original research work carried out by **Mr. Ghulam Mustafa Khan**, under my supervision and to the best of my knowledge and belief, the work embodied in this thesis does not form part of any Thesis / Dissertation / Project already submitted to any University / Institution for the award of any Degree / Diploma.

(Dr. Bi Bi Raza Khatoon)
Supervisor

(Dr. Abul Kalam)
Head, Dept. of Urdu

(Prof. S. M. H. Quadri)
Dean, School of Languages,
Linguistics & Indology

Place: Hyderabad
Date:

DECLARATION

I do, hereby, declare that this thesis entitled "***Urdu Zuban-o-Adab ke Farogh mein Jammu & Kashmir Academy of Art, Culture & Languages ka Hissa***" is an original research work carried out by me. No part of this thesis has been published, or submitted to any other University / Institution for the award of any Degree / Diploma.

Ghulam Mustafa Khan
Research Scholar
Ph.D. in Urdu
Enrollment No.:1101010103

Place: Hyderabad

Date:

Urdu Zuban-o-Adab ke Farogh mein Jammu & Kashmir Academy of Arts, Culture & Languages ka Hissa

Thesis Submitted

for the award of the Degree of

DOCTOR OF PHILOSOPHY
In

URDU

By
Research Scholar

Ghulam Mustafa Khan
Enrollment No.:1101010103

Under the Supervision of

Dr. Bi Bi Raza Khatoon
Assistant Professor

Department of Urdu
School of Languages, Linguistics & Indology
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
Gachibowli,Hyderabad - 32
2015